اللہ

ذکر بالجہر

صلی اللہ علیہ وسلم

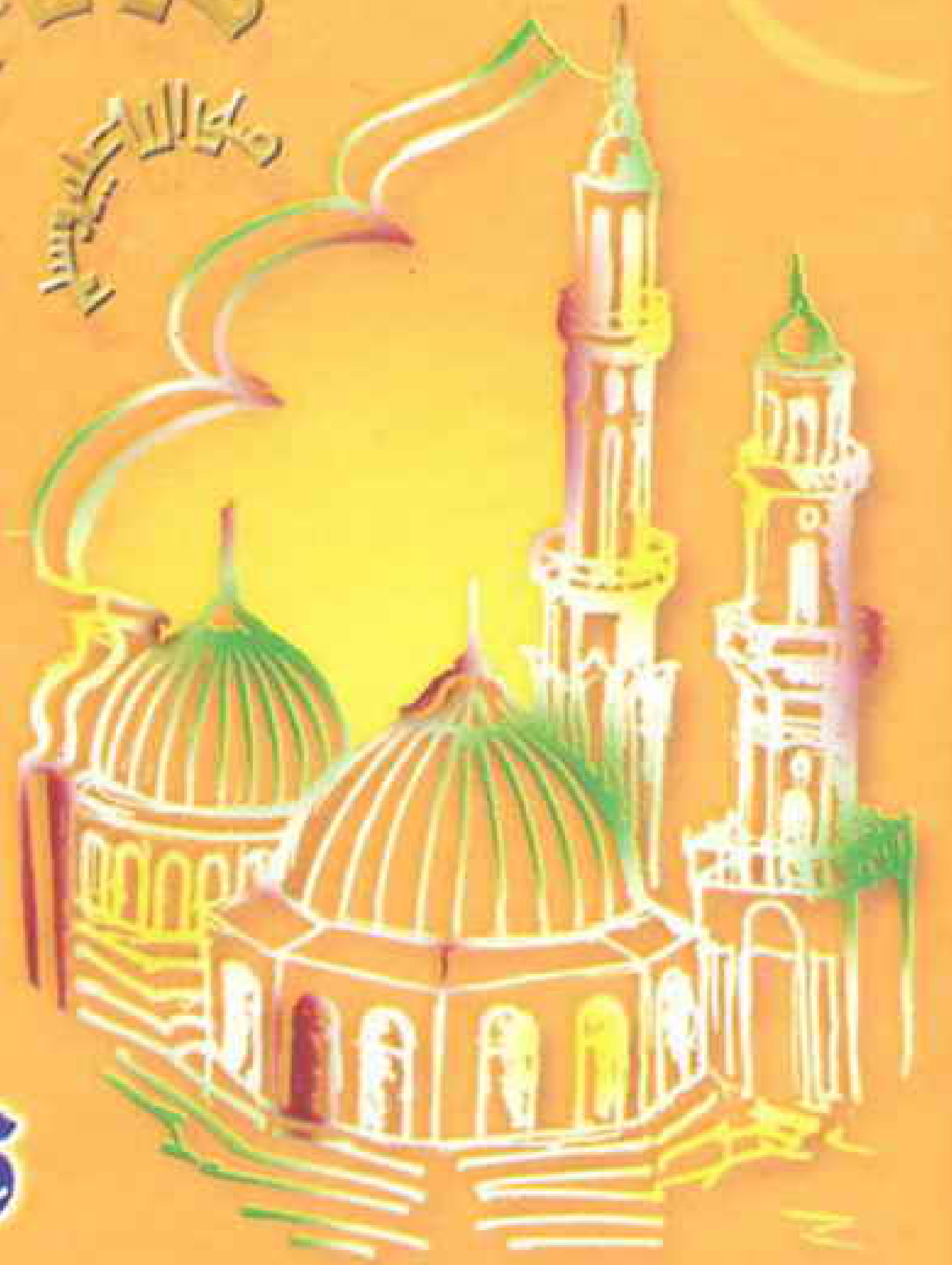

از رشحاتِ فکر

شیخ الحدیث والتفسیر علامہ غلام رسول سعیدی

صاحب شرح صحیح مسلم وتفسیر تبیان القرآن

فرید بک سٹال (رجسٹرڈ) لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا

اللہ کا ذکر کرو جیسے تم اپنے آباء کا ذکر کرتے ہو یا اس سے بھی زیادہ شدت سے (البقرۃ: ۲۰۰)

ذِکر بالجہر

بلند آواز سے ذکر الٰہی کے جائز و مستحب ہونے کا بیان آخر میں صلاۃ و سلام بصیغہ ندا اور اذان سے پہلے یا اس کے بعد درود شریف کے پڑھنے کے جواز و استحباب پر گفتگو

از رشحاتِ فکر

شیخ الحدیث والتفسیر علامہ غلام رسول سعیدی

صاحب شرح صحیح مسلم و تفسیر تبیان القرآن

WWW.NAFSEISLAM.COM

ناشر

فرید بک سٹال (رجسٹرڈ) ۳۸۔ اردو بازار لاہور

Copyright ©
All Rights reserved
This book is registered under the copyright act. Reproduction of any part, line, paragraph or material from it is a crime under the above act.

جملہ حقوق محفوظ ہیں
یہ کتاب کاپی رائٹ ایکٹ کے تحت رجسٹرڈ ہے، جس کا کوئی جملہ، پیرہ، لائن یا کسی قسم کے مواد کی نقل یا کاپی کرنا قانونی طور پر جرم ہے۔

Nafse Islam
نفس اسلام
WWW.NAFSEISLAM.COM

بار اول : 1971ء
الطبع الرابع : ذوالقعدۃ 1427ھ / دسمبر 2006ء
مطبع : رومی پبلیکیشنز اینڈ پرنٹرز لاہور
قیمت : [redacted] روپے

Farid Book Stall ®
Phone No:092-42-7312173-7123435
Fax No.092-42-7224899
Email:info@faridbookstall.com
Visit us at:www.faridbookstall.com

فرید بک سٹال (رجسٹرڈ) ۳۸۔ اردو بازار لاہور
فون نمبر ۰۹۲۔۴۲۔۷۳۱۲۱۷۳۔۷۱۲۳۴۳۵
فیکس نمبر ۰۹۲۔۴۲۔۷۲۲۴۸۹۹
ای میل: info@faridbookstall.com
ویب سائٹ: www.faridbookstall.com

فہرست (حصہ اوّل)

اہداء ۶
تعارف ۷
معروضات ۹
ذکر کے اقسام: ذکر باللسان ۱۲
ذکر بالعقل ۱۳
ذکر بالقلب ۱۴
ذکر بالجہر قرآنِ کریم سے دلائل ۱۵
افضلیت جہر ۱۹
ذکر بالجہر کی تیس فضیلتیں ۲۳
ذکر بالجہر پر حدیث سے دلائل ۲۷
ارشادات علماء اور ذکر بالجہر ۳۴
قرآن سے ذکر بالجہر کے خلاف استدلال اور اس کی تحقیق ۴۴
نفی جہر کی دوسری دلیل اور اس کا حشر ۵۰
نفی جہر پر تیسری دلیل اور اس کا حساب ۵۰
احادیث سے ذکر بالجہر کے خلاف استدلال ۵۲
ابن مسعود اور ذکر بالجہر ۵۶
امام ابو حنیفہ اور جہر بالتکبیر ۶۰
عبارات علماء اور ذکر بالجہر ۶۶
ذکر بالجہر پر مبتدعین کی عقلی شہادت اور ان کے جوابات ۷۰

نفس اسلام

فہرست (حصہ دوم)

WWW.NAFSEISLAM.COM

مقدمہ ۷۶
گذارش احوال واقعی ۷۶
حکم الذکر بالجہر کا تعارف ۷۸
کج روی اور فرار ۷۹
خلط مبحث اور سوقیانہ تحریر ۸۳
موضوع بحث ۸۵
اجمالی ثبوت ۸۵
نماز میں خلل کا جواب ۸۸
ذکر بالجہر اور قرآن کریم ۹۰
اطلاق اور عموم سے ثبوت ۹۰
حضرت مجدد کی عبارت سے مغالطہ آفرینی ۹۰
التزامی ثبوت ۹۲
ادعوا ربکم کی تحقیق ۹۲
واذکر ربک فی نفسک کی تحقیق ۹۶

ذکر بالجہر اور احادیث ۱۰۳

حدیث ابن عباس ۱۰۴

حدیث ابن عباس کے منسوخ ہونے کا جواب ۱۰۷

حدیث ابن عباس کے بارے میں ابن بطال کی تاویل کا جواب ۱۰۷

ذکر بالجہر پر علماء سلف و خلف کا اجماع ۱۱۰

حدیث ابن الزبیر ۱۱۲

حدیث ابن الزبیر بروایت مسلم ہونے کی تحقیق ۱۱۳

حدیث ابن الزبیر کا دیگر ائمہ سے ثبوت ۱۱۳

ابراہیم بن محمد پر جرح کا جواب ۱۱۵

حدیث ابن الزبیر کی صحت پر شواہد ۱۱۸

ابراہیم بن محمد کی توثیق ۱۱۹

فضائل اعمال میں حدیث ضعیف کی حجیت ۱۲۱

حدیث ابن الزبیر پر عقلی اعتراض کا جواب ۱۲۴

حدیث قدسی ۱۲۵

حدیث قدسی سے جہر پر استدلال کی وجوہات ۱۲۶

حدیث قدسی سے جہر پر استدلال کرنے والے ائمہ اور علماء ۱۲۷

حدیث نسائی ۱۳۱

دیگر احادیث ۱۳۴

حدیث مسلم ۱۳۸

اثبات جہر مزید احادیث کی روشنی میں ۱۴۲

اربعوا علی انفسکم ۱۴۴

خیر الذکر الخفی ۱۵۱

اثر ابن مسعود ۱۵۵

ذکر بالجہر اور فقہاء اسلام ۱۶۲

امام اعظم اور ذکر بالجہر ۱۶۲

امام اعظم کا مسلک جواز جہر علی الاطلاق ہے ۱۶۲

تکبیرات تشریق میں اختلاف افضلیت کا ہے ۱۶۵

غیر موضع مخصوصہ میں امام اعظم سے جہر کا ثبوت ۱۶۷

ذکر بالجہر اور صاحبین ۱۶۹

صاحبین کے قول پر عمل کی تفصیل اور تحقیق ۱۷۰

تنخواہ کے مسئلہ میں مخالفین امام اعظم اور صاحبین کسی کے قول کی پرواہ نہیں کرتے ۱۷۳

امام قاضی خاں اور ذکر بالجہر ۱۷۶

امام کردری اور ذکر بالجہر ۱۷۶

فتاویٰ عالمگیری اور ذکر بالجہر ۱۸۰

علامہ سیوطی اور ذکر بالجہر ۱۸۱

علامہ آلوسی اور ذکر بالجہر ۱۸۲

مولانا عبدالحی اور ذکر بالجہر ۱۸۵

گنگوہی صاحب اور ذکر بالجہر ۱۸۹

جہر کے ادنیٰ درجہ کی بحث ۱۹۱

WWW.NAFSEISLAM.COM

متوسط جہر کا گنگوہی صاحب سے ثبوت ۱۹۴

ریاکاری کا شبہ جہر سے رکنے کا سبب نہیں ہے ۱۹۶

تھانوی صاحب اور ذکر بالجہر ۱۹۸

تھانوی صاحب کے فتویٰ کے فوائد ۲۰۷

جہر مفرط کی اجازت ۲۰۷

الا اللہ کی ضرب ۲۰۸

الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ ۲۰۹

درود شریف کو بالعموم جہر سے پڑھنے کا ثبوت ۲۱۰

الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ کی تحقیق ۲۱۱

صحابہ کرام سے الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ پڑھنے کا ثبوت ۲۱۲

ندائے غیر اللہ کی تحقیق ۲۱۳

امور مافوق الاسباب میں نداء ۲۱۳

دور سے نداء کا ثبوت ۲۱۳

اموات کو نداء کا ثبوت ۲۱۴

فوت شدہ بزرگوں کو بطور استمداد کے نداء ۲۱۵

ندائے غیب پر تھانوی صاحب کے شبہات اور ان کے جوابات ۲۱۶

صحابہ کرام سے ندا بطورِ استمداد کا ثبوت ۲۱۷

فقہائے کرام سے ندا بطور استمداد بعد از وفات کا ثبوت ۲۱۸

ندائے غیر اللہ کے عدم جواز کا محمل ۲۲۲

ندائے یارسول اللہ ۲۲۳

نماز میں السلام علیک ایہا النبی کہنا انشاء ہے ۲۲۴

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا درود شریف سننا ۲۲۶

جلاء الافہام کی حدیث پر تھانوی صاحب کی بحث اور اس کا جواب ۲۲۸

ندائے یارسول اللہ کے جواز پر گنگوہی کی تائید ۲۳۲

اذان سے پہلے اور بعد صلوٰۃ و سلام پڑھنے کی تحقیق ۲۳۳

بدعت کا شبہ ۲۳۴

حدیث کی روشنی میں درود شریف بعد از اذان کا حکم ۲۴۱

اذان میں زیادتی کا شبہ ۲۴۴

حرفِ آخر ۲۴۶

اھداء

میں اپنی اس ناچیز کوشش کو غزالیٔ زمان رازیٔ دوراں آیۃٌ من آیاتِ اللہ حامی سُنّتِ رسُولِ اللہ قدوۃ الفُضلاء و زبدۃ الاصفیاء سیدی ومُرشدی حضرت علامہ احمد سعید شاہ صاحب کاظمی دامت برکاتہم العالیہ شیخ الحدیث انوار العلوم ملتان کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں۔

فان رفعہ الی سماک القبول فقد سعد کوکب الامل
فی برج شرف الحصول۔

غلام رسول سعیدی

Nafse Islam
نفس اسلام
WWW.NAFSEISLAM.COM

تعارف

حضرت مولانا محمد عبدالحکیم شرف قادری مدظلہٗ

مولانا علامہ غلام رسول سعیدی زید مجدہٗ اہل سنت کے نوجوان علماء میں علم و استدلال کے اعتبار سے قابلِ صد رشک شخصیت ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے قلم کو قوت و رعنائی کی دولت سے مالا مال کیا ہے۔ وہ بیک وقت بہترین مدرس، بلند پایہ خطیب، صاحبِ طرز ادیب اور کامیاب مناظر ہیں۔ بڑی بات یہ ہے کہ مسلک اہل سنت و جماعت کا بے پناہ درد رکھتے ہیں۔ کاش اہل علم نوجوان اس درد سے آشنا ہو کر اپنی ذمہ داریوں کا احساس کریں۔ یہ پریس کا دور ہے، اگر ہم نے پریس کی اہمیت کا احساس نہ کیا، تو نا قابلِ تلافی نقصان اٹھائیں گے۔ ضرورت ہے کہ ہم اپنی اجتماعی قوتوں کو اس محاذ پر لگا دیں۔

علامہ سعیدی صاحب ۱۹۳۸ء میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ پرائمری تک وہیں تعلیم حاصل کی۔ تقسیم ملک کے بعد کراچی میں نویں کلاس تک تعلیم حاصل کی اور پریس میں ملازم ہو گئے۔ مناظرِ اسلام مولانا محمد عمر اچھروی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تقریریں سننے سے علم دین حاصل کرنے کا شوق پیدا ہوا۔ ابتداءً جامعہ محمدیہ رضویہ رحیم یار خاں میں داخلہ لیا اور مولانا حافظ عبدالمجید صاحب سے استفادہ کیا۔ اسی دوران غزالیٔ زماں حضرت علامہ احمد سعید کاظمی دام ظلہ العالی کے دستِ مبارک پر بیعت ہوئے۔ پھر جامعہ نعیمیہ لاہور میں حضرت مولانا مفتی محمد حسین نعیمی دام ظلہٗ شیخ الحدیث سے قطبی، شرح جامی اور جلالین تک کتابیں پڑھیں۔ حضرت مولانا مفتی عزیز احمد بدایونی دام ظلہٗ سے تلخیص المفتاح کے کچھ اسباق پڑھے۔

WWW.NAFSEISLAM.COM

پھر بیدار بختی انہیں عصر حاضر کے عظیم ترین مدرس حضرت مولانا عطا محمد چشتی گولڑوی دام ظلہٗ کی خدمت میں بندیال (سرگودھا)، لے گئی جہاں معقول و منقول کی آخری کتب مثلاً قاضی مبارک، حمد اللہ، شمس بازغہ

صدرا، خیالی، ہدایہ اخیرین، مشکوٰۃ شریف اور ترمذی شریف وغیرہ کتب پڑھیں۔ بعد ازاں جامعہ قادریہ رضویہ لائل پور میں حضرت مولانا ولی النبی دام ظلہٗ العالی سے تصریح اور اقلیدس اور مولانا مختار احمد مدظلہٗ سے سراجی پڑھی۔

تحصیلِ علوم کے بعد ۱۹۶۶ء سے جامعہ نعیمیہ لاہور میں تدریس، افتاء اور تصنیف کے میدان میں بحسن وخوبی کام کر رہے ہیں۔ اس کے علاوہ خطابت کے فرائض بھی انجام دیتے ہیں۔

علامہ سعیدی صاحب نے ۱۹۶۶ء میں میلاد شریف کے موضوع پر اور ۱۰ نومبر ۱۹۶۹ء کو مسئلہ علمِ غیب پر مولوی عبدالقادر روپڑی کے ساتھ کامیاب مناظرہ کیا۔

مرکزی مجلس رضا لاہور کے شائع کردہ کتابچہ "محاسن کنز الایمان" از ملک شبیر محمد خان اعوان پر ماہر القادری مدیر "فاران" نے اپنے مخصوص انداز میں تبصرہ کیا جس پر علامہ سعیدی صاحب نے "ضیائے کنز الایمان" کے نام سے ادبی اور اعتقادی گرفت فرمائی۔ مشہور ادیب جناب احمد ندیم قاسمی نے اپنے "امروز" کے کالم میں ماہر صاحب کی ادبی غلطیوں پر علامہ سعیدی صاحب کی تنقید کو بے حد سراہا۔

علامہ سعیدی صاحب قلم کے دھنی ہیں، متعدد تصانیف اور بے شمار مضامین ان کے قلم سے نکل چکے ہیں، تذکرۃ المحدثین، توضیح البیان، ذکر بالجہر، اعلیٰ حضرت کا فقہی مقام، ضیائے کنز الایمان وہ عالمانہ تصانیف ہیں جنہیں اکابر اہلِ علم نے خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔

توضیح البیان مولوی سرفراز گکھڑوی صاحب کی "تنقید متین بر تفسیر نعیم الدین" کے جواب میں لکھی تھی، اس کے بعد رسالہ "ذکر بالجہر" لکھا جس میں سرفراز صاحب کی بعض عبارات پر تنقید بھی کی تھی۔ یہ رسالہ ۱۳۹۰ھ میں ہری پور سے چھپا تھا۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ مولوی سرفراز صاحب توضیح البیان کا جواب پہلے لکھتے۔ بجائے اس کے "ذکر بالجہر" کا جواب لکھ ڈالا جو ۱۳۹۶ھ میں چھپا۔ علامہ سعیدی صاحب نے قلم برداشتہ اس کا جواب لکھا جو ذکر بالجہر کے دوسرے حصے کے طور پر پیش کیا جا رہا ہے۔ مولائے کریم! اسے ذریعہ ہدایت بنائے۔

معروضات

(۱) ۱۳۸۹ھ میں مَیں نے اپنے قدیم رفیق اور اہل سنت کے مایہ ناز عالم دین اور مجاہد کارکن حضرت مولانا علامہ عبدالحکیم صاحب شرف زید شرفہٗ کی فرمائش پر ایک مختصر رسالہ "ذکر بالجہر" کے نام سے لکھا تھا جس میں فرائض کی جماعت کے بعد متوسط آواز سے لا الٰہ الا اللہ کے ذکر کو مثبت انداز سے پیش کیا تھا، اور مانعین کے شبہات کو رفع کرنے میں شائستگی کا دامن کسی موقع پر بھی ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ اس رسالہ کی اشاعت کے تقریباً سات سال بعد ۱۳۹۶ھ میں گکھڑ کے سرفراز صاحب نامی ایک مولوی صاحب نے "حکم الذکر بالجہر" کے نام سے اس کا جواب شائع کیا۔ یہ صاحب اپنے حلقہ میں شیخ الحدیث کہلاتے ہیں، سفید ریش اور پیرانہ وضع رکھتے ہیں، لیکن اپنی اس کتاب میں اللہ کا نام بلند کرنے کی پاداش میں راقم کو جگہ جگہ دشنام طرازی سے نوازا ہے۔ جن دنوں یہ کتاب منظرِ عام پر آئی۔ میں "تذکرۃ المحدثین" کی تصنیف کے آخری مراحل میں تھا، اسی دوران ہنگامی طور پر ضیاء کنز الایمان کے نام سے چھپن صفحات پر مشتمل ایک رسالہ لکھا۔ درس و تدریس اور افتاء کی مسلسل مشغولیات اور اس کے ساتھ کارِ تصنیف کے اس اضافہ نے اعصاب پر زبردست اثر ڈالا اور میں تقریباً ایک سال تک تبخیرِ معدہ کا شکار رہا اور تادم تحریر مکمل طور پر صحت یاب نہیں ہو سکا۔

(۲) اہل سنت کے بطلِ جلیل اور مجاہدِ ملت حضرت مولانا علامہ مفتی محمد عبدالقیوم صاحب مدظلہٗ اس دوران راقم کے ساتھ کمالِ محبت کے ساتھ رابطہ قائم کیے رہے اور جس وقت میں بیماری کے انتہائی نازک لمحات میں تھا، اس وقت بھی وہ برابر میری ہمت اور حوصلہ بڑھاتے رہے اور علاج معالجہ کے سلسلہ میں انتہائی اخلاص کے ساتھ تعاون کرتے رہے۔ محض میرے علاج کی خاطر

WWW.NAFSEISLAM.COM

ایک حکیم صاحب کا پتہ معلوم کرنے کے لئے ایک طویل سفر اختیار کیا۔ الغرض ان کی محبت، شفقت، مسلک کے ساتھ والہانہ لگاؤ اور تصنیف و تالیف کی خدمت پر مسلسل آمادہ کرتے رہنے نے مجھ کو یہ جذبہ اور ولولہ عطا کیا کہ میں اس طویل بیماری کے دوران بھی "حکم الذکر بالجہر" کے جواب کے سلسلہ میں کام کرتا رہا اور بالآخر گیارہ ربیع الثانی ۱۳۹۷ھ کی مبارک تاریخ اور جمعہ کے روزِ سعید کو یہ کتاب پایۂ تکمیل تک پہنچ گئی۔ والحمد للہ علیٰ ذالک۔ اور حضرت مفتی صاحب موصوف اور قبلہ استاذی المعظم علامہ مفتی محمد حسین صاحب نعیمی مدظلہ ناظمِ اعلیٰ جامعہ نعیمیہ لاہور کے مشورہ سے اس جواب کو "ذکر بالجہر" کی حیثیت دے کر حصہ اوّل اور حصہ دوم دونوں کو ایک ساتھ طبع کر کے پیش کیا جا رہا ہے۔

(۳) حضرت علامہ مفتی محمد عبدالقیوم صاحب مدظلہ نے علامہ محمد عبدالحکیم صاحب شرف، مولانا محمد منشا صاحب تابش قصوری اور مولانا الحاج محمد جعفر ضیائی کی رفاقت سے مسلک اہل سنت کے لئے ایک قابلِ صد ستائش دار التصنیف والاشاعت قائم کیا ہے۔ اس مرکزِ اشاعت نے علمائے اہلِ سنت کی متعدد نایاب کتب کو زندہ کیا اور ان کی حسین، دلکش اور دل آویز طریقہ سے اشاعت کی اس کے علاوہ موجودہ دور کے ثقہ اہلِ قلم اور اہلِ علم حضرات سے مختلف دینی اور تحقیقی موضوعات پر کتابیں تصنیف کرائیں اور ان کی کاوشِ قلم کو بھی خوبصورت اور دیدہ زیب انداز سے زیورِ طبع سے آراستہ کیا۔

WWW.NAFSEISLAM.COM

(۴) حضرت مفتی صاحب کی مسلک کے ساتھ والہانہ لگن کا یہ عالم ہے کہ نہ صرف انہوں نے خود ایک مرکزِ اشاعت قائم کیا، بلکہ اپنے اخلاص اور للّٰہیت سے متعدد مراکزِ اشاعت قائم کرا دیئے، چنانچہ اس کی ایک تازہ مثال یہ ہے کہ آپ نے ایک ملاقات میں حضرت مولانا سید زاہد علی شاہ صاحب مدظلہ کو "الحاوی للفتاوی" کی طباعت کے لیے آمادہ کیا اور بحمد اللہ یہ تحریک کامیاب رہی اور حضرت سید زاہد علی شاہ صاحب نے دیکھتے ہی دیکھتے عربی کی نہایت نایاب کتب کو مصر اور بیروت کے معیار پر مارکیٹ میں پیش کر دیا۔ میں اللہ جل مجدہ العزیز سے دعا کرتا ہوں کہ مسلک کے ساتھ جو بے لوث لگن اور نام و نمود سے بے نیاز ہو کر محض للہ فی اللہ کام کرنے کا جو ولولہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مفتی صاحب کے

دل میں رکھتا ہے، اس کو خداوند قدوس ہر سُنّی عالم کے دل میں عام کر دے۔ آمین۔

(۵) اس کتاب کی ترتیب کے سلسلہ میں جن حضرات نے مجھ کو مطلوبہ کتب کی فراہمی کی۔ ان میں حضرت علامہ مفتی عبدالقیوم صاحب مدظلہٗ، مہتمم جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور وناظمِ اعلیٰ تنظیم المدارس (اہل سنت)، حضرت مولانا عبدالحکیم صاحب شرف مدظلہٗ صدر مدرس جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور، حضرت مولانا سید حسین الدین شاہ صاحب مہتمم جامعہ رضویہ راولپنڈی اور عزیز القدر مولانا محمد سرفراز صاحب نعیمی ناظم شعبۂ کتب اسلامیہ جامعہ نعیمیہ لاہور، میں ان تمام حضرات کا تہ دل سے ممنون اور ان کے حق میں دارین کی فوز و فلاح کے لئے اللہ تعالیٰ کے حضور دُعاگو ہوں۔ اس کے ساتھ ساتھ میں حضرت مولانا شاہ محمد قصوری مدظلہٗ کا بھی شکر گزار ہوں جنہوں نے اس "ذکر بالجہر" (حصہ دوم) کی اپنے قلم زریں رقم سے انتہائی دل آویز، دلکش اور دیدہ زیب کتابت کی۔ نیز حضرت مولانا محمد منشا تابش قصوری مدظلہٗ کی خدمت میں بھی ہدیۂ سپاس پیش کرتا ہوں جنہوں نے پروف ریڈنگ میں بہترین تعاون فرمایا۔

(۶) آخر میں میں قارئین حضرات، سے دُعا کا خواستگار ہوں کہ وہ میرے لئے صحت اور اعصابی قوت کے لئے دُعا فرمائیں، کیونکہ میں ہنوز زیر علاج ہوں۔ نیز آجکل میں اُلوہیت کے موضوع پر ایک مبسوط کتاب لکھ رہا ہوں۔ دُعا فرمائیں کہ مولیٰ تعالیٰ مجھے اس موضوع پر کماحقہٗ لکھنے کی توفیق ارزانی فرمائے اور مسلک اہل سنت کے ساتھ وابستگی، اعمالِ صالحہ اور خدمتِ اسلام پر استقامت اور مداومت عطا فرمائے۔ آمین یا رب العالمین بجاہ حبیبک محمد سید المرسلین علیہ الف الف تسلیمات منا ومن العلماء الربانیین

العبد المذنب المفتقر الی اللہ

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ

مدرس جامعہ نعیمیہ۔ لاہور

WWW.NAFSEISLAM.COM

Nafse Islam
نفس اسلام
WWW.NAFSEISLAM.COM

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

قرآنِ کریم اور احادیثِ طیبہ میں ان گنت مواضع اور بے حساب مقامات پر ذکر اللہ کی رغبت دلائی گئی ہے اور معززِ قرآن اور روح احادیث سے آشنا حضرات پر مخفی نہیں کہ قرآن، حدیث اور عبارات علماء میں ذکر کا کئی معانی پر اطلاق کیا گیا ہے۔ ذکر باللسان ذکر بالعقل اور ذکر بالقلب۔ ہم پہلے ان تینوں اقسام کا اجمالی ذکر کرتے ہیں اور پھر ذکر بالجہر پر مفصل گفتگو کریں گے۔ کیونکہ اس زمانہ میں بعض مبتدعین نے اس کا انکار شروع کر دیا ہے۔ فنقول وباللہ التوفیق۔

ذکر باللسان

قرآنِ کریم میں اللہ تعالےٰ نے زبان سے ذکر بالجہر کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ آبَاءَكُمْ أَوْ أَشَدَّ ذِكْرًا (اللہ تعالےٰ کا کثرت سے ذکر کرو۔ اور اس کی حمد و ثنا بیان کرو جس طرح تم مجالس میں اپنے آباؤ اجداد کے مفاخر بیان کرتے ہو بلکہ اللہ تعالےٰ کا ذکر اس سے بھی زیادہ کرو) اس ذکر سے مقصود یہ ہے کہ زبان سے اللہ تعالےٰ کے اسماء و صفات کا ذکر کیا جائے۔ عام ازیں کہ خلوت میں ہو یا جلوت میں۔ جیسا کہ صوفیاء قدست اسرارہم کا طریقہ ہے کہ ایک جماعت حلقہ بنا کر بیٹھتی ہے اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتی ہے چنانچہ احادیثِ صحیحہ میں اس کی اصل موجود ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

عن ابی ھریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ان للہ تبارک وتعالیٰ ملائکۃً سیارۃً یبتغون مجالس الذکر فاذا وجدوا مجلسًا فیہ ذکر قعدوا معھم وحف بعضھم بعضًا باجنحتھم حتی یملؤوا ما بینھم و بین السماء الدنیا۔

حضرت ابی ہریرہ نبی علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ نے بزرگ فرشتوں کی ایک جماعت کو خاص کر لیا ہے جو کہ مجالسِ ذکر کو ڈھونڈتی ہیں یہی جماعت جب کسی مجلس میں لوگوں کو اللہ تعالےٰ کا ذکر کرتے ہوئے پاتی ہے تو وہاں بیٹھ جاتی ہے اور فرشتے انہیں گھیر لیتے ہیں۔ یہاں تک

صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۳۵۲ (مشکوٰۃ شریف صہ ۱۹۷) کہ زمین و آسمان کی ساری فضا فرشتوں سے بھر جاتی ہے۔

ذکر بالعقل

دلائلِ توحید اور آیاتِ الٰہیہ میں غور و فکر کرنے پر بھی ذکر کا اطلاق کرتے ہیں۔ اس ذکر مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ کی عظمت و جلال میں غور کرے۔ اس کی جبروت و ملکوت میں محوِ فکر ہو اور زمین و آسمان میں اللہ تعالےٰ نے اپنی ذات و صفات پر جو نشانیاں قائم کی ہیں، ان نشانیوں کو تلاش کرے۔ اور نشان پر پہنچ کر صاحب نشان کو یاد کرے۔ مثلاً درندوں کی چیرہ دستی کو دیکھ کر اللہ تعالےٰ کے قہر و غضب کو یاد کرے۔ اولاد پر ماں کی شفقت کو دیکھ کر اللہ تعالےٰ کی رحمت کو یاد کرے۔ اور بلند و بالا پہاڑوں کے غرور کو دیکھ کر اللہ تعالےٰ کی ہیبت کو یاد کرے۔ وسیع و محیط آسمانوں کی پہنائی کو دیکھ کر اللہ تعالےٰ کی عظمت کو یاد کرے۔ وعلی ھذا القیاس۔ صحیح مسلم میں ہے۔ مشکوٰۃ شریف صہ ۱۳۰۔ کہ جب سورج گہنا جاتا نبیؐ کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح پریشان ہو جاتے جیسے قیامت آ گئی ہو۔ اور فوراً نماز پڑھتے۔ خدا سے رحمت کی دعائیں مانگتے اور فرماتے ھذہ الآیات التی یرسل اللہ لا تکون لموت احد و لا لحیوتہ ولکن یخوف اللہ بہا عبادہ فاذا رأیتم شیئًا من ذلک فافزعوا الی ذکرہ۔

یہ وہ نشانیاں ہیں جو کسی کی موت و حیات کی وجہ سے ظاہر نہیں ہوتیں بلکہ ان نشانیوں سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے پس اس وقت تم اس کے ذکر کی پناہ میں آ جاؤ۔ مطلب یہ ہے کہ سورج کو گہن لگا دینا اور اس کو بے نور کر دینا اللہ تعالےٰ کے غضب کو ظاہر کرتا ہے پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خوف زدہ ہونا اس لئے تھا کہ کہیں اللہ تعالیٰ کا غضب نازل نہ ہو جائے۔ اور آپ نے یہ ظاہر فرمایا کہ ایسی علامتوں کے ظہور کے وقت خدا سے ڈرنا چاہیئے۔ کیونکہ جو خدا سورج کو بے نور کر سکتا ہے وہ ہماری آنکھوں اور دلوں کی بھی نور چھین لینے پر قادر ہے پس بندے کو ایسے وقت میں چاہیئے کہ خدا کو راضی کرنے کی کوشش کرے، اس سے ڈرتا ہے

ڈر خوف کھاتا رہے۔ اور دعا و استغفار میں کوشش کرتا رہے۔

ذکر بالقلب

ذکر بالقلب کا مطلب یہ ہے کہ دل میں اللہ تعالیٰ کی یاد رہے۔ چنانچہ ارشاد ہے وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِيْتَ۔

ذکر بالقلب کے دو مرتبے ہیں۔ ایک عوام کا مرتبہ اور ایک خواص کا۔ عوام کا مرتبہ یہ ہے کہ امر و نہی کے وقت خدا کو یاد رکھے۔ مثلاً جس وقت حیَّ علی الصلوٰۃ کی ندا کی جائے تو نماز پڑھ کر خدا کو یاد کرے۔ اور جب طبلِ جہاد بجایا جائے تو شمشیر بکف ہو کر خدا کو یاد کرے۔ انسان کی زندگی میں کئی مرتبہ ایسے موڑ آتے ہیں کہ وہ خلق اور خالق کی یاد کی کشمکش میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ ایسے موقع پر خلق کو بھول کر خالق کو یاد رکھنا ہی معراجِ ذکر ہے۔ مثلاً کسی آفیسر کو پیسوں کی ضرورت ہے۔ اپنی بہن کی شادی کے واسطے، ماں باپ کے علاج کے لئے اور بچوں کی اعلیٰ تعلیم کے لئے اسے کوئی شخص اتنی رشوت پیش کرتا ہے جس سے اس کے یہ سارے مسائل حل ہو جاتے ہیں۔ ایسے موقع پر وہ بہن کا جہیز، بچوں کی تعلیم اور بیمار باپ کو بھول جائے اور یہ یاد رکھے کہ مجھے اللہ اور اُس کے رسول نے رشوت لینے سے منع فرمایا ہے تو اس کے دل میں اللہ کی یاد ہے۔ اور اگر اس موقع پر وہ خدا کی نہی بھول کر اپنے مسائل یاد رکھے تو وہ ذاکر بالقلب نہیں ہے۔

WWW.NAFSEISLAM.COM

ذکر بالقلب کا دوسرا مرتبہ خواص اور مقربین کا ہوتا ہے جن کا دل کسی آن یادِ الٰہی سے غافل نہیں ہوتا اور وہ خالق کے جلووں میں اس طرح گم ہوتے ہیں کہ انہیں مخلوق کی طرف کوئی التفات نہیں ہوتا۔ اور اس کا اعلیٰ ترین مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے جو فرماتے ہیں لی مع اللہ وقت لا یسعنی فیہ ملک مقرب ولا نبی مرسل (میرا اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک ایسا وقت ہوتا ہے جس میں میرے ساتھ نہ کوئی ملک مقرب گنجائش رکھتا ہے اور نہ کوئی نبی مرسل) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حسنِ الوہیت کے جلووں میں اس طرح محو تھے اور محبتِ الٰہی سے ایسے سرشار تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ باقی مخلوقات کی طرف تو کیا ہوتی۔

خود اپنی ذات کی طرف بھی التفات نہ تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَىٰ۔ ہم نے آپ کو اپنی محبت میں وارفتہ اور اپنی ذات میں گم پایا۔ تو آپ کو مخلوق کی طرف متوجہ کیا کہ آپ تو معرفتِ ربوبیت یادِ الٰہی اور ذکرِ خداوندی کے اعلیٰ ترین مقام پر فائز ہیں۔ ذرا مخلوق کی طرف توجہ فرمائیں کہ انہیں بھی آپ کے بحرِ بیکراں مقام سے کچھ قطرے حاصل ہوجائیں اور آپ کے فیضانِ نظر اور انقلاب آور التفات سے ان کی کایا پلٹ جائے۔ گمراہی کی متلاطم موجوں سے تھپیڑے کھانے والے ساحلِ ہدایت پر آلگیں۔ صبحِ نور کی آمد سے ظلمت کافور ہوجائے اور توحید کی بلند بانگ گونجوں سے لات ومنات کے سینے پھٹ پڑیں۔ معصیت اپنا سر جھکالے اور قدسیوں کی عید ہوجائے۔

عنوانات بالا کی روشنی میں یہ امر واضح ہوگیا کہ ذکر کی تین اقسام ہیں۔ اس وقت موضوعِ سخن ذکر بالجہر سے ہے کیونکہ متبعین دیوبند اور ذریتِ محمد بن عبدالوہاب ذکر بالجہر کو بدعت حرام اور نہ جانے کن کن احکام سے نوازتے ہیں اس لئے ہم اس مسئلہ کو دلائل کی روشنی میں پوری تحقیق سے پیش کرنا چاہتے ہیں تاکہ باطل کے لئے کوئی عذر باقی نہ رہے اور متلاشیانِ حق پر حق اپنے تمام پہلوؤں سے واضح ہوجائے فنقول وباللہ التوفیق۔

ذکر بالجہر پر قرآنِ کریم سے دلائل

WWW.NAFSEISLAM.COM

ذکر بالجہر اور ذکر بالسر دونوں دلائل شرعیہ سے ثابت ہیں البتہ بعض صورتوں میں سر مستحب ہے اور بعض صورتوں میں جہر مستحسن ہے۔ یہ کلام جہرِ متوسط میں ہے۔ اور بعض عبارات میں جس جہر پر مکروہ، بدعت یا حرام کا اطلاق کیا گیا ہے۔ وہ جہر مفرط (حد سے زیادہ بلند آواز سے ذکر) یا جہر مخلوط بالریا پر محمول ہے اور وہ ہمارے دعوے سے خارج ہے اور جس جہر میں ہمارا کلام ہے وہ قرآنِ کریم کی مذکورہ ذیل آیت میں صراحۃً منصوص ہے۔

فاذکروا اللہ کذکرکم آباءکم او | اللہ کا ذکر کرو جیسے تم اپنے آباء کا ذکر

اَشَدَّ ذِکْراً۔ (قرآنِ کریم) کرتے ہو یا اس سے بھی زیادہ۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ زمانۂ جاہلیت میں کفار کا طریقہ یہ تھا کہ وہ حج سے فارغ ہونے کے بعد بیت اللہ کے سامنے کھڑے ہوتے اور اپنے باپ دادا کے کارناموں کو فخر کے ساتھ بیان کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بجائے آباء کے ذکر کے اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا کرو اور اہلِ فہم پر مخفی نہیں ہے کہ لوگوں کے سنانے کے لئے جو ذکر ہوگا وہ بالجہر ہی ہوگا۔ پس اس آیہ کریمہ سے التزاماً ذکر بالجہر کا جواز ثابت ہوا۔ چنانچہ شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں۔

دیگر آنکہ جہر مذکور مشروع است بے شبہ (الی ان قال) از دلائل آنست قول حق سبحانہ وتعالیٰ کذکرکم آبائکم

جان لو کہ ذکر بالجہر بلا شبہ جائز ہے اور اس کے دلائل میں سے اللہ سبحانہٗ کا فرمان ہے۔ کذکرکم آبائکم۔

(اشعۃ اللمعات جلد ۲ صـ ۲۷۸)

نیز قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

فاذا قضیتم الصلوٰۃ فاذکروا اللّٰہ قیاما وقعودا وعلی جنوبکم۔

پس جب تم نماز سے فارغ ہو جاؤ تو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو کھڑے بیٹھے اور لیٹے ہوئے۔

سید المفسرین حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

ملہ۔ مولانا اشرف علی تھانوی دیوبندی ذکر بالجہر پر یوں استدلال کرتے ہیں۔

ومن اظلم ممن منع مساجد اللّٰہ ان یذکر فیھا اسمہ وسعیٰ فی خرابھا

اس شخص سے بڑا ظالم کون ہے جو مساجد میں اللہ تعالیٰ کے نام کے ذکر سے منع کرتا ہے اور مساجد کو خراب کرنے کی کوشش کرتا ہے) ظاہر ہے کہ منع بدون اطلاع ذکر ممکن نہیں اور اطلاع بدون جہر غیر متصور ہے۔ (فتاویٰ امدادیہ جلد چہارم صـ ۳۳۴ مجتبائی) شرف بریلوی

عن ابن عباس فی قولہ فاذکروا اللّٰہ قیاماً وقعوداً وعلی جنوبکم قال باللیل والنہار فی البر والبحر وفی السفر والحضر والغنی والفقر والسقم والصحۃ والسر والعلانیۃ وعلی کل حال۔

فاذکروا اللّٰہ قیاما و قعودا و علی جنوبکم کی تفسیر میں حضرت ابن عباس سے روایت ہے رات اور دن میں دریا اور خشکی میں سفر اور حضر میں فراغت اور تنگدستی میں بیماری اور صحت میں سرًا اور جہر سے ہر حال میں اللہ کا ذکر کرو۔

(درِ منثور للامام السیوطی الشافعی جلد ۲ صـ ۲۱۲ ۔ تفسیرات احمدیہ لملا جیون الحنفی صـ ۲۰۵ احیاء العلوم للغزالی جلد ۱ صـ ۳۰۱)

قرآنِ کریم میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔

فاذکرونی اذکرکم | تم میرا ذکر کرو میں تمہارا ذکر کروں گا۔

قرآنِ کریم کی اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالےٰ نے ذکر کرنے کا حکم دیا ہے اور ذکر کو سر یا جہر کے ساتھ مقید نہ کرنا اس کے عموم اور اطلاق کو ظاہر کرتا ہے اور اصولِ حنفیہ میں مقرر ہے کہ نصوص مطلقہ کو ان کے اطلاق اور عموم پر محمول کیا جاتا ہے۔ اسی

لـہ ۔ مولوی اشرف علی تھانوی دیوبندی لکھتے ہیں۔

راقم کی رائے میں قول مجوزین (جہر کو جائز کہنے والوں) کا صحیح اور ان میں سے مفصلین (ریا یا اذیت وغیرہ کا خطرہ نہ ہو تو جہر افضل ورنہ سرّ افضل) کا قول راجح معلوم ہوتا ہے کہ سب آیات و احادیث و اقوال علماء کے جمع ہو جاتے ہیں بجز ان خیر الامور اوسطہا پس بعد ثبوت مشروعیت جہر کسی طور و ہیئت کے ساتھ مقید نہیں بلکہ بوجہ اطلاق ادلہ مطلق ہے خواہ منفرد ہو یا مجتمع حلقہ باندھ کر ہو یا صف باندھ کر یا کسی اور صورت سے کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر ہر طور سے جائز ہے

(امداد الفتاویٰ جلد چہارم صـ ۳۵۴ مجتبائی)

فتاویٰ امدادیہ جلد چہارم صـ ۳۴۶ پر لکھتے ہیں۔

پس ثابت ہوا کہ ذکر ہر طور سے جائز ہے کسی کو کسی طور سے منع نہ کریں یہی ارجح واضح ہے بلکہ اگر عدمِ مشروعیت کو بھی ترجیح دی جائے تب بھی عوام کو منع نہ کریں کہ اسی بہانہ کچھ ذکر کر گزرتے ہیں۔ چنانچہ خود مانعین نے اس امر کی تصریح کر دی ہے۔ شرف لاہوری

وجہ سے علامہ جلال الدین سیوطی جمل، خازن حافظ ابن کثیر اور نواب صدیق حسن بھوپالی وغیرہم مفسرین نے اس آیت کے تحت اس حدیث کو ذکر کیا ہے کہ

من ذکرنی فی نفسہ ذکرتہ فی نفسی ومن ذکرنی فی ملاء ذکرتہ فی ملاء خیر منھم (جو مجھے اکیلا یاد کرے میں اسے اکیلا یاد کرتا ہوں۔ اور جو مجھے جماعت میں یاد کرتا ہے میں اسے اس سے بہتر جماعت میں یاد کرتا ہوں) جو ذکر بالسر و ذکر بالجہر دونوں پر دلالت کرتی ہے۔ کما سیاتی پس ثابت ہوا کہ ذکر بالسر والجہر دونوں مامور بہ ہیں۔ دیکھئے اسی آیت کے تحت سلیمان جمل سیوطی کی نقل کردہ حدیث من ذکرنی فی نفسہ کی شرح میں فرماتے ہیں۔ ای خالیا عن الخلق ولو جہرا (یعنی فی نفسہ کا مطلب ہے اکیلا ذکر کرے خواہ ذکر بالجہر ہی کیوں نہ ہو)

اور علامہ خازن فرماتے ہیں۔

الذکر یکون باللسان وھو ان یسبحہ ویحمدہ ویمجدہ ونحو ذالک من الاذکار ویکون بالقلب وھو ان یتفکر فی عظمۃ اللہ تعالیٰ۔

(تفسیر خازن جلد ا صـ ۹۴)

ذکر زبان سے بھی ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تحمید اور تمجید کی جائے اور ذکر قلب سے بھی کیا جاتا ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت میں تفکر کیا جائے۔

WWW.NAFSEISLAM.COM

اور امام فخر الدین رازی فرماتے ہیں۔

اما الذکر فقد یکون باللسان وقد یکون بالقلب وقد یکون بالجوارح فذکرھم ایاہ باللسان ان یحمدوہ ویسبحوہ ویمجدوہ ویقرؤا کتابہ

(تفسیر کبیر جلد ۲ صـ ۳۴)

ذکر کبھی زبان سے ہوتا ہے کبھی قلب سے اور کبھی اعضاء ظاہرہ سے۔ زبان سے ذکر یہ ہے کہ اللہ تعالے کی تسبیح اور تحمید کریں اور اس کی کتاب پڑھیں۔

اور علامہ ابن ابی النصر البقلی الشیرازی فرماتے ہیں۔

ان الذاکرین علی مراتب قوم

ذاکرین کے مرتبہ میں ایک قوم ہے جو زبان

ذکر واللہ بالسنۃ ناطقۃ وقلوب عارفۃ حتی وجد واحلاوۃ الذکر وقوم ذکر واللہ بافعال مخلصۃ وطاعات مرضیۃ۔

اور قلب عارف سے ذکر کرتی ہے۔ حتیٰ کہ وہ ذکر کی مٹھاس پاتے ہیں اور ایک قوم وہ ہے جو اللہ کی یاد افعال مخلصہ اور پسندیدہ عبادات سے کرتی ہے۔

(تفسیر عرائس البیان جلد ۱ صہ ۳۲)

اور مشہور غیر مقلد عالم نواب صدیق حسن بھوپالی کہتے ہیں۔

الذکر یکون باللسان وھو التسبیح والتحمید ونحو ذالک من الاذکار الماثورۃ ویکون بالقلب وھو التفکر فی الدلائل الدالۃ علی واحدانیۃ وبدائع خلقہ ویکون بالجوارح وھوالاستغراق فی الاعمال التی امروابھا۔

ذکر زبان سے ہوتا ہے اور وہ تسبیح اور تحمید اور دوسرے ماثورہ اذکار ہیں اور قلب سے بھی ہے اور وہ دلیل توحید میں تفکر کرنے کو کہتے ہیں اور جوارح سے ہوتا ہے اور وہ عبادات بدنیہ میں اشتغال کو کہتے ہیں۔

(تفسیر فتح البیان جلد ۱ صہ ۲۰۳)

افضلیت جہر

مذکورہ بالا حوالوں سے یہ بات آفتاب سے زیادہ روشن طریقہ پر واضح ہو گئی کہ زبان سے ذکر بالجہر اور قلب سے ذکر بالسر دونوں ہی فاذکرونی کے عموم میں داخل ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ ذکر بالسر اور ذکر بالجہر دونوں ہی جائز اور مستحسن ہیں بلکہ بعض قرائن سے پتہ چلتا ہے کہ ذکر بالجہر ذکر بالسر پر فضیلت[1] رکھتا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے

وعن ابی قتادۃ قال ان رسول اللہ ﷺ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے

---

[1] مولوی اشرف علی تھانوی دیوبندی لکھتے ہیں

عزیزم السلام علیکم ورحمۃ اللہ ذکر دونوں طرح مفید ہے لیکن جہر اچھا معلوم ہوتا ہے آپ بھی جہر کریں۔ مگر اس قدر جہر نہ ہو کہ لوگوں کو تکلیف پہنچے۔

(فتاویٰ امدادیہ جلد چہارم صہ ۲ مجتبائی) شرف لاہوری

صلی اللہ علیہ وسلم خرج لیلۃ فاذا ھو بابی بکر یصلی یخفض من صوتہ و مر بعمر وھو یصلی رافعا صوتہ قال فلما اجتمعا عند النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال یا ابا بکر مررت بک وانت تصلی تخفض صوتک قال قد اسمعت من ناجیت یا رسول اللہ وقال لعمر مررت بک وانت تصلی رافعا صوتک فقال یا رسول اللہ اوقظ الوسنان واطرد الشیطان فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم یا ابابکر ارفع من صوتک شیئا وقال لعمر اخفض من صوتک شیئا۔

رواہ ابوداؤد والترمذی نحوہ

مشکوٰۃ شریف

صـ ۱۰۷

مروی ہے کہ ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور حضرت ابوبکر کے پاس سے گزرے جو آہستہ آواز سے نماز پڑھ رہے تھے اور حضرت عمر کے پاس سے گزرے جو بلند آواز سے پڑھ رہے تھے۔ پس جب دونوں حضور نبی کریم کے پاس جمع ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ اے ابوبکر میں تیرے پاس سے گزرا تیری آواز نماز میں پست تھی۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس سے میری مناجات تھی میں نے اسے اپنی بات سنا دی پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر سے فرمایا کہ میں تمہارے پاس سے گزرا اور تمہاری آواز بہت بلند تھی۔ انہوں نے عرض کیا کہ میں سوتوں کو جگا رہا تھا اور شیطان کو بھگا رہا تھا۔ آپ نے حضرت ابوبکر سے فرمایا کہ اے ابوبکر تم اپنی آواز کو قدرے بلند کرو اور حضرت عمر سے فرمایا کہ تم اپنی آواز کو پست کرو۔

WWW.NAFSEISLAM.COM

اس حدیث سے ظاہر ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر کو جہر مفرط سے جہر معتدل کی طرف راجع کیا لیکن جہر کو بہر حال باقی اور مقرر رکھا اور حضرت صدیق اکبر کو سر سے جہر کی طرف راجع فرمایا، چنانچہ فرمایا یا ابابکر ارفع من صوتک شیئا۔ پس اس فرمان میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رفع صوت

کا امر فرمایا اور طریق سلوک میں مقرر ہے کہ شیخ سالک کو ادنیٰ مرتبے سے اعلیٰ مرتبے کی طرف بڑھاتا ہے۔ پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت ابوبکر کو سرِ محض سے جہر معتدل کی طرف لے جانا اس امر پہ واضح دلیل ہے کہ سرِ محض پہ جہر معتدل عظیم فوقیت رکھتا ہے۔

اس مقام پر ایک شبہ یہ کیا جاتا ہے کہ ارفع من صوتک شیئاً۔ آواز اونچی کرو) کا مطلب جہر نہیں ہے جس میں دوسرا بھی سنتا ہے بلکہ اس سے اسماع لنفسہ (اپنے آپ کو سنانا) مراد ہے یعنی اس طرح پڑھو کہ صرف تم سن سکو فلھذا اس سے جہر ثابت نہیں ہوتا۔

اس کا جواب ملا علی قاری کی زبان سے سنیئے وہ ارفع من صوتک شیئاً کی شرح میں فرماتے ہیں۔

ای قلیلاً لینتفع بک سامع و لیتعظ مہتد۔ آواز کو بلند کرو تاکہ سننے والے کو تم سے نفع حاصل ہو اور متلاشیٔ ہدایت کو ہدایت حاصل ہو۔ آگے چل کر فرماتے ہیں واجعل للخلق من قراءتک نصیبا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے امر رفع صوت کا مطلب یہ تھا کہ اے ابوبکر اپنی قرأت سے مخلوق کے لئے کچھ حصہ رکھو۔ ان تصریحات سے یہ امر واضح ہوگیا کہ ارفع من صوتک شیئاً سے اِسماع النفس مراد نہیں ہے بلکہ اسماع للغیر مراد ہے وھو المطلوب۔

دوسرا شبہ اس مقام پہ یہ کیا جاتا ہے کہ اگر قاعدہ یہ ہے کہ شیخ سالک کو ادنیٰ سے اعلیٰ مرتبے کی طرف لے جاتا ہے اور اعلیٰ مرتبہ جہر ہے تو چاہیئے تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عمر کو مزید رفع صوت کا امر فرماتے حالانکہ انہیں آواز کم کرنے کا امر ہوا اس کا جواب واضح ہے کہ اعلیٰ مرتبہ جہر معتدل ہے اور وہ جہر متوسط ہے کما قال اللہ تعالیٰ وابتغ بین ذالک سبیلا۔ اور حضرت عمر کی آواز چونکہ متوسط درجہ سے زیادہ تھی لہٰذا اس مقدار کا جہر متوسط کے مقابلہ میں ادنیٰ درجہ تھا۔ پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں جہر مفرط سے جہر متوسط کی طرف راجع

کر کے انہیں ادنیٰ سے اعلیٰ مرتبہ کی طرف متوجہ فرمایا۔

تیسرا شبہ یہ کیا جاتا ہے کہ یہ حدیث جہر کی بالخصوص نماز کے بارے میں وارد ہے اسے ذکر پر محمول کرنا صحیح نہیں ہے۔ اس کا جواب اولاً یہ ہے کہ یہ حدیث اگرچہ نماز ہی کے ذکر مخصوص کے بارے میں وارد ہے لیکن اہلِ علم پر مخفی نہیں ہے کہ خاص کا حکم عام پر اس وقت جاری نہیں ہوتا جب اس حکم کا مقتضیٰ خاص کی خصوصیت ہو اور جب اس حکم کا منشاء خاص کی خصوصیت نہ ہو تو پھر خاص کا وہ حکم حقیقت میں عام ہی کی طرف راجع ہوتا ہے اور ما نحن فیہ میں ذکر بالجہر کے لئے نماز مخصص نہیں ہے کیونکہ یہ رات کی نفلی نماز تھی اور رات کو نوافل میں قرائت یا سراً یا بالجہر دونوں طرح جائز ہے۔ یعنی رات کی نفلی نماز قرائت جہریہ کے ساتھ خاص نہیں ہے پس ظاہر ہوا جہاں سر اور جہر دونوں جائز ہوں وہاں مطلوب اور مستحسن جہر ہوتا ہے۔

ثانیاً استدلال کا مرکزی نقطہ ارفع من صوتک شیئاً (اپنی آواز بلند کر) ہے اور اس کو حضور علیہ السلام نے فی الصلوٰۃ کے ساتھ مقید نہیں فرمایا۔ فلہٰذا وہ اپنے عموم اور اطلاق پر رہے گا۔ کما ھو مقرر فی الاصول۔

ثالثاً یہ صحیح ہے کہ ارفع من صوتک شیئاً صلوٰۃ اللیل کے بارے میں وارد ہے لیکن ذوی الافہام پر مخفی نہیں کہ اعتبار عموم الفاظ کا ہوتا ہے نہ کہ خصوصِ مورد کا۔

رابعاً۔ استاذ المحدثین شیخ شیوخنا علامہ ابنِ حجر مکی نے فتاویٰ حدیثیہ صفحہ ۶۵ پر اس حدیث سے ذکر بالجہر پر استدلال کیا ہے۔

بحمد اللہ العزیز۔ مذکورہ بالا حدیث کی روشنی میں واضح ہوگیا کہ ذکر بالجہر ذکر بالسر پر فضیلت رکھتا ہے۔ اب ہم آپ کے سامنے جہر کی فضیلت پر

لہ۔ حضرت علامہ فاضل اجل شیخ تاج الدین احمد بن عطاء اللہ سکندری نے مفتاح الفلاح و مصباح الارواح میں ذکر کے چند فضائل ذکر کئے ہیں۔ احادیث کے پیشِ نظر ان میں سے بعض

(باقی صفحہ ۲۳)

تیس وجوہ پیش کرتے ہیں جن میں سے بعض وجوہ علمار اعلام نے اپنی تصانیف میں ذکر فرمائی ہیں - اور اکثر وجوہ اللہ عزوجل نے راقم الحروف کے قلب پر القار فرمائیں -

۱ - ذکر بالجہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مطلوب ہے کما ھو مستفاد من

نقل کیے جاتے ہیں -

ذکر (۱) اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا سبب ہے (۲) شیطان کو دور کرتا ہے ، اسے دور کے رکھتا ہے اور ناراض کرتا ہے (۳) دل سے رنج والم کو دور کرتا ہے (۴) دل کو خوش اور مسرور کرتا ہے (۵) دل اور بدن کی تقویت کا باعث ہے (۶) چہرے اور دل کو منور کرتا ہے (۷) ظاہر و باطن کی اصلاح کرتا ہے (۸) فراخیٔ رزق کا باعث ہے (۹) ہمیشہ ذکر کرنا محبت کا سبب اور عظیم دروازہ ہے (۱۰) ذکر مراقبے تک پہنچاتا ہے جس کے ذریعے مقام احسان حاصل ہوجاتا ہے اور بندہ اپنے رب قدوس کی اس طرح عبادت کرنے لگ جاتا ہے کہ گویا اسے دیکھ رہا ہے (۱۱) رب کریم کے قرب کا باعث ہے (۱۲) بندے کے دل میں معرفت کا دروازہ کھولتا ہے (۱۳) اس سے بندے کو اپنے رب کی جلالت کا احساس پیدا ہوتا ہے (۱۴) اس سے انسانی دل زندگی حاصل کرتا ہے جیسے بارش سے کھیتی (۱۵) ذکر روح کی قوت ہے جیسے کہ غذا بدن کی (۱۶) اس کی وجہ سے دل غفلت اور اتباعِ شہوت کے زنگ سے صاف ہوجاتا ہے (۱۷) فکر کے لئے ذکر وہی حیثیت رکھتا ہے جو تاریکی میں بصارت کے لئے چراغ (۱۸) گناہوں کو ختم کرتا ہے - ارشاد باری تعالےٰ ہے ان الحسنات یذھبن السیئات (۱۹) اس وحشت کو دور کرتا ہے جو غافل بندے کو پیدا ہوجاتی ہے (۲۰) جو شخص خوشحالی میں اللہ تعالےٰ کا ذکر کرتا ہے اللہ تعالیٰ مصیبت کے وقت اس پر انعام فرماتا ہے - حدیث شریف میں ہے کہ جب ذکر کرنے والا دعا مانگتا ہے تو فرشتے عرض کرتے ہیں اے رب کریم یہ آواز بھی جانی پہچانی ہے اور بندہ بھی شناسا ہے اور جب ذکر سے غافل رہنے والا دعا مانگتا ہے تو فرشتے عرض کرتے ہیں اے رب قدوس یہ آواز اور بندہ دونوں ہی غیر معروف ہیں (۲۱) اس سے بڑھ کر اللہ تعالےٰ کے عذاب سے بچانے والا کوئی عمل نہیں (۲۲) ذکر کی وجہ سے سکون واطمینان نازل ہوتا ہے - ارشاد باری تعالےٰ ہے الا بذکر اللہ تطمئن القلوب - (۲۳) فرشتے ذکر کرنے والے کا احاطہ کرتے ہیں (۲۴) زبان کو غیبت جھوٹ اور ہر باطل بات

(باقی صفحہ ۲۳۴ پر)

قولہ صلی اللہ علیہ وسلم ارفع من صوتک شیئاً۔

۲۔ ذکر بالجہر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا معمول ہے (کما فی خبر مسلم وسیأتی۔

سے روکتا ہے (۲۵) ذکر کرنے والے کا ہم نشین بدبخت نہیں ہوتا (۲۶) بلکہ خوش نصیب ہوتا ہے۔ (۲۷) ذکر کے ساتھ رونا بھی شامل ہو جائے تو یہ قیامت کے دن عرش مجید کا سایہ ملنے کا سبب ہے۔ (۲۸) جو شخص دعا کی بجائے ذکر کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے بہترین جزاء دے گا (۲۹) جہنم سے آزادی کا ذریعہ ہے (۳۰) دنیا و آخرت میں نسیان سے بچاتا ہے (۳۱) ذکر پراگندہ خیالی کو دور کرتا (۳۲) دل سے قساوت کو دور کر کے نرمی اور فرحت پیدا کرتا ہے (۳۳) ذکر دل کی ہر مرض کی دوا ہے جبکہ غفلت دل کی بیماری ہے (۳۴) اللہ تعالیٰ ذکر کرنے والوں سے ملائکہ کے سامنے فخر فرماتا ہے (۳۵) ذکر کرنے سے جنت میں مکانات بنائے جاتے ہیں (۳۶) ذکر آدمی اور آگ کے درمیان دیوار ہے۔ اگر آدمی ہمیشہ ذکر کرے تو دیوار مضبوط ہو گی ورنہ کمزور (۳۷) ذکر کی لذتیں ہر کھانے اور پینے والی چیز سے زیادہ ہیں (۳۸) ذکر کرنے والے کے دل اور چہرے کو تروتازگی اور خوشی عطا کی جاتی ہے اور آخرت میں اس کا چہرہ چاند سے بھی زیادہ روشن ہو گا (۳۹) اس کے لئے ہر جگہ گواہی دے گی جیسے کہ دوسری نیکیوں اور گناہوں کا معاملہ ہے (۴۰) ذکر کرنے والا زندہ ہے گو کہ ظاہری طور پر مر جائے اور غافل مردہ ہے۔ اگرچہ بظاہر زندہ ہو (۴۱) ذکر موت کے وقت کی پیاس سے نجات دیتا ہے۔

(۴۲) خوفناک مقامات میں امن کا باعث ہے (۴۳) ذکر مومن شاکر کی علامت ہے منافق بہت کم ذکر کرتا ہے (۴۴) ذکر ایک آگ ہے جو ضرورت سے زیادہ کھائی ہوئی چیز کو جلا دیتی ہے (۴۵) تاریکیوں کو دور کر کے انوار کو پیدا کرتا ہے۔

مفتاح الفلاح ص ۱۱۸ بر حاشیہ لطائف المنن

جلد ثانی ۱۲

شرف لاھوری

WWW.NAFSEISLAM.COM

۳- ذکر بالجہر سے انجانوں کو ذکر کی تعلیم ہوتی ہے۔

۴- ذکر نہ کرنے والوں کو ذکر کا شوق اور اس کی طرف رغبت پیدا ہوتی ہے۔

۵- فساق اور فجار کی قلوب پر ذکر سے ضرب لگتی ہے۔

۶- کفار پر ہیبت چھا جاتی ہے۔

۷- شوکتِ اسلام اور شعائرِ دین ظاہر ہوتا ہے۔

۸- ذکر بالجہر سے زبان دل اور دماغ تینوں مشغول بعبادت ہوتے ہیں۔

۹- ذکر بالجہر میں مشقت ہوتی ہے۔ حدیث شریف میں ہے افضل العبادات احمزها (افضل عبادت وہ ہے جس میں زیادہ مشقت ہو)

۱۰- ذکر بالجہر کا نفع متعدی ہے کیونکہ سننے والوں کو بھی ثواب ملتا ہے۔

۱۱- ذکر بالجہر ذاکر کو اونگھ، نیند اور سستی سے محفوظ رکھتا ہے اور جہر اس کی آنکھوں کو بیدار قلب کو مشتاق اور ذہن کو ہشیار رکھتا ہے۔

۱۲- ذکر بالجہر کی برکتیں ان تمام جگہوں پر پہنچتی ہیں۔ جہاں تک ذاکر کی آواز جاتی ہے چنانچہ انسان، حیوان، شجر، حجر سب جہر کی برکتوں سے مستفید ہوتے ہیں۔

۱۳- ذکر بالجہر کی وجہ سے ذاکر کو اپنے ذکر پر بکثرت گواہ ملتے ہیں جس جس جگہ آواز جاتی ہے وہ سب قیامت کے دن اس کے ذکر پر گواہی دیں گے۔

۱۴- ذکر بالجہر کرنے والوں کو فرشتے ڈھونڈتے ہیں۔ (کما فی خبرِ مسلم وسیاق)

۱۵- فرشتے ذکر بالجہر کرنے والوں کا زمین سے آسمان تک احاطہ کر لیتے ہیں۔

۱۶- ذکر بالجہر کرتے والوں کی مغفرت کی اللہ تعالیٰ نے بشارت دی۔

۱۷- ذکر بالجہر کو لے جانے پر فرشتے مامور ہیں۔

۱۸- ذکر بالجہر کرنے والوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ بدکاروں کو بھی بخش دیتا ہے۔

۱۹- حدیث شریف میں ہے کہ جس ذکر کو فرشتے سنتے ہیں۔ وہ اس ذکر پر ستر درجہ فضیلت رکھتا ہے جسے فرشتے نہیں سنتے۔ (ماخوذ از فتاوی عزیزی)

۲۰- ذکر بالجہر سے ذاکر غیر کی اصلاح کے لئے کوشاں ہوتا ہے اور یہ طریقِ انبیاءؑ

کی پیروی ہے۔

۲۱۔ ذکر بالجہر کی وجہ سے ردی وسوسے اور کیفیات نفسانیہ مندفع ہو جاتے ہیں۔

۲۲۔ عبادات کاملہ کا اظہار ہوتا ہے۔ امتثالاً لقولہ تعالیٰ واما بنعمۃ ربک فحدث

۲۳۔ ذکر بالجہر کی وجہ سے مسلمان ایک مجلس میں جمع ہوتے ہیں۔

۲۴۔ ایک دوسرے سے ملاقات، تعارف اور دوستی کا سبب ہے۔

۲۵۔ ذکر بالجہر سے اللہ فرشتوں پر مباہات فرماتا ہے۔

۲۶۔ ذکر بالجہر بشر کے حق میں ملائکہ پر حجت ہے۔

۲۷۔ ذکر بالجہر کو بارگاہِ ایزدی میں حضوری کا شرف ملتا ہے۔

۲۸۔ ذکر بالجہر کی وجہ سے لوگ باہم عبادات میں تعاون کرتے ہیں۔

۲۹۔ ذکر بالجہر کے لئے جمع ہونا دوسری عبادت کی طرف پہنچانے والا ہوتا ہے مثلاً سلام عند التلاقی والوداع عند الاختتام اور حسنِ معاشرت۔

۳۰۔ ذکر بالجہر سلسلہ اولیسیہ وقادریہ وچشتیہ کا معمول ہے۔ وہمہ پیراں ما اند

مذکورہ بالا سطور میں ذکر بالجہر کی ذکر بالسر پر جو افضلیت بیان کی گئی ہے وہ اس وقت ہے۔ جب ریاء، ضررِ مسلمین اور خللِ عبادات کا خوف نہ ہو اور جب ان امور کا خوف ہو تو اس وقت ذکرِ بالسر افضل ہے۔ اور اگر غائر نظر سے دیکھا جائے تو ضررِ مسلمین اور خللِ عبادت محض ایک ظاہری امر ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے ذکر سے نہ مسلمانوں کو تکلیف ہوتی ہے نہ ان کی عبادات میں خلل پڑتا ہے اور اس کی کماحقہ تحقیق ہم انشاء اللہ العزیز آئندہ صفحات میں بیان کریں گے پس ثابت ہوا کہ ذکر بالسر کی افضلیت صرف ایک وجہ سے ہے اور وہ ہے خوفِ ریا پس اگر خوفِ ریا ہو تو ذکر بالسر افضل ہے اور اگر خوفِ ریا نہ ہو تو ذکر بالجہر افضل ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ایک وجہ سے ذکر بالسر افضل ہے اور تیس ۳۰ وجوہ سے ذکر بالجہر افضل ہے اور یہ بات بلا خوف وخطر کہی جا سکتی ہے کہ ریاء کا خوف ناقصین کو ہوتا ہے جن کا نفس مطمئن نہیں ہوتا اور اصحابِ نفوس

مطمئنہ اور کاملین کو اخلاص میں اس قدر شدید اشتغال ہوتا ہے کہ وہاں اختلاط ریاء کا تصور ہی نہیں ہو سکتا یہی وجہ ہے کہ امام الکاملین رئیس المطمئنین سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ، کو حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ارفع من صوتک شیئاً۔ بلند آواز سے ذکر کرو۔ پس ثابت ہوا کہ ذکر بالجہر کرنا انبیاء اور صدیقین کا معمول اور صلحاء اور کاملین کا طریقہ ہے۔ علاوہ ازیں اوقات، اسباب اور دواعی مختلف ہوتے ہیں کبھی تدبر اور تفکر کا موقع ملتا ہے اور کبھی انسان سرشاری نعمت سے اس طرح معمور ہوتا ہے کہ اس کا دل اور زبان دونوں ذوق وشوق سے آباد ہوتے ہیں پس جواز تو ہر وقت ہے لیکن کسی وقت سِر افضل ہوتا ہے اور کسی وقت جہر افضل ہوتا ہے۔ وھذا ھو التحقیق۔

ذِکر بالجہر پر احادیث سے دلائل

وعن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال کنت اعرف انقضاء صلوٰۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالتکبیر متفق علیہ۔

(مشکوٰۃ شریف ص۸۹)

بخاری اور مسلم نے یہ حدیث ابن عباس سے روایت کی ہے کہ ابن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہما فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے اختتام کو اللہ اکبر کہنے سے پہچانا کرتا تھا۔

شیخ محقق عبدالحق محدّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اس کی تشریح میں فرماتے ہیں۔

گفتہ اند کہ مراد تکبیر اینجا ذکر است۔ چناں کہ در صحیحین از ابن عباس آمدہ است کہ رفع صوت بذکر وقت انصراف مردم از نماز فرض در زمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم معہود بود گفت ابن عباس می شناختم من انقضاء صلوٰۃ را بداں پستر آوردہ

علماء فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں تکبیر سے مراد مطلق ذکر ہے جیسا کہ صحیح بخاری اور اور مسلم میں ابن عباس سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے زمانہ میں نمازوں کے بعد ذکر بالجہر معروف تھا اور ابن عباس فرماتے ہیں کہ میں اختتامِ نماز

است - بخاری ایں حدیث را پس معلوم شد کہ مراد بتکبیر مطلق ذکر است ۔
(اشعۃ اللمعات جلد ا ص ۴۱۴)

کو ذکر بالجہر سے پہچانتا تھا۔ اس کے بعد امام بخاری نے اس حدیث کو ذکر کیا پس معلوم ہوا کہ یہاں تکبیر سے مراد مطلق ذکر ہے۔

امام نووی اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں۔

ھذا دلیل لما قالہ بعض السلف انہ یستحب الجھر بالتکبیر والذکر عقب المکتوبۃ وممن استحبہ من المتأخرین ابن حزم الظاھری نووی

یہ حدیث سلف کے اس مسلک پر دلیل ہے کہ فرض نمازوں کے بعد بلند آواز سے ذکر کرنا مستحب ہے اور متاخرین میں ابن حزم ظاہری کا یہی مسلک ہے۔

(شرح مسلم علی حاشیہ مسلم شریف جلد ا ص ۲۳۰)

صحیحین کی اس حدیث کے بعد ذکر بالجہر پر دوسری حدیث ملاحظہ فرمایئے۔

۲ - وعن عبد اللہ بن الزبیر قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا سلم من صلوتہ یقول بصوتہ الاعلی لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ
(الحدیث) رواہ مسلم مشکوٰۃ ص ۸۸)

صحیح مسلم میں عبد اللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہونے کے بعد بلند آواز سے لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ کا ذکر فرماتے تھے۔

WWW.NAFSEISLAM.COM

شیخ محقق شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں۔

ایں حدیث صریح است در جہر بذکر کہ آنحضرت بآواز بلند می خواند۔
(اشعۃ اللمعات جلد ا ص ۴۱۹)

اور یہ حدیث ذکر بالجہر پر نص صریح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذکر بالجہر کیا کرتے تھے۔

۳ - صحیحین کی ایک اور حدیث استحباب ذکر بالجہر پر ہدیۂ قارئین کی جاتی ہے۔

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا

اللہ تعالیٰ انا عند ظن عبدی بی و انا معہ اذا ذکرنی فان ذکرنی فی نفسہ ذکرتہ فی نفسی وان ذکرنی فی ملاء ذکرتہ فی ملاء خیر منہم متفق علیہ۔

(مشکوٰۃ شریف ص۱۹۶)

ہے کہ میں اپنے بندے کے گمان کے ساتھ ہوں اور جب وہ مجھے یاد کرتا ہے میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں پس اگر وہ مجھے اکیلا یاد کرتا ہے تو میں اسے اکیلا یاد کرتا ہوں اور اگر وہ جماعت میں میرا ذکر کرے تو میں اس سے بہتر جماعت میں اس کا ذکر کرتا ہوں۔

شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں۔

ودرایں حدیث دلیل است برجواز ذکر جہر چناں کہ گذشت۔

(اشعۃ اللمعات جلد ۲ ص۱۸۰)

اس حدیث میں ذکر بالجہر کے جواز پر دلیل ہے جیسا کہ گزر چکا ہے۔

صحیحین کی حدیث کے بعد اب استحباب ذکر بالجہر پر نسائی شریف کی روایت ملاحظہ فرمائیے۔

عن عبد الرحمٰن بن ابزی عن ابیہ قال کان یقول اذا سلم سبحان الملک القدوس ثلاثا یرفع صوتہ بالثالثۃ۔

(مشکوٰۃ شریف ص۱۱۲)

عبد الرحمٰن بن ابزی اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سلام پھیرنے کے بعد تین بار سبحان الملک القدوس فرماتے اور تیسری مرتبہ آواز بلند فرماتے۔

اس حدیث کے تحت شیخ محقق محدث دہلوی فرماتے ہیں۔

ودریں حدیث دلیل است بر مشروعیت جہر بذکر وآں ثابت است بے شبہ۔

(اشعۃ اللمعات جلد ۱ ص۴۲۷)

اس حدیث میں ذکر بالجہر کے جواز پر دلیل ہے اور وہ بلا شبہ ثابت ہے۔

اور ملا علی قاری اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں۔

قال المظهر هذا الحديث يدل على جواز الذكر برفع الصوت على الاستحباب۔ (مرقاة شريف جلد ۳ ص ۱۲۳)

في رواية مسلم قال ان لله ملائكة سيارة فضلا يبتغون مجالس الذكر فاذا وجدوا مجلسا فيه ذكر قعدوا معهم وحف بعضهم بعضا باجنحتهم حتى يملؤا ما بينهم وبين السماء الدنيا فاذا تفرقوا عرجوا وصعدوا الى السماء قال فيسئلهم الله وهو اعلم من اين جئتم فيقولون جئنا من عند عبادك في الارض يسبحونك ويكبرونك ويهللونك ويحمدونك ويسئلونك قال وماذا يسئلوني قالوا يسئلونك جنتك قال وهل راوا جنتي قالوا لا اي رب قال وكيف لو راوا جنتي قالوا ويستجيرونك قال ومما يستجيرونني قالوا من

علامہ مظہر نے فرمایا یہ حدیث بلند آواز سے ذکر کرنے کے جواز بلکہ استحباب پر دلالت کرتی ہے۔ مسلم شریف میں ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ فرشتوں کی ایک جماعت ہے جو ذکر کی مجلسوں کو ڈھونڈتی پھرتی ہے پس نہیں جہاں مجلس ذکر ملتی ہے وہ اس مجلس کو گھیر کر بیٹھ جاتے ہیں یہاں تک کہ مجلس ذکر سے لے کر آسمان دنیا تک تمام فرشتوں سے بھر جاتی ہے اور جب یہ مجلس ختم ہوتی ہے تو وہ آسمان کی طرف جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان سے پوچھتا ہے (حالانکہ وہ ان سے زیادہ جاننے والا ہے) تم کہاں سے آئے ہو وہ کہتے ہیں تیرے بندوں کی مجلس سے آئے جو تیرا ذکر کر رہے تھے اور تجھ سے سوال کر رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وہ کیا مانگتے تھے۔ فرشتے عرض کرتے ہیں جنت۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کیا انہوں نے جنت کو دیکھا ہے۔ فرشتے کہتے ہیں نہیں یا رب۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے پس وہ اگر جنت دیکھ لیتے تو پھر کیا حال ہوتا فرشتے عرض کرتے ہیں وہ پناہ مانگتے

نارک قال ھل راؤا نارى
قالوا لا قال فکیف لو راؤا
نارى قالوا یستغفرونک
قال فیقول قد غفرت
لھم فاعطیتھم ما سالوا و
اجرتھم مما استجاروا
قال یقولون رب فیھم
فلان عبد خطاءٌ وانما
مرفجلس معھم قال فیقول
ولہٗ غفرتُ ھم القوم
لا یشقیٰ بھم جلیسھم

مشکوٰۃ شریف ص ۱۹۷

و

(مسلم جلد ۲ ص ۳۵۲)

تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کس سے پناہ
مانگتے تھے۔ فرشتے عرض کرتے ہیں دوزخ
سے۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کیا انہوں نے
دوزخ کو دیکھا ہے۔ فرشتے عرض کرتے
ہیں نہیں یارب۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے
اگر وہ دوزخ دیکھتے تو کتنی شدت سے پناہ مانگتے
فرشتے عرض کرتے ہیں وہ تجھ سے بخشش مانگتے تھے۔
اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں نے انہیں بخش دیا اور
ان کا مطلوب انہیں عطا کیا۔ اور جس سے انہوں نے
پناہ مانگی اس سے پناہ دے دی۔ فرشتے عرض
کرتے ہیں اے بارالٰہ ان میں ایک گناہگار بندہ
تھا جو یونہی راہ چلتا ہوا ان میں شامل ہو گیا تھا۔
اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں نے انہیں بخش دیا
کیونکہ یہ ایسے لوگ ہیں جو ان میں شامل ہو جائے
وہ بھی ان کی وجہ سے بخشا جاتا ہے۔

اس حدیث سے ثابت ہے کہ جماعت کے ساتھ ذکر کرنا مطلوب ہے اور جو ذکر جماعت کے ساتھ ہو وہ ذکر بالجہر ہی ہوتا ہے۔ دیکھئے علامہ خیرالدین رملی فرماتے ہیں والذکر فی الملاء لا یکون الا عن جھر (جماعت سے جو ذکر ہو وہ جہراً ہی ہوتا ہے۔ (فتاویٰ خیریہ ص ۱۸۱)

ثانیاً۔ فرشتوں کا سننا جہر پر قرینہ ہے کیونکہ سماعت صوت کی فرع ہے۔ بغیر آواز کے سننے کا کوئی معنی نہیں۔ ثالثاً۔ حدیث شریف میں ہے یسبحونک ویکبرونک ویھللونک ویحمدونک یعنی جماعت کے ساتھ سبحان اللہ اللہ اکبر لا الٰہ الا اللہ اور الحمد للہ کہتے تھے اور جب تک جہر کے ساتھ یہ کلمات ادا نہ کئے جائیں ان میں جماعتی رنگ پیدا نہیں

ہوسکتا کیونکہ ذکر بالسر میں کسی دوسرے کو پتہ نہیں اس نے کیا پڑھا۔ کب شروع کیا کب ختم کیا۔ ان کلمات کی ادائیگی میں جماعتی انداز تب ہی پیدا ہوگا جب ہم آہنگ ہوکر جہراً یہ کلمات ادا کئے جائیں رابعاً امام نووی اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے وحف بعضہم بعضاً کے تحت فرماتے ہیں۔

ای حث علی الحضور والاستماع
نووی شرح مسلم شریف
(مسلم جلد ۲ ص ۳۵۲)

یعنی بعض فرشتے دوسرے فرشتوں کی مجلس میں حاضر ہونے اور ذکر سننے پر برانگیختہ کرتے ہیں۔

علامہ نووی کے اس کلام سے ظاہر ہوگیا کہ اس حدیث میں ذکر سے مراد ذکر بالجہر ہے۔

ملا علی قاری اس حدیث کی شرح میں یلتمسون اھل الذکر کے تحت فرماتے ہیں۔

ای یطلبونہم لیزوروھم ویستمعوا ذکرھم

بعض فرشتے دوسرے فرشتوں کو بلاتے ہیں کہ وہ ذاکرین کی زیارت کریں اور ان کا ذکر سنیں۔

اور ھَلُمُّوْا اِلٰی حَاجَتِکُمْ کے تحت فرماتے ہیں۔

ای مِنِ اسْتِمَاعِ الذِّکْرِ وَزِیَارَۃِ الذَّاکِرِ اور ذکر سننے اور ذکر کرنے والے کی زیارت کے لیے۔

اور فِیْہِمْ فُلَانٌ عَبْدٌ خَطَّاءٌ اِنَّمَا مَرَّ فَجَلَسَ مَعَہُمْ کے تحت فرماتے ہیں۔

ای مَا ذَکَرَ اللّٰہَ قَصْدًا اَوْ اِخْلَاصًا وَاِلَّا اِسْتِمَاعُ الذِّکْرِ ذِکْرٌ
(مرقاۃ شریف جلد ۵ ص ۵۶ تا ۵۸)

یعنی اس شخص نے اللہ کا ذکر قصداً یا اخلاصاً نہیں کیا ورنہ ذکر کو سننا بھی ذکر ہوتا ہے۔

یہ عبارت فرشتوں کے قول پر پیدا ہونے والے ایک سوال کا جواب ہے۔ فرشتوں نے کہا کہ ذاکرین میں ایک ایسا شخص تھا جو صرف ان کے پاس سے گزرا اور بیٹھ گیا یعنی

WWW.NAFSEISLAM.COM

اس نے ذکر نہیں کیا) اس پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس نے ذاکرین کا سُننا اور ذکر سُننا بھی ذکر ہے تو پھر فرشتوں نے یہ کیسے کہا کہ اس نے ذکر نہیں کیا۔ اس کا جواب ملا علی قاری دیتے ہیں کہ اِس کا ذکر سُننا اخلاصًا اور قصدًا نہ تھا یونہی اتفاقی طور پر اس نے ذکر سُن لیا۔ ملا علی قاری کے اس کلام سے یہ ظاہر ہو گیا کہ حدیث شریف میں جن ذاکرین کا ذکر ہے۔ اس ذکر کو فرشتے بھی سنتے ہیں اور انسان بھی اور سُننا جہر کی فرع ہے پس بحمداللہ تعالےٰ دلائل کثیرہ سے یہ امر واضح ہو گیا کہ اس حدیث میں جماعت کے ساتھ ذکر بالجہر کی تلقین اور ترغیب کی گئی ہے۔

اور مسلم شریف کی ایک طویل حدیث کے ضمن میں ہے۔

إِنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ عَلٰى حَلْقَةٍ مِنْ اَصْحَابِهٖ فَقَالَ مَا اَجْلَسَكُمْ هٰهُنَا قَالُوْا جَلَسْنَا نَذْكُرُ اللهَ وَنَحْمَدُهٗ عَلٰى مَا هَدَانَا لِلْاِسْلَامِ وَمَنَّ بِهٖ عَلَيْنَا قَالَ مَا اَجْلَسَكُمْ اِلَّا ذَالِكَ قَالُوْا اللهِ مَا اَجْلَسَنَا اِلَّا ذَالِكَ قَالَ اَمَا اِنِّیْ لَمْ اَسْتَحْلِفْكُمْ تُهْمَةً لَّكُمْ وَلٰكِنَّهٗ اَتَانِیْ جِبْرِيْلُ فَاَخْبَرَنِیْ اَنَّ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ يُبَاهِیْ بِكُمُ الْمَلَائِكَةَ رَوَاهُ مُسْلِمٌ

مشکوٰۃ شریف ص ۱۹۸ و مسلم شریف جلد ۲ ص ۳۵۵

رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلّم صحابہ کی ایک جماعت پر تشریف لائے اور فرمایا تم یہاں کیوں بیٹھے ہو عرض کیا ہم اللہ کا ذکر کر رہے ہیں اور اس کا شکر ادا کر رہے ہیں کہ اس نے ہم کو اسلام کی ہدایت دی۔ فرمایا۔ قسم اللہ کی تم اسی لئے بیٹھے ہو۔ عرض کی اسی لئے بیٹھے ہیں پس فرمایا میں نے تم سے بدگمانی کی وجہ سے قسم نہیں طلب کی بلکہ میرے پاس جبرائیل علیہ السلام آئے اور انہوں نے خبر دی کہ تمہاری وجہ سے اللہ تعالےٰ فرشتوں پر فخر فرماتا ہے (یعنی ان پر تمہاری فضیلت ظاہر فرما رہا ہے)

یہ الفاظ مسلم شریف کی روایت میں ہیں۔ حدیث سابق کی طرح اس حدیث میں بھی جماعت اور حلقہ کے ساتھ ذکر کا بیان ہے۔ اس سے پہلے واضح ہو چکا ہے کہ جماعت

کے ساتھ ذکر سے ذکر بالجہر مراد ہوتا ہے پس ثابت ہوا کہ ذکر بالجہر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا طریقہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذکر بالجہر کی عظمت ظاہر کرنے کے لئے قسم طلب فرماتے ہیں اور حضرت جبرائیل علیہ السلام اس کی بشارت دینے آتے ہیں اور اللہ تعالےٰ اسے پسند فرماتا ہے۔

ارشادات علماء اور ذکر بالجہر

امام نووی شافعی ذکر بالجہر کے متعلق فرماتے ہیں۔

وَاحْتَجَّ مَنْ رَجَّحَ ذِكْرَ الْقَلْبِ بِاَنَّ عَمَلَ السِّرِّ اَفْضَلُ وَمَنْ رَجَّحَ ذِكْرَ اللِّسَانِ قَالَ لِاَنَّ الْعَمَلَ فِيْهِ اَكْثَرُ فَاِنْ زَادَ بِاسْتِعْمَالِ اللِّسَانِ اقْتَضٰى زِيَادَةَ اَجْرٍ۔ (نووی شرح مسلم ۳۴۴ مطبوعہ اصح المطابع دہلی باب فضل مجالس ذکر)	جو ذکر بالقلب کو تفضیلت دیتے ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ پوشیدہ عمل افضل ہوتا ہے اور جو ذکر باللسان کو ترجیح دیتے ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ زبان سے ذکر کرنے میں عمل زیادہ ہوتا ہے اور عمل کی زیادتی سے ثواب زیادہ ہوتا ہے۔

یہاں یہ شبہ نہ ہو کہ زبان سے ذکر بالسر بھی ہو سکتا ہے اور علامہ نووی کی مراد بھی یہی ہے کیونکہ علامہ نے ذکر باللسان کو سر کے مقابلہ میں ذکر کیا ہے اور یہ تقابل اس وقت صحیح ہوگا جب ذکر باللسان سے ذکر بالجہر مراد ہو۔

اس عبارت کے بعد قول فیصل ذکر فرماتے ہیں۔

الصحیح ان ذکر اللسان مع حضور القلب افضل من القلب۔	صحیح بات یہ ہے کہ حضور قلب کے ساتھ زبانی ذکر کرنا ذکر بالقلب سے افضل ہے۔

نووی علی ہامش مسلم شریف جلد ۲ صفحہ ۳۴۴

اور عارف صاوی مالکی رحمۃ اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں۔

وَهَلِ الْاَفْضَلُ الذِّكْرُ مَعَ النَّاسِ اَوِ الذِّكْرُ فِيْ خَلْوَةٍ وَالْحَقُّ التَّفْصِيْلُ	کیا لوگوں کے ساتھ ذکر کرنا افضل ہے یا خلوت میں ذکر افضل ہے؟ حق یہ ہے کہ

وَهٰذَا اِنْ كَانَ الْاِنْسَانُ يَنْشَطُ وَحْدَهٗ وَلَمْ يَكُنْ مَدْعُوًّا مِنَ اللّٰهِ لِهِدَايَةِ النَّاسِ فَالْخَلْوَةُ فِیْ حَقِّهٖ اَفْضَلُ وَاِلَّا فَذِكْرُهٗ مَعَ النَّاسِ اَفْضَلُ اِمَّا لِيَنْشَطَ اَوْ لِيَقْتَدِیَ النَّاسُ نَسْئَلُ اللّٰهَ اَنْ يَجْعَلَنَا مِنْ اَهْلِ ذِكْرِهٖ۔

اس میں تفصیل ہے۔ اگر اسے اکیلے ذکر کرنے میں سرور آتا ہو اور لوگوں کی ہدایت پر مامور نہ ہو تو خلوت میں ذکر کرنا افضل ہے ورنہ لوگوں کے ساتھ ذکر کرنا افضل ہے تاکہ سرور حاصل ہو اور لوگ اقتداء کریں ہم اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اپنے ذاکرین سے بنائے۔

(تفسیر صاوی شریف جلد ۱ ص ۶۵)

ملا علی قاری حنفی فرماتے ہیں۔

قَالَ الْمُظْهِرُ هٰذَا يَدُلُّ عَلٰى جَوَازِ الذِّكْرِ بِرَفْعِ الصَّوْتِ بَلْ عَلَى الْاِسْتِحْبَابِ اِذَا اجْتَنَبَ الرِّيَاءَ اِظْهَارًا لِلدِّيْنِ وَتَعْلِيْمًا لِلسَّامِعِيْنَ وَاِيْقَاظًا لَهُمْ مِنْ رَقْدَةِ الْغَفْلَةِ وَاِيْصَالًا لِبَرَكَةِ الذِّكْرِ اِلٰى مِقْدَارِ مَا يَبْلُغُ الصَّوْتُ اِلَيْهِ مِنَ الْحَيَوَانِ وَالشَّجَرِ وَالْحَجَرِ وَالْمَدَرِ وَطَلَبِ اقْتِدَاءِ الْغَيْرِ بِالْخَيْرِ وَلِيَشْهَدَ لَهٗ كُلُّ رَطْبٍ وَّيَابِسٍ سَمِعَ صَوْتَهٗ۔

مظہر نے کہا یہ حدیث بلند آواز سے ذکر کرنے کے جواز بلکہ استحباب پر دلالت کرتی ہے جب کہ دکھلاوے سے پرہیز ہو تاکہ دین کا اظہار ہو اور سامعین کو تعلیم ہو اور غفلت کی نیند میں سونے والے کو بیداری نصیب ہو اور ذکر کی برکت وہاں کے شجر و حجر و انسان حیوان تک پہنچے۔ جہاں تک ذکر کی آواز پہنچے اور دوسروں کو اقتداء بالجہر حاصل ہو اور ہر رطب و یابس اس کی گواہی دے۔

(مرقاۃ جلد ۳ ص ۱۷۲)

سید احمد طحطاوی حنفی فرماتے ہیں۔

قَالَ فِی الْفَتَاوٰى لَا يُمْنَعُ مِنَ الْجَهْرِ بِالذِّكْرِ فِی الْمَسَاجِدِ اِحْتِرَازًا عَنِ

فتاوی بزازیہ میں ہے کہ مساجد میں ذکر بالجہر سے نہ روکا جائے تاکہ قرآن کی آیت کریمہ

WWW.NAFSEISLAM.COM

الدُّخُولِ تَحْتَ قَوْلِهٖ تَعَالٰی وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسَاجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ كَذَا فِي الْبَزَّازِيَّةِ وَنَصَّ الشَّعْرَانِيْ فِيْ ذِكْرِ الذَّاكِرِ لِلْمَذْكُوْرِ وَالشَّاكِرِ لِلْمَشْكُوْرِ مَا لَفْظُهٗ وَاَجْمَعَ الْعُلَمَاءُ سَلَفًا وَّخَلَفًا عَلٰی اسْتِحْبَابِ ذِكْرِ اللّٰهِ تَعَالٰی جَمَاعَةً فِي الْمَسَاجِدِ وَغَيْرِهَا مِنْ غَيْرِ نَكِيْرٍ اِلَّا اَنْ يُّشَوِّشَ جَهْرُهُمْ بِالذِّكْرِ عَلٰی نَائِمٍ اَوْ مُصَلٍّ اَوْ قَارِئٍ قُرْاٰنٍ كَمَا فِيْ كُتُبِ الْفِقْهِ وَفِي الْحَلَبِيِّ اَلْاَفْضَلُ الْجَهْرُ بِالْقِرَاءَةِ اِنْ لَّمْ يَكُنْ عِنْدَ قَوْمٍ مَّشْغُوْلِيْنَ مَا لَمْ يُخَافِ

"وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسَاجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ" کے تحت داخل ہونا لازم نہ آئے اور امام شعرانی نے "ذکر الذاکر للمذکور والشاکر للمشکور" میں تصریح فرمائی ہے کہ قدیماً وحدیثاً علماء کا اس پر اجماع ہے کہ مساجد میں جماعت کے ساتھ ذکر بالجہر بغیر کسی انکار کے مستحب ہے سوا اس کے کہ ذکر سے کسی کی نماز یا نیند یا قرائت میں خلل پڑے اسی طرح کتب فقہ میں مرقوم ہے اور حلبی میں ہے کہ ریاء کا خوف نہ ہو تو بلند آواز سے قرائت افضل ہے۔

رِيَاءً۔ (طحطاوی ص۱۹۰) (فتاویٰ امدادیہ جلد چہارم ص۴۵ مطبوعہ مجتبائی)

WWW.NAFSEISLAM.COM

طحطاوی نے "فتاویٰ بزازیہ" "ذکر الذاکر للمذکور" اور "حلبی" کے حوالوں کے بعد اب علامہ شامی کا کلام ملاحظہ فرمائیے۔

قَالَ بَعْضُ اَهْلِ الْعِلْمِ اَنَّ الْجَهْرَ اَفْضَلُ لِاَنَّهٗ اَكْثَرُ عَمَلًا لِتَعَدِّيْ فَائِدَتِهٖ اِلَى السَّامِعِيْنَ وَيُوْقِظُ قَلْبَ الذَّاكِرِ فَيَجْمَعُ هَمَّهٗ اِلَى الْفِكْرِ وَيَصْرِفُ سَمْعَهٗ اِلَيْهِ وَيَطْرُدُ النَّوْمَ وَيَزِيْدُ النَّشَاطَ۔

(شامی جلد ۱ ص۶۱۸)

بعض اہل علم نے فرمایا کہ ذکر بالجہر افضل ہے کیونکہ اس میں عمل زیادہ ہے اور اس کا فائدہ سامعین تک پہنچتا ہے اور ذاکر کے قلب کو بیدار کرتا ہے اور اس کی ہمت کو فکر کی طرف راجع کرتا ہے اور اس کی سماعت کو ذکر کی طرف پھیرتا ہے اور نیند کو دور کرتا ہے اور سرور کو زیادہ کرتا ہے۔

صاحب درمختار کے استاذ علامہ خیر الدین رملی حنفی فرماتے ہیں۔

فَأَمَّا حَلَقُ الذِّكْرِ وَالْجَهْرُ بِهِ وَإِنْشَادُ
الْقَصَائِدِ فَقَدْ جَاءَ فِي الْحَدِيثِ
مَا اقْتَضَى طَلَبَ الْجَهْرِ نَحْوُ وَإِنْ
ذَكَرَنِي فِي مَلَإٍ ذَكَرْتُهُ فِي مَلَإٍ
خَيْرٍ مِنْهُ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَمُسْلِمٌ
وَالتِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَهْ
رَوَاهُ أَحْمَدُ بِنَحْوِهِ بِإِسْنَادٍ صَحِيحٍ وَزَادَ فِي
آخِرِهِ قَالَ قَتَادَةُ وَاللّٰهُ أَسْرَعُ
وَالذِّكْرُ فِي مَلَإٍ لَا يَكُونُ إِلَّا عَنْ
جَهْرٍ وَكَذَا حَلَقُ الذِّكْرِ وَطَوَافُ
الْمَلَائِكَةِ بِهَا وَمَا وَرَدَ فِيهَا
مِنَ الْأَحَادِيثِ فَإِنَّ ذٰلِكَ إِنَّمَا
يَكُونُ فِي الْجَهْرِ بِالذِّكْرِ وَهُنَاكَ
أَحَادِيثُ اقْتَضَتْ طَلَبَ الْإِسْرَارِ
وَالْجَمْعُ بَيْنَهُمَا بِأَنَّ ذٰلِكَ يَخْتَلِفُ
بِاخْتِلَافِ الْأَشْخَاصِ وَالْأَحْوَالِ
كَمَا جُمِعَ بَيْنَ الْأَحَادِيثِ الطَّالِبَةِ
لِلْجَهْرِ بِالْقِرَاءَةِ وَالطَّالِبَةِ
لِلْإِسْرَارِ بِهَا وَلَا يُعَارِضُ ذٰلِكَ
خَيْرُ الذِّكْرِ الْخَفِيُّ لِأَنَّهُ حَيْثُ
خِيفَ الرِّيَاءُ أَوْ تَأَذِّي الْمُصَلِّينَ
أَوِ النِّيَامِ ذَكَرَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ

ذکر کے لئے حلقہ باندھنا اور اس کے ساتھ
جہر کرنا اور اَنْشَادِ قصائد کرنا بہر حال جائز
ہے کیونکہ اس میں وہ احادیث وارد ہیں جو
جہر کا اقتضا کرتی ہیں جیسے بخاری و مسلم و
ترمذی ونسائی وابن ماجہ اور احمد نے
اسناد صحیح سے روایت کیا کہ اللہ تعالیٰ
فرماتا ہے کہ جو مجھے جماعت میں یاد کرتا ہے
میں اسے اس سے بہتر جماعت میں یاد کرتا
ہوں اور جماعت کے ساتھ ذکر بغیر جہر کے
متصور نہیں۔ اسی طرح ذکر کے لئے حلقہ
بنانا اور ملائکہ کا اس کے گرد طواف کرنا
سوا جہر کے متصور نہیں اور سر کے بارے
میں بھی حدیثیں وارد ہیں اور ان احادیث
میں تطبیق اسی طرح ہے کہ سر اور جہر اشخاص
اور اوقات کے اختلاف سے مختلف ہوتا
ہے جس طرح سر اور جہر کی قرأت کی حدیثوں
میں تطبیق دی گئی ہے اور اس کے معارض
وہ حدیث نہیں ہے جس میں ہے کہ بہترین
ذکر بالسر ہوتا ہے کیونکہ اس کا محمل یہ ہے
کہ جب ریاء کا خوف ہو یا مسلمانوں کو
ایذا ہو یا نیند میں خلل ہو اور بعض اہل علم
نے فرمایا کہ جب ان امور سے خالی ہو تو

WWW.NAFSEISLAM.COM

أَنَّهٗ أَفْضَلُ حَيْثُ خَلَا مِمَّا ذُكِرَ لِأَنَّهٗ أَكْثَرُ عَمَلًا وَلِتَعَدِّيْ فَائِدَتِهٖ إِلَى السَّامِعِيْنَ وَيُوْقِظُ قَلْبَ الذَّاكِرِ فَيَجْمَعُ هَمَّهٗ إِلَى الْفِكْرِ وَيَصْرِفُ سَمْعَهٗ إِلَيْهِ وَيَطْرُدُ النَّوْمَ وَيَزِيْدُ النَّشَاطَ۔

جہر افضل ہے کیونکہ اس میں عمل زیادہ ہے اور اس کا فائدہ سامعین تک پہنچتا ہے اور ذاکر کے دل کو بیدار کرتا ہے اور اس کے ذہن کو فکر کی طرف راجع کرتا ہے اور سرور کو زیادہ کرتا ہے۔

(فتاوی خیریہ کتاب الکراھیۃ والاستحسان ص۱۸۱)

فتاوی عالم گیری میں ہے۔

جَمْعٌ عَظِيْمٌ يَرْفَعُوْنَ أَصْوَاتَهُمْ بِالتَّسْبِيْحِ وَالتَّهْلِيْلِ جُمْلَةً لَا بَأْسَ بِهٖ (عالم گیری جلد ۴ ص۹۰)

جماعت عظیم کے مل کر لا الٰہ الا اللہ اور سبحان اللہ کو بلند آواز سے ذکر کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

اور آداب مسجد میں ہے۔

ان لا یرفع فیہ الصوت من غیر ذکر اللہ (عالم گیری جلد ۴ ص۹۳)

مساجد میں اللہ تعالیٰ کے ذکر کرنے کے سوا آواز بلند نہ کی جائے۔

اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

بدانکہ جہر بذکر مطلقاً بعد از نماز مشروع است وارد شدہ است در وے احادیث (اشعۃ اللمعات جلد ۱ ص۴۱۸)

بلند آواز سے ذکر کرنا نماز کے بعد مطلقاً مشروع ہے۔ اس کے بارے میں احادیث وارد ہیں۔

ایک دوسرے مقام پر فرماتے ہیں۔

دیگر بدانکہ جہر مذکور جائز است بلاشبہ

ذکر بالجہر بلاشبہ جائز ہے۔

(اشعۃ اللمعات جلد ۲ ص۱۷۷)

اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی فرماتے ہیں

دیگر حقیقت ذکر جہر و حق آں است

حق یہ ہے کہ ذکر بالجہر کا انکار کرنا جہالت

که انکار آن سفاہت واضح است در
تلاوت قرآن جہر صریح است مَا اَذِنَ اللّٰہُ
لِشَیْءٍ مَا اَذِنَ یعنی تغنی بالقرآن یجھر بہ
و در تلبیہ حج آمدہ اَلْحَجُّ الْعَجُّ وَالثَّجُّ اَیْ
رَفْعُ الصَّوْتِ بِالتَّلْبِیَۃِ وَاِرَاقَۃُ
الدم و قرآن را فضیلت معروف است
وَکُنَّا نَعْرِفُ انْقِضَاءَ صَلوٰۃِ رَسُوْلِ
اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ
بِالذِّکْرِ وَفَضْلُ الذِّکْرِ الَّذِیْ
یَسْمَعُہُ الْحَفَظَۃُ عَلَی الَّذِیْ
لَا یَسْمَعُہُ الْحَفَظَۃُ بِسَبْعِیْنَ
ضِعْفًا وبناء طریقہ چشتیہ اویسیہ
و قادریہ کہ ہمہ پیران ما اند بر ذکر جہر است
(فتاوی عزیزی جلد ۱ صـ ۱۷۱)

ہے کیونکہ تلاوت قرآن میں صریح جہر ہے
اور اس بات میں اللہ تعالیٰ نے جو اجازت
دی ہے وہ کسی باب میں نہیں دی
یعنی اس میں تغنی بھی جائز ہے اور تلبیۂ
حج کے بارے حدیث میں وارد ہے الحج
العج والثج اللّٰھم لبیک کے ساتھ
آواز بلند کرنا۔ نیز حدیث میں ہے کہ ہم
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے
اختتام کو ذکر سے پہچانتے تھے اور جس
ذکر کو فرشتے سنیں اس کی اس ذکر پر ستر
درجہ فضیلت ہے جس کو وہ نہ سنیں اور
طریقہ چشتیہ اویسیہ اور قادریہ کی
بناء ذکر بالجہر پر ہے اور یہ سب ہمارے
پیر ہیں۔

اور شیخ مشائخنا امام ابن حجر مکی الشافعی فرماتے ہیں۔

WWW.NAFSEISLAM.COM

وَاَمَّا اَذْکَارُ الصُّوْفِیَۃِ الَّتِیْ یَفْعَلُوْنَہَا
بَعْدَ الصَّلَوَاتِ عَلٰی حَسْبِ عَادَاتِہِمْ
فِیْ سُلُوْکِہِمْ لَہَا اَصْلٌ اَصِیْلٌ
فَقَدْ رَوَی الْبَیْہَقِیُّ عَنْ اَنَسٍ
رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ
عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَاَنْ اَذْکُرَ
اللّٰہَ تَعَالٰی مَعَ قَوْمٍ بَعْدَ صَلوٰۃِ
الْفَجْرِ اِلٰی طُلُوْعِ الشَّمْسِ اَحَبُّ

صوفیاء کرام جو نمازوں کے بعد اپنے سلوک
کے مطابق ذکر بالجہر کرتے ہیں اس کی مضبوط
اصل موجود ہے کیونکہ بیہقی نے حضرت
انس سے روایت کیا کہ نبی کریم صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا صبح کی نماز کے بعد
سے طلوع شمس تک اس قوم کے ساتھ بیٹھنا
جو اللہ کا ذکر کر رہی ہو مجھے دنیا وما فیہا
سے زیادہ محبوب ہے اور بعد عصر سے

إِلَيَّ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا وَلَأَنْ أَذْكُرَ اللّٰهَ
تَعَالٰى مَعَ قَوْمٍ بَعْدَ صَلٰوةِ الْعَصْرِ إِلٰى
أَنْ تَغِيْبَ الشَّمْسُ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنَ الدُّنْيَا
وَمَا فِيْهَا وَرَوٰى أَبُوْ دَاوُدَ عَنْهُ
أَنَّهُ صلى الله عليه وسلم قَالَ لَأَنْ أَقْعُدَ
مَعَ قَوْمٍ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ تَعَالٰى مِنْ صَلٰوةِ
الْغَدَاةِ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ أَحَبُّ إِلَيَّ
مِنْ أَنْ أُعْتِقَ أَرْبَعَةً مِنْ وُلْدِ إِسْمَاعِيْلَ
وَلَأَنْ أَقْعُدَ مَعَ قَوْمٍ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ
مِنْ صَلٰوةِ الْعَصْرِ إِلٰى أَنْ تَغْرُبَ الشَّمْسُ
أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ أُعْتِقَ أَرْبَعَةً وَرَوٰى
أَبُوْ نُعَيْمٍ أَنَّهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَجَالِسُ
الذِّكْرِ تَنْزِلُ عَلَيْهِمُ السَّكِيْنَةُ وَتَحُفُّ
بِهِمُ الْمَلٰئِكَةُ وَتَغْشَاهُمُ الرَّحْمَةُ
وَيَذْكُرُهُمُ اللّٰهُ وَرَوٰى أَحْمَدُ وَمُسْلِمٌ
أَنَّهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَقْعُدُ قَوْمٌ
يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ إِلَّا حَفَّتْهُمُ الْمَلٰئِكَةُ وَ
غَشِيَتْهُمُ الرَّحْمَةُ وَنَزَلَتْ عَلَيْهِمُ
الْمَلٰئِكَةُ وَذَكَرَهُمُ اللّٰهُ فِيْمَنْ عِنْدَهُ
وَإِذَا ثَبَتَ أَنَّ لِمَا يَعْتَادُهُ الصُّوْفِيَّةُ
مِنْ اجْتِمَاعِهِمْ عَلَى الْأَذْكَارِ وَالْأَوْرَادِ
بَعْدَ الصُّبْحِ وَغَيْرِهٖ أَصْلًا صَحِيْحًا
مِنَ السُّنَّةِ وَهُوَ مَا ذُكِرَ فَلَا اعْتِرَاضَ

غروب آفتاب تک اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا
مجھے دنیا و مافیہا سے زیادہ محبوب ہے اور
ابوداؤد نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ
سے روایت کیا ہے کہ حضور کریم علیہ
السلام نے فرمایا صبح کے بعد سے طلوعِ
آفتاب تک اس جماعت کے ساتھ بیٹھنا
جو اللہ کا ذکر کر رہی ہو مجھے اولادِ اسمٰعیل
کے چار غلام آزاد کرنے سے زیادہ محبوب
ہے اور ابو نعیم نے روایت کیا کہ حضور
صلی اللہ علیہ السلام نے فرمایا کہ ذکر کی
مجلسوں پر سکون نازل ہوتا ہے اور
فرشتے انہیں گھیر لیتے ہیں اور رحمت
ڈھانپ لیتی ہے اور اللہ تعالیٰ ان کا
فرشتوں میں ذکر کرتا ہے۔ امام احمد اور
مسلم نے روایت کیا کہ نبی کریم صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا کوئی جماعت ذکر کرنے
کے لئے نہیں بیٹھتی مگر فرشتے اس کا احاطہ
کرتے ہیں اور رحمت ڈھانپ لیتی ہے
اور ان پہ سکون نازل ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ
ان کا اس جماعت میں ذکر فرماتا ہے۔ جو
اس کے پاس ہوتی ہے۔ اور جب ثابت
ہو چکا کہ صوفیاء کرام جو نمازوں کے بعد
ذکر بالجہر کرتے ہیں اس کی اصل سنت

عَلَیْھِمْ فِیْ ذٰلِکَ ثُمَّ اِنْ کَانَ ھُنَاکَ مَنْ یَّتَاَذّٰی بِجَھْرِھِمْ کَمُصَلٍّ اَوْ نَائِمٍ نُدِبَ لَھُمُ الْاِسْرَارُ وَاِلَّا رَجَعُوْا لِمَا یَاْمُرُھُمْ بِہٖ اُسْتَاذُھُمُ الْجَامِعُ بَیْنَ الشَّرِیْعَۃِ وَالْحَقِیْقَۃِ لِاَنَّہٗ کَالطَّبِیْبِ فَلَا یَاْمُرُ اِلَّا بِمَا یَرٰی فِیْہِ شِفَاءً لِعِلَّۃِ الْمَرِیْضِ وَلِذٰلِکَ تَجِدُ بَعْضَھُمْ یَخْتَارُ الْجَھْرَ لِدَفْعِ الْوَسَاوِسِ الرَّدِیْئَۃِ وَالْکَیْفِیَّاتِ النَّفْسَانِیَّۃِ وَاِیْقَاظِ الْقُلُوْبِ الْغَافِلَۃِ وَاِظْھَارِ الْاَعْمَالِ الْکَامِلَۃِ وَبَعْضُھُمْ یَخْتَارُ الْاِسْرَارَ بِمُجَاھَدَۃِ النَّفْسِ وَتَعْلِیْمِھَا طُرُقَ الْاِخْلَاصِ وَاِیْثَارِھَا الْخُمُوْلَ ۔ (فتاوی حدیثیہ صفحہ ۶۵)

صحیح سے ثابت ہے پس ان کے اس ذکر پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔ الّا یہ کہ ان کے جہر سے کسی کی نیند یا نماز میں حرج ہو تو ایسی صورت میں سِر مستحب ہے اور اگر ایسا نہ ہو تو اپنے شیخ کے بتائے ہوئے طریقہ سے ذکر کرے۔ کیونکہ شیخ طبیب کی طرح وہ طریقہ بتاتا ہے جس میں شفا ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض ذکر بالجہر کو اختیار کرتے ہیں تاکہ ردی وسوسے اور کیفیاتِ نفسانیہ مندفع ہوں۔ قلوبِ غافلہ بیدار ہوں اور عباداتِ کاملہ کا اظہار ہو اور بعض ذکر بالسِّر کو اختیار کرتے ہیں تاکہ مجاہدۂ نفس ہو اور نفس کو اخلاص کی تعلیم اور اسے گمنامی سکھائی جائے۔

صفحاتِ سابقہ میں ہم قرآنِ کریم اور احادیثِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، اعمالِ صحابہ، اقوالِ سلف اور وجوہِ عقلی سے جماعت کے ساتھ ذکر بالجہر کا جواز اور استحسان بیان کر چکے ہیں۔ اب آپ ذکر بالجہر کے بارے میں مولوی سرفراز صاحب سے سنئے جو لکھتے ہیں "اور یہ بدعت ضلالت بھی ہے اور گمراہی بھی ہے بدعت عظمیٰ بھی ہے بدعت ظلماء بھی۔" انتہی بلفظہٖ (راہ سنت صفحہ ۱۱۹)۔

اب ہم تمام مبتدعین وہابیہ، دیوبندیہ سے عموماً اور مولوی سرفراز صاحب سے خصوصاً پوچھتے ہیں کہ جب جماعت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا ذکر بدعت ضلالت اور گمراہی ہے تو پھر یہ فتویٰ صرف ہمارے ہی لئے ہے یا یہ فتویٰ اللہ تعالیٰ پر بھی لگائیے گا۔ جو فرماتا ہے فَاذْکُرُوا اللّٰہَ کَذِکْرِکُمْ اٰبَاءَکُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِکْرًا (القرآن)۔

WWW.NAFSEISLAM.COM

اور اِنْ ذَکَرَنِیْ فِیْ مَلَاءٍ ذَکَرْتُہٗ فِیْ مَلَاءٍ خَیْرٍ مِّنْہُ الحدیث اور ضلالت و گمراہی کے اس وافر ذخیرہ اور بدعت کے اس وسیع اسٹاک کی زد جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نہیں آتی جو فرماتے ہیں اِذْفَعْ مِنْ صَوْتِکَ شَیْئًا اور جن کا ارشاد ہے لَا یَقْعُدُ قَوْمٌ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ اِلَّا حَفَّتْھُمُ الْمَلَائِکَۃُ وَغَشِیَتْھُمُ الرَّحْمَۃُ وَنَزَلَتْ عَلَیْھِمُ السَّکِیْنَۃُ اور کیا بدعت اور ظلم کی گھٹاؤں کی برسات اُن صحابہ پر بھی ہوگی جو کہتے ہیں جَلَسْنَا نَذْکُرُ اللّٰہَ اور شامی وطحطاوی نے امام شعرانی سے مساجد میں ذکر بالجہر پر تمام علماء کا اجماع نقل کیا ہے تو کیا اب آپ کے اس مبارک فتویٰ سے تمام امت مسلمہ کو بدعت وضلالت کی سپلائی ہوگی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں لَا تَجْتَمِعُ اُمَّتِیْ عَلَی الضَّلَالَۃِ (میری امت گمراہی پر جمع نہ ہوگی) آپ کہتے ہیں تمام امت گمراہ ہے پھر آپ خود کو سچا سمجھتے ہیں یا صادق ومصدوق صلی اللہ علیہ وسلم کو ذرا غور سے جواب دیجئے گا۔ مساجد میں جماعت کے ساتھ ذکر بالجہر پر ہم مولوی سرفراز صاحب کا فتویٰ نقل کر چکے ہیں۔

اب ہم آپ کے سامنے ان کے معنوی جدِّ امجد شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ پیش کرتے ہیں۔

یک دفعہ خواجہ سرائے عالم بفقہیات از طرف بادشاہ روم امیر حج شدہ آمد در مدینہ با شیخ ابراہیم کردی ملاقات نمود گفت کہ دریں سفر بدعت عظیم از یں مردم دور کردم فرمودند کدام بدعت گفت ذکر جہر از مسجد وشہر بیت المقدس موقوف کنانیدم الشاں ایں آیت خواندند وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسَاجِدَ اللّٰہِ اَنْ یُّذْکَرَ فِیْھَا اسْمُہٗ وَسَعٰی

ایک مرتبہ ایک فقیہ عالم بادشاہ روم کی طرف سے امیر حج مقرر ہوئے اور مدینہ منورہ میں شیخ ابراہیم کردی سے ملاقات ہوئی اس عالم نے کہا کہ میں نے اس سفر میں ایک عظیم بدعت لوگوں سے دور کر دی۔ فرمایا کونسی کہا ذکر بالجہر جس کو میں نے لوگوں سے دور کیا اور شہر بیت المقدس سے میں نے اس ذکر کو موقوف کرا دیا۔ آپ نے آیۂ مبارکہ پڑھی جس کے معنی یہ ہیں کہ اس

فی خرابہا۔
(فتاوی عزیزی جلد ۱ صـ۱۷)

شخص سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جو مساجد سے اللہ کے ذکر کو روکے۔ (قرآن)

اب غور فرمائیے سرفراز صاحب مساجد میں ذکر بالجہر سے روکتے اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ یہ روکنا ظلم ہے اب سرفراز صاحب ظالم ہیں یا شاہ صاحب اس کا فیصلہ ہم ناظرین کی بصیرت پر چھوڑتے ہیں دوسرا لطیفہ یہ ہے کہ سرفراز صاحب کہتے ہیں کہ ذکر بالجہر بدعت وضلالت ہے۔ (راہ سنت صـ۱۱۹) اور شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ اس کا انکار جہالت ہے۔ (فتاوی عزیزی جلد ۱ صـ۱۷) اب بتلایئے کہ سرفراز صاحب جاہل ہیں یا شاہ صاحب بدعتی اور گمراہ کاش کہ سرفراز صاحب اس سوال کا جواب دے کر لاکھوں مسلمانوں کی ذہنی خلش کو دور کر سکیں۔

شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے جابر فتوے کے بعد آیئے آپ کو شریعتِ گنگوہ سے بھی ذکر بالجہر کے جواز اور استحسان پر فتویٰ دلوادیں۔ ملاحظہ فرمائیے مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی لکھتے ہیں۔

سوال۔ ذکر بالجہر افضل ہے یا خفی بالدلیل ارقام فرماویں۔

جواب۔ دونوں میں فضیلت ہے من وجہٍ کسی وجہ سے جہر افضل ہے اور بعض وجہ سے خفی افضل ہے اور دلیل یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے مطلق ذکر کا حکم فرمایا ہے اذکروا اللہ ذکراً کثیراً مطلق کی فرد میں جو ہو مامور ہے اور فضائل خارجی مختلف ہوتے ہیں باعتبار ذکر اور وقت اور کیفیت اور ثمرات واللہ اعلم کتبہ الاحقر رشید احمد گنگوہی (فتاویٰ رشیدیہ کامل صـ۲۰۳)

ہمیں تو آپ جہر متوسط پر بھی کوستے رہتے ہیں اور یہ جو آپ کے پیر و مرشد کہ علی الاطلاق ذکر جہر کو خواہ خفیف ہو یا شدید بیک جنبشِ قلم جائز کر دیا ہے اس کا کیا حکم ہوگا۔ اس فتوے سے ظاہر ہوگیا کہ مبتدعین دیوبند کے قطب عالم مولوی رشید احمد گنگوہی کے نزدیک ذکر بالجہر اور ذکر بالسر دونوں میں فضیلت ہے اور

سرفراز دیوبندی راہِ سنت میں ذکر بالجہر کو بدعت سیئہ اور بدعت ظلماء اور بدعت ضلالت قرار دیتے ہیں اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ بدعت سیئہ کا مرتکب جہنمی ہے تو اب بتلائیے کہ مولوی گنگوہی صاحب دیوبندی جہنم میں پہنچے یا نہیں ذرا جگر تھام کر جواب دیجئے۔

اور یہ ہیں مولوی اشرف علی صاحب تھانوی مریضانِ دیوبند کے باطنی حکیم۔ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرُّعًا کے تحت بیان القرآن میں لکھتے ہیں " آواز کے اعتبار سے جہر مفرط نہ ہو یا تو بالکل آہستہ مع حرکت لسانی کے اور یا جہر معتدل ہو"

اور اگر عطارِ دیوبند کا یہ نسخہ بھی آپ کو راس نہ آئے تو معاف کیجئے پھر آپ کے مرض کا علاج ہمارے بس سے باہر ہے۔

آیات، احادیث، اجماعِ اُمّت، معقول اور مسلک مبتدعین کے جغادری علماء کے اقوال سے ہم نے ذکر بالجہر کے جواز اور استحسان کو آفتاب سے زیادہ روشن کر دیا۔ اگر مبتدعین کی آنکھوں سے انکار اور عناد کی پٹی اب بھی نہ اُترے اور استقامت کے روشن مینار نظر نہ آئیں تو اس کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے۔ مَنْ كَانَ فِي هٰذِهٖ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِيْلًا۔ اس تفصیل کے بعد اب ہم منکرین کے شبہات کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ فنقول باللہ التوفیق

WWW.NAFSEISLAM.COM

قرآن سے ذکر بالجہر کے خلاف استدلال اور اُس کی تحقیق

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ۔	اور ذکر کر اپنے رب کا عاجزی سے اور ڈرتے ہوئے نہ کہ جہر سے۔

اس آیت کریمہ سے مبتدعین ذکر بالجہر کے خلاف استدلال کشید کرتے ہیں اور بزعم خویش ملہی ہیں کہ یہ آیت کریمہ ذکر بالجہر کی نفی پر نص صریح ہے۔

الجواب :- اولاً[1] گذارش یہ ہے کہ اس آیت کو صرف متنازعہ فیہ ذکر کے ساتھ خاص کرلینا امانت اور دیانت سے محرومی کے سوا کچھ نہیں۔ مفسرین کرام نے یہاں ذکر کو عام رکھا ہے کہ وہ اوراد اذکار ہوں یا قراۃ قرآن ہو نماز میں ہو یا غیر نماز میں۔ اور بعض مفسرین نے اسے قراۃ قرآن کے ساتھ خاص کردیا پس اب اگر آپ کے قول کے مطابق اس میں جہر کی نفی ہے تو وہ نفی ذکر کے ساتھ خاص نہ رہی۔ خدا خوفی اور دیانت کا تقاضا یہ ہے کہ اب آپ بلند آواز سے قرآن پڑھنے پر بھی بدعت اور حرام کا فتویٰ لگائیے وعظ اور ارشاد کی مجالس کو بھی بند کرائیے کیونکہ وہ بھی ذکر اللہ سے خالی نہیں۔ جہری نمازوں کا سلسلہ بھی ختم کیجئے اور اگر یہ آیت وعظ و نصیحت قراۃ قرآن اور نمازوں میں جہر کے منافی نہیں ہے تو متنازعہ فیہ ذکر میں جہر کے کیسے منافی ہوگی۔ کیونکہ یہ تمام ہی ذکر کے افراد ہیں تو پھر کیا یہ خیانت اور بد دیانتی کی انتہا نہیں ہے کہ آپ نے ذکر کے ان افراد سے یکسر اغماض کرلیا جو آپ کی امامت اور خطابت کے ضامن ہیں جن سے آپ کا پیٹ پلتا ہے اور جو آپ کی آمدنی میں افزائش کا باعث ہیں اور ذکر کے جن افراد سے آپ کا گذارہ نہیں چلتا ان کے لئے آپ نے بدعت کا فتویٰ لگا دیا یُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَ یَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ۔ لیجئے اب ہم آپ کے سامنے اس آیت کے تحت مستند علماء کرام کی تفاسیر پیش کرتے ہیں جن سے یہ ظاہر ہوجائے گا کہ ذکر اس آیت میں اوراد، اذکار وعظ، ارشاد اور قراۃ قرآن سب کو شامل ہے۔

علامہ ابو البرکات نسفی الحنفی فرماتے ہیں۔

وھو عام فی الاذکار من قراءۃ القرآن | یہ آیت اذکار قراءۃ قرآن دعا تسبیح تہلیل

---

[1] اس آیت کے استدلال کا جواب امت دیوبند کے حکیم مولانا اشرف علی تھانوی کی زبانی سنیئے۔ آیت کا جواب اول تو یہ ہے کہ خفیہ مشترک ہے درمیان اعلان اور اسرار کے چنانچہ منتہی الارب میں ہے۔ خفاہ خفیا پنہاں کرد و آشکارا کرد از لغات اضداد است انتہی واذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال ولو سلمنا کہ خفیہ بمعنی اسرار ہے لیکن بوجہ تعارض ادلہ جمعاً بینھا امر کو اباحت یا استحباب پر حمل کرنا ضرور ہے۔ (فتاویٰ امدادیہ جلد چہارم ص ۴۹ مجتبائی)

والدعاء والتسبیح والتھلیل وغیر ذالک (مدارک علی ہامش الخازن جلد ۴ ص ۱۶)

اور اس کے علاوہ دوسرے افراد کو شامل ہے۔

علامہ بیضاوی الشافعی فرماتے ہیں۔

عام فی الاذکار من قراءۃ القرآن والدعاء وغیرھما (بیضاوی جلد ۱ ص ۳۴)

یہ آیت اذکار قرأۃ دعا اور ان کے علاوہ دوسرے افراد کو شامل ہے۔

علامہ سلیمان الجمل فرماتے ہیں۔

وھو عام فی الاذکار من قراءۃ القرآن والدعاء والتسبیح والتھلیل وغیر ذالک۔ (کرخی جمل جلد ۲ ص ۲۲۳)

یہ آیت اذکار قرأۃ قرآن دعا، تسبیح، تہلیل اور ذکر کے دوسرے افراد کو شامل ہے۔

شیخ احمد الصاوی المالکی تحریر فرماتے ہیں۔

ای بای نوع من انواع الذکر کالتسبیح والتھلیل والدعاء والقرآن وغیر ذالک۔ (صاوی جلد ۲ ص ۱۰۷)

ذکر عام ہے خواہ کسی قسم سے ہو تسبیح تہلیل دعا قرآن یا دوسرے افراد۔

اور ملا جیون الحنفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

عامۃ فی الاذکار من قراءۃ القرآن والدعاء والتسبیح والتھلیل وغیر ذالک۔ (تفسیرات احمدیہ ص ۲۸۰)

یہ آیت اذکار قرأۃ قرآن دعا تسبیح تہلیل اور ذکر کے دوسرے افراد کو عام ہے۔

علامہ ابو السعود الشافعی فرماتے ہیں۔

وھو عام فی الاذکار۔

یہ آیت ذکر کے تمام افراد کو شامل ہے۔

(ابو سعود علی ہامش الرازی جلد ۴ ص ۵۶۳)

اور وہابیہ کے مقتداء نواب صدیق حسن بھوپالی کہتے ہیں۔

المراد بالذکر ھھنا ما ھو اعم من القرآن وغیرہ من الاذکار التی یذکر اللہ بھا

اس آیت میں ذکر سے مراد اس سے عام ہے کہ وہ قرآن ہو اذکار ہوں یا اس کے

WWW.NAFSEISLAM.COM

(فتح البیان جلد ۳ صفحہ ۴۲) علاوہ دوسرے افراد۔

ناظرینِ کرام ۔ آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ حنفی شافعی مالکی مسلک کے تمام اجلہ مفسرین فرماتے ہیں کہ اس سے عام ذکر مراد ہے اور سب سے بڑھ کر یہ ہے کہ وہابیہ کے مقتداء نواب صدیق حسن بھوپالی کا بھی یہی مختار ہے۔ حیف ہے کہ نواب صاحب کے ماننے والے بھی ان کی تفسیر کو دھتورا سمجھ کر اس سے پرہیز کر رہے ہیں۔ میں مبتدعین کی پوری جماعت کو چیلنج کرتا ہوں کہ وہ قرآنِ کریم سے کوئی صاف اور صریح آیت پیش کریں جس کا مفاد یہ ہو کہ جماعت کے ساتھ مساجد میں ذکر بالجہر کرنا حرام ہے لیکن آیت اس مفہوم میں قطعی الدلالۃ اور صریح ہو۔ میں کہتا ہوں۔ اور ہم کہتے ہیں کا ایچ پیچ نہ ہو۔ انشاءاللہ مبتدعین کی پوری جماعت قیامت تک نہ کوئی ایسی آیت پیش کر سکتی ہے نہ ایسی کوئی صریح حدیث لا سکتی ہے۔ ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین

نہ خنجر اُٹھے گا نہ تلوار ان سے یہ بازو میرے آزمائے ہوئے ہیں

ثانیاً بعض مفسرین نے اس آیت میں تخصیص بھی کی ہے لیکن وہ تخصیص قرآن کے ساتھ ہے متنازع فیہ اذکار کے ساتھ مقید نہیں ہے۔ ملاحظہ فرمائیے علامہ خازن سید المفسرین حضرت ابن عباس رضی اللہ کی تفسیر پیش کرتے ہیں۔

قال ابن عباس یعنی بالذکر القرآن فی الصلاۃ۔ (تفسیر خازن جلد ۲ صفحہ ۱۶۰)	ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس آیت میں ذکر سے مراد نماز میں قرآن پڑھنا ہے۔

اور مبتدعین وہابیہ کے مقتداء نواب صدیق حسن بھوپالی بھی کہتے ہیں۔

قیل ھو خاص بالقرآن (فتح البیان جلد ۳ صفحہ ۴۲)	اور یہ بھی کہا گیا کہ یہ آیت قرآن کے ساتھ خاص ہے۔

قارئینِ کرام غور فرمائیں کہ سید المفسرین حضرت ابن عباس کے نزدیک یہ آیت ذکرِ قرآن کے ساتھ خاص ہے اور نواب صاحب بھی دوسرے مرتبہ میں اسی تفسیر کو

ذکر کرتے ہیں۔ مبتدعین سے گزارش ہے کہ اگر یہ آیت جہر کے منافی ہے تو آپ اعلان کیوں نہیں کر دیتے کہ جہری نمازوں میں قرآن کا جہر کے ساتھ پڑھنا بدعت ہے۔ نمازوں میں اضافہ بدعیہ کا ارتکاب کر کے کیوں لوگوں کی نمازیں خراب کر رہے ہیں۔ ثالثاً اگر اس آیت میں ذکر کو ذکرِ متنازع فیہ پر بھی محمول کیا جائے تب بھی یہ آیت ذکرِ جہر متوسط کے منافی نہیں ہے۔ چنانچہ امام رازی فرماتے ہیں۔

المراد منه ان يقع ذالك بحيث يكون متوسطاً بين الجهر والمخافتة كما قال تعالیٰ ولا تجهر بصلاتك ولا تخافت بها وابتغ بين ذالك سبيلا۔

(تفسیر کبیر جلد ۴ ص ۳۴۴)

اس آیت سے مراد یہ ہے کہ ذکر درمیانہ روی میں کیا جائے جس طرح اللہ فرماتا ہے نماز میں نہ جہر کرو نہ اخفا کرو اور درمیانہ روی کو تلاش کرو۔

امام رازی کے علاوہ دیگر مفسرین نے بھی یہ تفسیر کی ہے طوالت کی وجہ سے ہم نے دیگر مفسرین کی عبارات کو ذکر نہیں کیا اور اس تفسیر کا مفاد یہ ہے ذکر میں جہر کی نہی اسی طرح ہے جس طرح نماز میں جہر کی نہی ہے اور نماز میں جہر کی نہی علی الاطلاق نہیں ہے بعض اوقات میں ہے چنانچہ امام رازی فرماتے ہیں۔

ولا تجهر بصلاتك كلها ولا تخافت بها كلها وابتغ بين ذالك سبيلا بان تجهر بصلاة الليل تخافت بصلاة النهار (جلد ۵ ص ۴۵۵)

نہ کل نمازوں میں جہر کرو اور نہ کل نمازوں میں اخفاء کرو اور درمیانہ روی کو تلاش کرو یعنی دن کی نمازوں میں اخفاء اور رات کی نمازوں میں جہر کرو۔

پس ظاہر ہوا کہ بعض اوقات ذکر بالجہر مستحب ہے اور بعض اوقات ذکر بالسر مستحب۔ یہاں پر یہ وہم نہ ہو کہ نماز میں تو دن میں اخفاء واجب ہے اور لہٰذا دن میں ذکر بالسر واجب ہونا چاہیئے۔ کیونکہ متنازع فیہ ذکر سرے سے واجب ہی نہیں مستحب ہے لہٰذا بعض اوقات میں جہر مستحب قرار پائے گا اور بعض میں سر۔ اور یہ وہم بھی کچھ جان نہیں رکھتا کہ تشبیہ کا مفاد یہ ہے کہ دن میں اخفاء مستحب ہو اور رات میں جہر

WWW.NAFSEISLAM.COM

کیونکہ اوّلاً تو اہلِ علم پر مخفی نہیں کہ تشبیہ جمیع اوصاف میں نہیں ہوا کرتی۔ ثانیاً یہ کہ نماز کے لئے تو دن میں اخفاء اور رات میں جہر کی تعیین شارع علیہ السلام نے کی ہے اور ذکر کو شارع علیہ السلام نے اپنے اطلاق اور عموم پر رکھا ہے فلہذا اطلاق پر ہی رکھا جائے گا ہم آیات، احادیث اور اقوالِ سلف سے جہرِ متوسط کا جواز اور استحسان پیش کر چکے ہیں۔
اور یہ آیت جہر مفرط اور جہرِ بلیغ پر محمول ہے یعنی حد سے زیادہ چلّا کر بے اعتدالی سے اللہ کا ذکر نہ کیا جائے چنانچہ اتباعِ دیوبند اور اذنابِ محمد بن عبدالوہاب کے پیشوا اور ابن تیمیہ کی شریعت کے ناموسِ اعظم حافظ ابن کثیر بھی اس آیت کے تحت لکھتے ہیں۔

یستحب ان یکون الذکر لا یکون نداءً وجهرا بلیغا۔ جلد ۲ صـ ۲۸۲)	مستحب یہ ہے کہ ذکر نہ تو بطریقِ ندا ہو اور نہ ہی جہر بلیغ سے ہو۔

حافظ ابن کثیر کی اس تفسیر سے ظاہر ہوا کہ اس آیت میں نفس جہر کی نہی، نہیں ہے بلکہ جہر بلیغ اور جہر مفرط کی نفی ہے اور اگر کوئی شخص جہر بلیغ کے ساتھ بھی ذکر کرے تو وہ صرف مستحب کے خلاف ہوگا نہ کہ بدعت اور حرام جیسا کہ عام طور پر متبدعین دیوبند اور وہابیہ کا شعار ہے۔ البتہ مستحب یہ ہے کہ جہرِ متوسط کے ساتھ ذکر کیا جائے اور یہی بات ہم کہنا چاہتے ہیں۔
اب اس آیت کے تحت متبدعین دیوبند کے حکیم الامت مولوی اشرف علی صاحب تھانوی کی تفسیر ملاحظہ فرمائیے۔
"حاصل ادب کا یہ ہے کہ دل اور ہیئت میں تذلل اور خوف ہو اور آواز کے اعتبار سے جہر مفرط نہ ہو تو بالکل آہستہ یعنی مع حرکت لسانی کے اور یا جہر معتدل ہو" (علی ہامش القرآن صـ ۲۱۳ مطبوعہ تاج کمپنی) ع مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری
امید ہے کہ متبدعین دیوبند اور کسی کی نہ سہی اپنے حکیم الامت کی لاج رکھیں گے اور اس آیت سے ذکر بالجہر کے عدم جواز پر استدلال کرنا چھوڑ دیں گے۔
مزید برآں یہ کہ سلوفِ دیوبند کے سرخیل مولوی رشید احمد گنگوہی اس آیت کے تحت لکھتے ہیں کہ دون الجهر بھی جہر ہی ہے کہ ادنیٰ درجہ ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ کامل صـ ۲۱۳)

نفس اسلام
WWW.NAFSEISLAM.COM

نفیٔ جہر کی دوسری دلیل اور اُس کا حشر

ذکر بالجہر کی نفی پر مبتدعین قرآنِ کریم سے دوسری دلیل یہ لاتے ہیں۔

اُدْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً — دُعا مانگو اپنے رب سے عاجزی سے اور آہستہ

مولوی سرفراز صاحب گکھڑوی فاضل دیوبند اس آیت کے تحت لکھتے ہیں کہ اس آیت کریمہ میں ذکر اور دُعا کرنے کے لئے دو قیدیں لگائی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ ذکر اور دُعا نہایت اخلاص عاجزی اور انکساری کے ساتھ ہو اور دوسری یہ کہ آہستہ اور چھپکے ہو۔

انتہی (راہ سنت صفحہ ۱۶۷)

علماء کی عبارات میں تو آپ کتر بیونت کرتے ہی تھے اب خیر سے قرآن میں بھی تحریف شروع کر دی۔ بتلایئے سرفراز صاحب قرآنِ کریم کی اس آیت میں دہ کو: کا ترجمہ آپ نے ذکر کیا ہے۔ اس آیت میں دُعا مانگنے کا طریقہ بتلایا ہے اور اُدعو کا ترجمہ دُعا مانگو آپ نے اس میں ذکر کا چور دروازہ کیسے اور کس قاعدہ کے تحت تلاش کر لیا اور آپ کو یہ حق کس نے دیا ہے کہ آپ اللہ کے کلام میں اپنی ہوس اور من مانی بدعات کی گنجائش نکال لیں اس آیت کے تحت لکھتے وقت اگر اور کچھ میسر نہیں تھا تو اپنے حکیم الامت کا ترجمہ ہی دیکھ لیا ہوتا جو لکھتے ہیں۔

تم لوگ اپنے پروردگار سے دُعا کیا کرو تذلل ظاہر کر کے بھی اور چپکے چپکے بھی۔ انتہی

(صفحہ ۱۹۱ مطبوعہ تاج کمپنی)

نفیٔ جہر پر تیسری دلیل اور اُس کا حساب

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَإِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ فَإِنَّهُ يَعْلَمُ السِّرَّ وَأَخْفَىٰ۔

اور اللہ کے علم کی شان یہ ہے کہ اگر تم پکار کر بات کہو تو وہ چپکے سے کہی ہوئی بات

کو اور اس سے بھی زیادہ خفی بات کو جانتا ہے۔

اور یہ آیت بھی ذکر متنازع فیہ کے خلاف نہیں ہے۔ مفسرین کرام نے فرمایا کہ اس آیت سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ جہر بالذکر اس عقیدہ سے نہ کرو کہ اللہ تعالےٰ بغیر جہر کے نہیں سنتا۔ کیونکہ یہ عقیدہ کفر ہے۔ ہاں دوسری اغراض صحیحہ کے لئے جہر کیا جائے تو جائز مستحسن اور مطلوب ہے چنانچہ امام فخرالدین رازی فرماتے ہیں۔

تعلیمًا للعباد ان الجھر لیس لاستماع اللّٰہ تعالیٰ وَاِنَّمَا ھُوَ لِغَرَضٍ آخر۔
(تفسیر کبیر جلد ۱۰ ص۸)

اس آیت سے یہ تعلیم ہے کہ اللہ کے سننے کے لئے جہر نہ ہو بلکہ جہر دوسری اغراض صحیحہ کے لئے ہو۔

اور علامہ ابو سعود فرماتے ہیں۔

اِرْشَادٌ لِلْعِبَادِ اِلٰی اَنَّ الْجَھْرَ لَیْسَ لِاِسْمَاعِہٖ سُبْحَانَہٗ بَلْ لِغَرَضٍ آخَرَ مِنْ تَصْوِیْرِ النَّفْسِ بِالذِّکْرِ وَتَثْبِیْتِہٖ فِیْھَا وَمَنْعِھَا مِنَ الْاِشْتِغَالِ بِغَیْرِہٖ وَقَطْعِ الْوَسْوَسَۃِ عَنْھَا۔
(تفسیر ابو سعود علی ھامش الکبیر جلد ۷ ص۱۴)

اس آیت میں بندوں کی اس طرف رہنمائی کی ہے کہ جہر بالذکر اللہ تعالےٰ کے سنانے کے قصد سے نہ کیا جائے بلکہ دوسری اغراض کے لئے جہر ہو مثلاً الفاظ ذکر میں تدبر کرنے کے لئے اور ذکر کو نفس میں ثابت کرنے کے لئے اور غیر ذکر سے نفس کی توجہ ہٹانے اور وسوسہ کو قلع قمع کرنے کے لئے۔

اور شیخ سلیمان جمل فرماتے ہیں۔

المقصود من ھذا السیاق اما النھی عن الجھر لقولہ واذکر ربک فی نفسک الایۃ وقد اشار لھذا بقولہ فلا تجھر نفسک بالجھر واما ارشاد العباد الی ان الجھر لیس لاسماعہ تعالیٰ بل لغرض آخر کحضور القلب ودفع

اس آیت کا مقصد یا تو یہ ہے کہ جہر میں مشقت نہ اٹھائی جائے جیسا کہ وَاذْکُرْ رَبَّکَ فِیْ نَفْسِکَ کا مفاد ہے اور یا بندوں کو اس طرف رہنمائی کرتی ہے کہ اللہ کو سنانے کی غرض سے جہر نہ کیا جائے بلکہ کسی اور غرض کی بناء پر مثلاً حضور قلب اور دفع وسوسہ

نفس اسلام
WWW.NAFSEISLAM.COM

الشواغل والوسوستہ (جمل جلد۳ صہ۸۳) کے لئے۔

اور عارف صاوی مالکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

المقصود منہ النھی عن الجھر لغیر امر شرعی کانہ یقول ان اللہ غنی عن الجھر فلا تجھد نفسک بہ فالجھر بالذکر او الدعاء او القراۃ بقصد اسماع اللہ تعالیٰ اما جھل او کفر واما لغرض آخر کارشاد العباد وحضور القلب ودفع الشواغل والوسوسۃ فھو المطلوب۔

(تفسیر صاوی جلد۳ صہ۴۶)

اس آیت سے غیر شرعی امر میں جہر کو منع کرنا مقصود ہے گویا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم جہر کے ذریعہ سے اپنے آپ کو مشقت میں نہ ڈالو کیونکہ میں اس کے بغیر بھی سنتا ہوں پس اس کو سنانے کی غرض سے جہر کرنا جہل ہے یا کفر اور دوسری اغراض کے لئے جہر کرنا مثلاً حضورِ قلب یا دفع وسواس کے لئے عین مطلوب ہے۔

اور مبتدعین وہابیہ کے مقتداء اعظم نواب صدیق حسن خان بھوپالی اس آیت کے تحت لکھتے ہیں۔

وفی الآیۃ تنبیہ علی ان شرع الذکر والدعاء والجھر فیھما لیس لاعلام اللہ تعالیٰ واسماعہ بل لغرض آخر کتصویر النفس بالذکر ورسوخہ فیھا ودفع الشواغل والوساوس ومنعھا عن الاشتغال بغیرہ۔

(فتح البیان جلد۶ صہ۵۳)

اس آیتِ شریفہ میں اس امر پر تنبیہ ہے کہ ذکر اور دعا میں جہر کی مشروعیت اللہ تعالیٰ کو خبر دینے اور سنانے کی غرض سے نہیں ہے بلکہ اور اغراض کے لئے ہے مثلاً ذکر کو نفس میں ثابت اور راسخ کرنے کے لئے اور اس سے وسواس کو دور کرنے کے لئے فریاد و زاری سے اس کا غرور توڑنے کے لئے اور اسے دوسرے اشغال سے روکنے کے لئے۔

ناظرینِ کرام آپ ان کثیر حوالوں سے اکتا گئے ہوں گے لیکن ہمارا سابقہ ایک

ایسی جماعت کے ساتھ ہے جو گمراہ ہونے کے علاوہ ابن ہشام کی طرح ضدی بھی واقع ہوئی ہے۔ اس لیئے ضروری ہوا کہ مسئلہ کی تنقیح کے لیئے اس کے ہر پہلو کو ٹھوس دلائل سے مزین اور خصم کے مسلم حوالہ جات سے مبرہن کر دیا جائے اور اگر منکرین اور معاندین کو پھر بھی ہدایت حاصل نہ ہو تو ان کی شقاوت کو سعادت سے بدل دینا بہرحال ہماری تحریر کے اختیار سے باہر ہے سطور بالا میں ہم نے تفاسیر سے جو بکثرت حوالے پیش کیئے ہیں ان سے جہاں یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ نہیٔ جہر کا محمل کیا ہے وہاں ناظرین کرام پر یہ بھی روشن ہو گیا ہو گا کہ حنفی، شافعی، مالکی، اہل ظاہر اور تقریباً ہر مسلک کے علماء اغراض صحیحہ کی بناء پر جہر متوسط کے ساتھ ذکر کرنے کو جائز، مشروع اور مستحب قرار دیتے ہیں۔ وللہ الحمد علی ذالک

احادیث سے ذکر بالجہر کے خلاف استدلال

مولوی سرفراز صاحب گکھڑوی ذکر بالجہر کی نفی پر استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام نے ایک موقع پر بلند آواز سے ذکر کیا تو آپ نے ان کو منع کرتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا۔

ایھا الناس اربعوا علی انفسکم انکم لیس تدعون اصم ولا غائبا انکم تدعونہ سمیعا قریبا وھو	اے لوگو اپنی جان پر نرمی کرو تم اس ذات کو نہیں پکارتے ہو جو بہری اور غائب ہے تم تو سمیع اور قریب ذات کو پکارتے

۱؎ اس حدیث سے استدلال کا جواب مولوی اشرف علی صاحب تھانوی دیوبندی کی زبانی سنیئے۔

حدیث کا جواب لمعات میں اس طرح دیا ہے

المنع من الجھر للتیسیر والارفاق لا ان یکون الجھر غیر مشروع انتہی (فتاوی امدادیہ جلد چہارم ص ۳۵ مجتبائی)	نرمی اور آسانی کے پیش نظر جہر سے منع کیا گیا ہے نہ اس لیئے کہ جہر ناجائز ہے۔ شرف لاھوری

معکم (بخاری جلد ۲ صہ ۶۰۵ و مسلم جلد ۲ صہ ۳۴۹) ہو اور وہ تمہارے ساتھ ہے۔
(الاسنت صہ ۱۶۷)

الجواب - اولاً یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فرمانِ مبارک سے نہ تو مطلقاً جہر کی ممانعت فرمائی ہے اور نہ جہر متوسط کی (وھن ادعی فعلیہ البیان) بلکہ اس فرمان سے جہر مفرط کی نہی فرمائی ہے چنانچہ مولوی رشید احمد گنگوہی کہتے ہیں قال علیہ السلام اربعوا علی انفسکم الحدیث اور یہ بھی ذکر جہر ہی ہے۔ رفق کو فرمایا ہے گلو پھاڑنے سے منع کیا ہے اور مطلق آیات و احادیث بہت جواز پر دال ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم رشید احمد گنگوہی۔ (فتاویٰ رشیدیہ کامل صہ ۲۱۳) ۔ ثانیاً چونکہ دوسرے دلائل سے جہر متوسط ثابت ہے۔ لہٰذا اس فرمان کا مقصد یہ ہے کہ جہر کے ذریعہ اپنے آپ کو مشقت اور ہلاکت میں نہ ڈالو جیساکہ اربعوا علی انفسکم اس پہ قرینہ ہے۔ ثالثاً اس طرح جہر نہ کرو جیسے کوئی بہرے سے گفتگو کرتے وقت جہر کرتا ہے اور اس پر انکم لا تدعون اصم قرینہ ہے۔ رابعاً۔ اس طرح جہر نہ کرو جیسے کوئی گم شدہ شخص کو ڈھونڈنے کے لئے پکارتا ہے اور چلاتا ہے اور اس پر ولا غائباً قرینہ ہے۔ خامساً اس طرح جہر نہ کرو جس سے یہ معلوم ہو کہ تم اللہ کے سنانے کے لئے جہر کرتے ہو اور تمہارے چلائے بغیر وہ سن نہیں سکتا۔ اس پر انکم تدعون سمیعاً قرینہ ہے۔ سادساً۔ اس طرح سے جہر نہ کرو جس سے یہ ظاہر ہو کہ خدا تم سے دور ہے اور تم چلا کر دور اپنی آواز پہنچا رہے ہو اور اس پر قریباً "وھو معکم" قرینہ ہے۔ سابعاً۔ یہ فرمان اس صورت پر محمول ہے کہ جب جہر سے کوئی دینی ضرر لاحق ہو چنانچہ علماء کرام نے بیان فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جنگ کے موقع پر اس فرمان کے ذریعہ جہر سے روکا تھا تاکہ مسلمانوں کی آواز سن کر کفار کو ان کے مقام اور موجودگی کا علم نہ ہو جائے۔

قارئین کرام - آپ نے غور فرمایا کہ خود متن شریف میں اس امر پہ واضح قرائن پائے جاتے ہیں کہ اس فرمان میں مطلقاً جہر کی نہی نہیں ہے لیکن بُرا ہو تعصب اور عناد کا کہ

وہ کچھ سمجھنے نہیں دیتا۔ آیئے اب ہم آپ کے سامنے مستند علماء کرام کا وہ کلام پیش کرتے ہیں جو اُنہوں نے اس حدیث کے تحت پیش فرمایا ہے دیکھئے۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

اے مردمان نرمی و شتاب نی کنید بر نفسہائے خود زیرا کہ شما نمے خوانید کر و غائب را مضمون اربعوا دلالت دارد کہ منع از جہت شفقت است نہ از جہت عدم جواز بہ تحقیق جہر کردہ است باذکار و ادعیہ در مواطن کثیرہ چنانکہ در حفر خندق و حمل سنگ و خشت برائے مسجد و جز آں و ہم چنیں آمدہ است از سلف صحابہ و من بعدہم و ہمہ اینہا دلالت دارد بر جواز جہر و اجتماع برائے ذکر۔
(اشعۃ اللمعات جلد ۲ صـ ۱۷۸)

یعنی اے لوگو اپنے نفس پر آسانی کرو کیونکہ تم کسی بہرے غائب کو نہیں پکارتے۔ اس مضمون سے پتہ چلتا ہے کہ حضور کا منع فرمانا شفقت کی وجہ سے تھا نہ اس وجہ سے کہ جہر جائز نہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کثیر مقامات پر اذکار اور دُعاؤں میں جہر کیا ہے جیسا کہ خندق کھودنے کے موقع پر مسجد کے لئے اینٹ اور پتھر اُٹھاتے وقت اور اسلاف صحابہ و تابعین سے بھی جہر منقول ہے اور یہ تمام امور جہر کے جواز اور ذکر کے لئے اجتماع کے ثبوت پر دلالت کرتے ہیں۔

WWW.NAFSEISLAM.COM

اور علامہ ابن عابدین شامی امام بزازی سے نقل فرماتے ہیں۔

قال البزازی و ماروی فی الصحیح انه علیه السلام قال لرافعی اصواتهم بالتکبیر اربعوا علی انفسکم انکم لن تدعوا اصم ولا غائبا انکم تدعون سمیعا بصیرا قریبا انه معکم۔ الحدیث یحتمل انه لم یکن للرفع

امام بزازی نے فرمایا کہ وہ جو صحیح حدیث میں آیا ہے کہ نبی علیہ السلام نے بلند آواز سے تکبیر کہنے والوں کو فرمایا اپنے اوپر نرمی کرو کیونکہ نہ تم بہرے کو پکارتے ہو اور نہ غائب کو بلکہ تم اس کو پکارتے ہو جو سمیع و بصیر اور تمہارے قریب اور تمہارے ساتھ ہے اور یہ فرمان اس صورت پر محمول ہے کہ آواز بلند کرتے ہیں کوئی

مصلحة فقد روى انه كان
في غزاة ولعل رفع الصوت
يجر بلاء والحرب خدعة
ولهذا نهى عن الجرس
في المغازي واما رفع الصوت
بالذكر فجائز كما في الاذان
والخطبة والجمعة والحج۔
(شامی جلد ۵ صـ ۵۲۰)

مصلحت نہ ہو کیونکہ تحقیق روایت کیا گیا ہے کہ یہ واقعہ ایک جنگ کے موقعہ کا ہے اور شاید کہ آواز کا اونچا کرنا کسی مصیبت کو لے آتا اور جنگ ایک دھوکا ہے۔
اسی وجہ سے جنگ میں گھنٹی بجانے سے روکا ہے اور ذکر کے ساتھ آواز بلند کرنا بہر حال جائز ہے جیسا کہ اذان خطبہ جمعہ اور حج کے طریقوں سے ظاہر ہے

عبداللہ بن مسعود اور ذکر بالجہر

متبعین دیوبند عموماً اور مولوی سرفراز صاحب گکھڑوی خصوصاً اس پر زور دیتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود ذکر بالجہر کے مخالف تھے اور اسے بدعت قرار دیتے تھے چنانچہ مولوی سرفراز صاحب نے مختلف کتابوں سے چُن چُن کر اس روایت کے حوالے تلاش کر کے انہیں راہِ سنت کے اوراق میں جڑ دیا۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ ذکر بالجہر کو بدعت قرار دینے کے لئے انہیں کوئی گراں قدر سوغات حاصل ہو گئی ہے اور اس سوغات کو انہوں نے حسب عادات اسرائیلی طریقے سے پیش کیا ہے اور کتابوں کے مفہوم بدل کر اور مفادِ عبارات کو ترک کر کے فطری مجرمانہ خیانت کا شرمناک مظاہرہ کیا ہے۔ ہم آپ کے سامنے اس خیانت کی ایک مثال پیش کر رہے ہیں۔

قیاس کن زگلستان من بہار مرا

ملاحظہ فرمائیے سرفراز صاحب لکھتے ہیں۔

مشہور علامہ محمد ابن محمد الخوارزمی المشہور بابزازی الحنفی رح المتوفی ۸۲۷ھ صاحب بزازیہ جہر بالذکر کا مسئلہ نقل کرتے ہیں۔

عن فتاوی القاضی انہ حرام لما صح   قاضی صاحب کے فتاوی سے نقل کیا ہے کہ

WWW.NAFSEISLAM.COM

عن ابن مسعود انه اخرج جماعة من المسجد يُهَلِّلُوْنَ ويُصَلُّوْنَ على النبيِّ صلى الله عليه وسلم جهرا وقال لهم ما اراكم الا مبتدعين۔

(شامی جلد ۵۔ ص ۳۵۰)
(راہ سنت ص ۱۳۱)

کہ جہر سے ذکر کرنا حرام ہے کیونکہ حضرت عبداللہ ابن مسعود سے صحیح روایت کے ساتھ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ انہوں نے ایک جماعت کو مسجد سے محض اس لئے نکال دیا تھا کہ وہ بلند آواز سے لا الٰہ الا اللہ اور بلند آواز سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم پر درود شریف پڑھتی تھی اور فرمایا میں تمہیں بدعتی خیال کرتا ہوں۔

مولوی سرفراز صاحب نے شامی جلد ۵ ص ۳۵۰ سے صاحب بزازیہ کا یہ کلام نقل کیا ہے اور اس عبارت کے متصل جو پہلی اور بعد کی عبارت تھی اسے دیوالی کی پوریاں سمجھ کر ہضم کر گئے۔ اب ہم آپ کے سامنے شامی کی اصل عبارت پیش کرتے ہیں آپ اسے پڑھیئے اور سرفراز صاحب کی اسرائیلی خیانت کی داد دیجئے۔

اقول اضطرب کلام البزازیة فنقل اولاً عن فتاوی القاضی انہ حرام لما صح عن ابن مسعود انہ اخرج جماعة من المسجد یھللون و یصلون علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم جھرا وقال لھم ما اراکم الا مبتدعین ثم قال البزازی وما روی فی الصحیح انہ علیہ السلام قال لرافعی اصواتھم بالتکبیر اربعوا علی انفسکم انکم لن تدعوا اصم ولا غائبا

میں کہتا ہوں کہ صاحب بزازیہ کے کلام میں سخت اضطراب ہے پس اولاً انہوں نے فتاویٰ قاضی خاں سے یہ نقل کیا کہ ذکر بالجہر حرام ہے کیونکہ صحیح روایت سے ثابت ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے ایک جماعت کو مسجد سے اس لئے نکال دیا کہ بلند آواز سے کلمہ اور درود شریف پڑھتے تھے اور فرمایا کہ میں تمہیں بدعتی ہی گمان کرتا ہوں پھر اس کے بعد صاحب بزازیہ نے کہا اور صحیح روایت سے ثابت ہے کہ حضور علیہ السلام

انکم تدعون سمیعا بصیرا
قریبا انہ معکم الحدیث
یحتمل انہ لم یکن للرفع
مصلحۃ فقد روی انہ کان
فی غزاۃ ولعل رفع الصوت
یجر بلاء والحرب خدعۃ
ولہذا نہی عن الجرس
فی المغازی واما رفع الصوت
بالذکر فجائز کما فی الاذان
والخطبۃ والجمعۃ والحج
وقد ورد المسئلۃ فی الخیریۃ
وحمل ما فی فتاوی القاضی
علی الجہر المضر وقال ان ہناک احادیث
اقتضت طلب الجہر واحادیث طلب
الاسرار والجمع بینہما بان ذلک یختلف
باختلاف الاشخاص والاحوال فالاسرار
افضل حیث خیف الریاء او تاذی المصلین
او النیام والجہر افضل حیث
خلا مما ذکر لانہ اکثر
عملا ولتعدی فائدتہ الی
السامعین ویوقظ قلب
الذاکر فیجمع ہمہ الی الفکر
ویصرف سمعہ ویطرد النوم

نے ان صحابہ سے فرمایا جو بلند آواز سے ذکر
کر رہے تھے۔ اپنے آپ پر نرمی کرو تم کسی
بہرے اور غائب کو نہیں پکار رہے ہو تم
سمیع اور بصیر اور قریب کو پکار رہے ہو۔
اس حدیث میں یہ احتمال ہے کہ حضور
علیہ السلام نے جہر سے اس لئے روکا ہو
کہ اس وقت جہر میں کوئی مصلحت نہ ہو کیونکہ
یہ ثابت ہے کہ حضور نے جنگ کے موقعہ
پر فرمایا تھا اور شاید کہ بلند آواز سے
ذکر کرنا کسی مصیبت کا پیش خیمہ بن
جاتا اور جنگ ایک دھوکا ہے اسی
وجہ سے جنگ میں گھنٹی بجانے سے روکا ہے
اور بلند آواز سے ذکر کرنا بہر حال جائز ہے
جس طرح اذان جمعہ خطبہ اور حج میں ہے۔
(بزازیہ کا کلام ختم ہوا) اور اس مسئلہ کو
علامہ خیر الدین رملی نے فتاوی خیریہ میں بیان
کیا اور فرمایا کہ فتاوی قاضی خان میں جس
ذکر بالجہر کو حرام قرار دیا ہے۔ یہ وہ ذکر
بالجہر ہے جو جہر مضر پر مشتمل ہو اور انہوں نے
فرمایا کہ ایسی احادیث بھی ثابت ہیں جو جہر
کا اقتضاء کرتی ہیں اور وہ احادیث بھی ہیں
جو سر کا اقتضاء کرتی ہیں اور ان میں تطبیق
اس طرح ہے کہ جہر اور سر اختلاف اشخاص۔

WWW.NAFSEISLAM.COM

ویزید النشاط۔ اور اوقات سے مختلف ہوتا ہے پس جب ریا کا خوف ہو یا نماز اور نیند میں خلل کا اندیشہ ہو تو سر افضل ہے اور جب یہ خوف نہ ہو تو جہر افضل ہے کیونکہ اس کا فائدہ سامعین کو پہنچتا ہے اور یہ ذاکر کے قلب کو بیدار رکھتا ہے اور اس کے ذہن کو فکر کی طرف اور سماعت کو ذکر کی طرف راجع کرتا ہے اور نیند کو دور کرتا ہے اور اس کے سرور کو زیادہ کرتا ہے۔

(شامی جلد ۵ صفحہ ۳۵۰)

قارئین کرام یہ شامی کی جلد ۵ صفحہ ۳۵۰ کی مکمل عبارت ہے جس کو سرفراز صاحب نے ذکر بالجہر کے حرام اور بدعت ہونے کے ثبوت میں پیش کیا تھا اور اوّل آخر سے عبارت کو حذف کر کے مطلب براری کی سعی مذموم کی تھی۔ نہ معلوم سرفراز صاحب نے یہ کیونکر باور کر لیا تھا کہ ان کی اس تحریف پر ہمیشہ پردہ پڑا رہے گا اور شامی کے صفحات تک کسی کو رسائی نہ ہوگی کیونکہ فتاویٰ شامی کوئی ایسی نایاب کتاب تو نہیں ہے کہ کسی کے ہاتھ نہ آسکے بہرحال اس پوری عبارت کے سامنے آجانے سے یہ واضح ہوگیا کہ فتاویٰ بزازیہ فتاویٰ خیریہ، فتاویٰ شامی کے نزدیک بالاتفاق ذکر بالجہر جائز ہے۔ ریا اور تاذی مصلین کا خوف نہ ہو تو ذکر بالجہر ذکر بالسر سے افضل ہے۔ شامی کی عبارت کے فوائد ملاحظہ فرمائیے :۔

۱۔ صاحب بزازیہ کا کلام ذکر بالجہر کے بارے میں بظاہر مضطرب ہے لیکن حقیقت میں کوئی اضطراب نہیں۔ کیونکہ وہ ذکر بالجہر کو اس وقت منع کرتے ہیں جب اس میں کوئی مصلحت نہ ہو اور جب اس میں مصلحت ہو تو پھر جائز ہے۔

۲۔ فتاویٰ قاضی خان نے جس ذکر بالجہر کو حرام کہا اور ابن مسعود نے جس ذکر بالجہر کو بدعت قرار دیا ہو یہ وہ ذکر بالجہر ہے جو ریاکاری کے لئے کیا جائے۔

۳۔ ذکر بالجہر بہرحال جائز اور ثابت ہے۔ البتہ بعض صورتوں میں جہر مستحب

ہے اور بعض صورتوں میں جہر مستحب ہے۔ مولوی سرفراز صاحب کی خیانت ظاہر کرنے کے بعد اب ہم پھر حضرت عبداللہ ابن مسعود کے اس فرمان کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جس میں انہوں نے ذکر بالجہر کرنے والوں کو بدعتی قرار دیا پس اس کے جواب میں گذارش ہے کہ جب کتاب اور سنت عمل صحابہ و تابعین سے ذکر بالجہر کا جواز اور استحسان ثابت ہو چکا تو حضرت ابن مسعود کا یہ فرمان لامحالہ محل تاویل میں قرار پائے گا اور بہترین تاویل وہ ہے جس کو علامہ خیرالدین رملی نے بیان فرمایا کہ ان لوگوں کا جہر جہر مضر تھا یعنی وہ ریاکاری سے جہر کر رہے تھے۔ ثانیاً یہ جہر جہر مفرط تھا۔ اسی وجہ سے ابن مسعود نے انہیں مسجد سے نکال دیا۔

ثالثاً۔ امام احمد بن حنبل نے کتاب الزھد میں روایت کیا ہے۔

عن ابی وائل انہ قال ھولاء الذین یزعمون ان عبداللہ ابن مسعود کان ینھی من الذکر ما جالستہ مجلسا الا ذکر اللہ ای جھر فیہ۔	ابی وائل سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا یہ لوگ عبداللہ ابن مسعود کے بارے میں گمان کرتے ہیں کہ وہ ذکر سے روکتے ہیں حالانکہ میں نے ان کے ساتھ کسی مجلس میں شرکت نہیں کی مگر وہ اس مجلس میں ذکر بالجہر کرتے تھے۔

امام احمد بن حنبل کی اس صحیح روایت سے ثابت ہوا کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود کی طرف انکار جہر کی نسبت کرنا صحیح نہیں۔ فلھذا مانعین کی وہ بنیاد ہی ختم ہو گئی جس پر انہوں نے انکار جہر کا محل تعمیر کیا تھا۔ رابعاً احادیث صحیحہ مرفوعہ سے جماعت کے ساتھ ذکر بالجہر ثابت ہو چکا اور یہ حدیث موقوف ہے اور اہل علم پر مخفی نہیں کہ تعارض کے وقت مرفوع حدیث موقوف پر راجح اور مقدم ہوتی ہے۔ فسقط الاستدلال عن اصلہ۔

امام ابو حنیفہ اور جہر بالتکبیر

امام ابوحنیفہ اور صاحبین (امام ابو یوسف اور امام محمد) کے نزدیک عید کی

WWW.NAFSEISLAM.COM

تکبیرات میں اختلاف بڑا مشہور ہے اور فقہ کی تقریباً تمام کتابوں میں یہ مسئلہ مذکور ہے۔ امام صاحب فرماتے ہیں عیدین کی تکبیرات کو سراً کہے اور صاحبین کہتے ہیں کہ تکبیرات کو جہراً کہے۔ سرفراز صاحب نے کبیری سے امام صاحب کی دلیل نقل کر کے اس پر گرہ لگائی لیکن حسب عادت سیاق و سباق کو صاف ہضم کر گئے لیجئے پہلے آپ سرفراز صاحب کا کلام ملاحظہ فرمائیے لکھتے ہیں۔

اور علامہ حلبی حنفی لکھتے ہیں۔

ولابی حنیفۃ ان رفع الصوت بالذکر بدعۃ مخالف للامر فی قولہ تعالیٰ ادعوا ربکم الآیۃ۔ (کبیری ص ۵٦٦)	حضرت ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ بلند آواز سے ذکر کرنا بدعت ہے اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے خلاف کہ تم اپنے رب کو عاجزی اور چپکے سے پکارو۔

اس عبارت سے بصراحت معلوم ہوا کہ بلند آواز کے ساتھ ذکر کرنا امام صاحب کے نزدیک اللہ کے مذکورہ ارشاد کے خلاف بھی ہے اور بدعت بھی ہے۔ فریق مخالف کی ستم ظریفی ملاحظہ ہو کہ وہ ذکر بالجہر (نہ کرنے) والوں کو وہابی کہتا ہے ذکر بالجہر کو اہل سنت کی علامت قرار دیتا ہے۔ (راہ سنت ص ۱٦۸)

اولاً گزارش یہ ہے کہ عید الفطر کے موقع پر امام صاحب کا ذکر بالجہر کو بدعت قرار دینا استحباب جہر کے عموم و اطلاق کے منافی نہیں ہے۔ چنانچہ حزب مخالف کے قریس اعظم مولوی رشید احمد گنگوہی لکھتے ہیں۔ امام صاحب نے جہر کو بدعت اس موقع پر فرمایا ہے جہاں ذکر کا موقعہ ہے اور آپ سے علیہ الصلوٰۃ وہاں جہر ثابت نہیں جیسا عید الفطر کی نماز کو جاتے ہیں اور مطلقاً ذکر جہر کو منع نہیں فرمایا ذکر ہر طرح درست ہے فقط۔

(فتاویٰ رشیدیہ کامل ص ۲۱۴)

اور ثانیاً معروض ہے کہ سرفراز صاحب نے جس کبیری کے صفحے سے یہ عبارت نقل کی ہے اس سے متصل پہلے اور بعد کی عبارت کو چھوڑ دیا۔ ہم قارئین کی عدالت میں پہلے وہ عبارت پیش کرتے ہیں جو اس سے پہلے کی ہے۔

WWW.NAFSEISLAM.COM

ویستحب التکبیر جہرا فی طریق المصلی یوم الاضحی اتفاقا للاجماع واما یوم الفطر فقال ابوحنیفۃ لا یجہر بہ وقال یجہر وعن ابی حنیفۃ کقولہما۔

عید اضحی کے دن عید گاہ کے راستے میں بلند آواز سے تکبیر کہنا بالاتفاق (یعنی امام اور صاحبین کا اتفاق ہے) جائز ہے اور عید الفطر کے دن ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جہر نہ کیا جائے اور صاحبین نے فرمایا کہ جہر کیا جائے گا اور ابوحنیفہ سے ایک روایت صاحبین کی طرح ہے یعنی عید الفطر کو بھی جہر کیا جائے۔

سرفراز صاحب نے کبیری کی اس عبارت کو کیوں چھوڑ دیا کیا یہ بات اب بھی محتاج بیان رہ جاتی ہے۔ دراصل سرفراز صاحب کو محاسبہ کا خوف تھا وہ سمجھتے تھے اگر اس عبارت کو ذکر کر دیا تو جان نہیں چھوٹے گی اور مقابل کا احتساب ان کا سارا بھرم کھول کر رکھ دے گا۔ اس سے پہلے کہ ہم سرفراز صاحب کا محاسبہ کریں چند مزید حوالے ارقام کرتے ہیں تاکہ یہ بات مزید محکم ہو جائے کہ عید اضحیٰ کو راستے میں بلند آواز سے تکبیر کہنا بالاتفاق مستحب ہے اور عید الفطر میں اختلاف ہے لیکن ایک روایت امام صاحب سے یہ بھی ہے کہ عید الفطر کو بھی جہر بالتکبیر کیا جائے۔ ملاحظہ ہو علامہ علاؤ الدین الحصکفی الحنفی درمختار میں فرماتے ہیں۔

وقالا الجہر بہ سنۃ کالاضحی وہی روایۃ عنہ۔

اور صاحبین نے فرمایا کہ عید الفطر کو جہر بالتکبیر سنت ہے عید الاضحیٰ کی طرح اور امام صاحب سے بھی یہ ایک روایت ہے۔

ہم سرفراز صاحب سے پوچھتے ہیں کہ جب بلند آواز سے ذکر کرنا امام صاحب کے نزدیک بدعت ہے تو بتلایئے کہ صاحبین امام صاحب کے نزدیک بدعتی ہوئے یا نہیں جو عید الفطر اور عید الاضحیٰ دونوں میں جہر بالتکبیر کا حکم کرتے ہیں۔ ثانیاً۔ خود امام صاحب عید الاضحیٰ میں جہر بالتکبیر کا حکم کرتے ہیں۔ بتلایئے اب وہ خود بدعتی

ہوئے یا نہیں۔ ثالثاً۔ عید الفطر کے بارے میں بھی امام صاحب سے جہر بالتکبیر کی روایت ہے۔ اب بتلائیے کہ وہ بدعتی ہوئے یا نہیں۔ رابعاً۔ عید الاضحیٰ کو جہر بالتکبیر کرنا سنت سے ثابت ہے اور آپ جہر کو بدعت قرار دیتے ہیں تو سرفراز صاحب وہ بدعت کی کونسی قسم ہے جو سنت سے ثابت ہوتی ہے۔ ذرا سوچ کر اور ہوش سے جواب دیں۔

خامساً۔ علامہ ابن عابدین شامی فرماتے ہیں۔

ویوم الفطر لا یجہر بہ عندہ و عندھما یجھر وھو روایۃ عنہ والخلاف فی الافضلیۃ اما الکراھیۃ فمنتفیۃ عن الطرفین۔ (شامی جلد ا ص۷۷۸)

عید الفطر کو امام صاحب کے نزدیک جہر نہیں ہوگا اور صاحبین کے نزدیک جہر ہوگا اور یہ اختلاف افضلیت میں ہے اور کراہت تو بہر حال دونوں کے نزدیک نہیں ہے۔

پس معلوم ہوا کہ امام صاحب کے نزدیک عید الفطر کے موقع پر جہر بالتکبیر کرنا بلا کراہت جائز ہے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ جہر مباح ہے اور آپ اسے حرام و مکروہ سے کم نہیں کہتے۔ اب بتلائیے کہ مسلک حنفی کو ہم نے چھوڑا یا آپ نے۔ سادساً۔ سرفراز صاحب کے ہوش و حواس سے معذرت کے ساتھ شامی سے ایک اور حوالہ پیش خدمت ہے۔

بل حکی القہستانی عن الامام روایتین احدھما انہ یسر والثانیۃ انہ یجھر کقولھما قال وھی الصحیح علی ما قال الرازی ومثلہ فی النھر وقال فی الحلیۃ واختلف فی عید الفطر فعن ابی حنیفۃ وھو قول صاحبیہ واختیار الطحاوی انہ یجھر وعنہ انہ یسر۔

بلکہ قہستانی نے امام صاحب سے دو روایتیں نقل کی ہیں ایک یہ کہ اخفاء کرے دوسری یہ کہ جہر کرے جیسے صاحبین کا قول ہے۔ اُنہوں نے کہا کہ یہ دوسری روایت ہی صحیح ہے اور جیسا کہ ابو بکر رازی نے کہا اور اس کی مثل نہر میں ہے اور حلیہ میں فرمایا کہ عید الفطر میں اختلاف ہے پس امام صاحب سے ایک روایت یہ ہے کہ جہر کیا جائے اور یہی صاحبین کا قول ہے اور یہی امام طحاوی کا مختار ہے اور ایک روایت

ان سے اخفا کی بھی ہے۔ (شامی جلد ا صہ ۷۷۸)

پس معلوم ہوا کہ عید الفطر کی تکبیروں میں امام صاحب سے دو روایتیں ہیں ایک سر کی اور دوسری جہر کی اور قہستانی کے نزدیک صحیح روایت جہر ہی کی ہے۔ اسی کو صاحبین نے اختیار کیا جو فقہاء کے طبقہ ثانیہ سے اور مجتہد فی المذہب ہیں اور اسی کو امام ابو جعفر طحاوی نے اختیار کیا اور یہ طبقہ ثالثہ سے ہیں اور مجتہد فی المسائل ہیں اور اس کو ابو بکر رازی نے اختیار کیا یہ طبقہ رابعہ سے ہیں اور صاحب تخریج ہیں۔ اس کے علاوہ صاحب نہر صاحب حلیہ اور صاحب جامع رموز قہستانی نے اس کو اختیار کیا۔ یہ سب طبقہ سادسہ سے ہیں۔ پس اب سرفراز صاحب سے گذارش ہے کہ ذکر ہے فقط ہم ہی بدعتی اور حرام کے مرتکب ہوتے ہیں یا اس مبارک فتویٰ سے کچھ حصہ امام ابو حنیفہ سے لے کر طبقہ سادسہ تک کے فقہاء کو بھی ملے گا خوب غور و فکر سے جواب دیجئے بینوا توجروا۔

ناظرین کرام! ممکن ہے یہاں یہ شبہ پیدا ہو کہ جب عید الفطر اور عید الاضحیٰ کو بلند آواز سے تکبیر کہنا جائز اور ثابت ہے اور یہی ائمہ احناف کا مختار ہے تو کبیری اور دوسرے فقہاء کی اس عبارت کا کیا مطلب ہے جس میں انہوں نے فرمایا کہ جس قول میں امام صاحب نے عید الفطر میں جہر بالتکبیر سے منع کیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ان الجھر بالتکبیر بدعۃ (جہر بالتکبیر بدعت ہے) اس کا جواب یہ ہے کہ بدعت کے دو معنی ہیں ایک اصطلاحی معنی یعنی جس کام کی اصل رسول اللہ سے ثابت نہ ہو اور وہ حضور کی شریعت کا مخالف اور مغیر ہو اور اسے دین میں داخل کر لیا جائے اور یہی بدعت سیئہ قبیحہ اور بدعت ضلالتہ ہے اور ایک بدعت کا لغوی معنی ہے یعنی نیا طریقہ اور نیا کام۔ عام ازیں کہ اس کی شریعت میں اصل ہو یا نہ ہو اور اس مقام پر بدعت کے لفظ سے فقہاء کی مراد بدعت سیئہ اور بدعت ضلالت نہیں ہے کیونکہ بدعت سیئہ وہ کام ہے جو حضور علیہ السلام کے مخالف ہو اور جہر بالتکبیر خود حضور سے ثابت ہے۔ نیز بدعت سیئہ کا مبلغ ضال اور مضل ہوتا ہے۔ پس اگر جہر بالتکبیر بدعت سیئہ ہو تو لازم آئے گا کہ امام صاحب سے لے کر طبقہ سادسہ تک کے فقہا ضال اور مضل ہوں۔ فلہذا ثابت ہوا کہ یہاں بدعت اصطلاحی معنی پر محمول

نہیں ہے بلکہ بدعت سے مراد نیا اور اجنبی کام ہے اور چونکہ نماز کو جاتے ہوئے بلند آواز سے تکبیرات کہنا ہر نماز میں اختیار نہیں کیا جاتا اس لئے یہ ایک نیا طریقہ قرار پایا۔

اسی وجہ سے فقہاء نے کہا کہ یہ مورد شرع میں بند رہے گا اور عید اضحیٰ میں چونکہ یہ طریقہ سنت صحیحہ سے ثابت تھا تو امام صاحب نے عید اضحیٰ میں جہر کا حکم فرمایا اور عید الفطر کے بارے میں امام صاحب کے چونکہ دو قول ہیں ایک سِر کا اور دوسرا جہر کا تو فقہاء نے سر کے قول کے اختیار کی وجہ یہ بتائی فرمائی کہ ان الجھر بالذکر بدعۃ کہ تکبیرات کو راستے میں بلند آواز سے کہنا ایک نیا طریقہ ہے اور چونکہ اس موقعہ پر ثابت نہیں اس لئے یہاں سِر ہی افضل ہے۔ یہ فقہاء کرام کا حاصل ہے جو انہوں نے امام صاحب کے قول بالسر کی توجیہ پیش کرتے ہوئے کہا۔ اس میں منکرین جہر کے لئے کوئی گنجائش نہیں ہے اور جیسا کہ قہستانی اور طحاوی کے حوالوں سے گزر چکا ہے کہ صحیح بات یہی ہے کہ امام صاحب کا مختار عید الفطر کو بھی جہر بالتکبیر ہی ہے پس عید الفطر میں تکبیرات کا جہر لغتہً بدعت ہی ہے کیونکہ ان معین دنوں میں نماز کے راستہ میں جہر سے تکبیر کہنا بہر حال ایک نیا طریقہ ہے لیکن چونکہ اس کی اصل سنت سے ثابت ہے اس لئے لغتہً بدعت ہے اصطلاحاً بدعت نہیں

ناظرینِ کرام بدعت کا مفہوم واضح کرنے کے بعد اب ہم پھر اصل بات کی طرف رجوع کرتے ہیں اور اب آپ کے سامنے کبیری کی بعد والی وہ عبارت پیش کرتے ہیں جسے سرفراز صاحب نے چھوڑ دیا۔

والذی ینبغی ان یکون الخلاف فی استحباب الجھر وعدمہ لا فی کراھیتہ وعدمھا فعندھما یستحب وعندہ الاخفاء افضل وذالک لان الجھر قد نقل عن کثیر السلف کابن عمر	اور حق یہ ہے کہ یہ اختلاف جہر کے استحباب میں ہے پس صاحبین کے نزدیک جہر افضل ہے۔ اور امام صاحب کے نزدیک اخفاء افضل ہے، کیونکہ جہر کثیر سلف سے منقول ہے مثل حضرت

وعلی وابی امامۃ الباهلی والنخعی
وابن جبیر وعمر بن عبد العزیز
وابن ابی لیلی وابان بن عثمان والحکم
وحماد ومالک واحمد وابی ثور
ومثله عن الشافعی ذکره ابن المنذر
فی الاشراف۔

عبد اللہ ابن عمر حضرت علی ابی امامۃ باہلی نخعی
ابن جبیر عمر بن عبد العزیز ابن ابی لیلیٰ ابان بن
عثمان حکم حماد امام مالک امام احمد ابی ثور اور
اس طرح امام شافعی سے بھی منقول ہے اور
اس کو ابو منذر نے اشراف میں ذکر کیا۔

اُمید ہے قارئینِ کرام پر اب واضح ہو گیا ہوگا کہ سرفراز صاحب نے کبیری کی منقولہ بالا عبارت کو کیوں ترک کیا تھا۔ کاش سرفراز صاحب کے دل میں خوفِ آخرت ہوتا اور وہ چند دو پہلی سطروں کے عوض یوں عبارتوں میں کتر بیونت نہ کرتے۔ تحریف سے باز آتے اور مساجد سے اللہ کے ذکر کو روک کر ومن اظلم ممن منع مساجد اللہ ان یذکر فیها اسمه کا مصداق نہ بنتے۔

عباراتِ علماء اور ذکرِ بالجہر

مبتدعین دیوبند ذکر بالجہر کو رد کرنے کے لئے بطور حربہ علماء کے چند اقوال پیش کیا کرتے ہیں جن میں کسی نے ذکر بالجہر کو حرام کہا اور کسی نے خلاف مستحب اس سے قبل کہ ہم ان عبارات کا مطلب بیان کریں۔ سرفراز صاحب کی ضیافت کے لئے چند ایسی عبارات بھی پیش کرتے ہیں جن میں بعض علماء اور فقہاء نے ذکر بالسر کا انکار[1] کیا تاکہ قارئین کے سامنے تصویر کے دونوں رخ آجائیں اور پھر حقیقت تک پہنچنے میں آسانی ہو چنانچہ ملاحظہ فرمائیے۔ علامہ ابن حجر

لہ۔ امام علامہ نووی شارح مسلم فرماتے ہیں۔

اعلم ان الاذکار المشروعة فی الصلاة
وغیرها واجبة کانت او مستحبة لا
یحسب شئ منها ولا یعتد به حتی یتلفظ
به بحیث یسمع نفسه اذا کان صحیح السمع
لا عارض له (کتاب الاذکار ص ۱۲)

اذکارِ مشروعہ نماز میں ہوں یا اس کے ماسوا واجب
ہوں یا مستحب ان کا اس وقت اعتبار کیا جائے گا
جبکہ ان کا اس طرح تلفظ کیا جائے کہ اگر پڑھنے
والے کی سماعت درست ہو تو اسے سنائی دے۔

(باقی صفحہ ۶۸ پر)

کی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

ان جماعۃ من ائمتنا وغیرھم یقولون لا ثواب فی ذکر القلب وحدہ (فتاوی حدیثیہ صہ ۶۳)

ہمارے ائمہ کی ایک جماعت اور ان کے غیر نے کہا کہ فقط ذکر بالقلب میں کوئی ثواب نہیں ہے۔

اور ملا علی قاری رحمہ اللہ فاضل جزری سے نقل فرماتے ہیں۔

وکل ذکر مشروع ای مامور بہ فی الشرع واجبا کان او مستحبا لا یعتد بشئی منہ حتی یتلفظ بہ (مرقاۃ جلد ۵ صہ ۲۹)

ہر وہ ذکر جو شریعت میں مامور ہے واجب ہو یا مستحب اس کا اس وقت تک اعتبار نہیں جب تک تلفظ نہ کیا جائے۔

اور شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ بعض فقہائے سے نقل فرماتے۔

وبعض فقہا گویند کہ ذکر نمے باشد مگر بزبان وادنی امرتبہ وے آنست کہ بشنواند خود را بر قول مختار وغیر وے معتبر نیست چنانکہ در قرائت وطلاق وآنچہ بدل است آں فعل قلب است از قسم علم وتصور ذکر نیست چنانکہ قرائت نیست و ذکر نام چیزے است کہ فعل لسان است۔ (اشعۃ جلد ۲ صہ ۱۷)

اور بعض فقہاء فرماتے ہیں کہ ذکر نہیں ہوتا مگر زبان سے اس کا کم از کم مرتبہ قول مختار پر یہ ہے کہ خود کو سُنائے اور اس کے بغیر ذکر معتبر نہیں ہے جیسا کہ قرائت اور طلاق میں ہے اور جو دل سے ہو وہ تو دل کا فعل ہے اور علم وتصوّر کی قسم ہے ذکر نہیں ہے جیسا کہ دل سے قرائت نہیں ہوتی اور ذکر اس چیز کا نام ہے جو زبان کا فعل ہے۔

ان عبارات سے یہ ظاہر ہو گیا کہ علماء کی ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ ذکر بالقلب

(بقیہ صہ ۶۷) علامہ شیخ محمد دمیاطی شافعی الشہیر بالخضری حاشیہ ابن عقیل میں فرماتے ہیں۔

اما قول زکریا المعنی احمد بلسانی و اصلی بقلبی فہو مقاد منہ تحقیقا فاعترض بان الصلوٰۃ بالقلب بلا تلفظ لا ثواب فیھا۔ خضری جلد اول صہ ۹

زکریا کا قول کہ معنی یہ ہے کہ میں زبان سے حمد کرتا ہوں اور دل سے صلوٰۃ پڑھتا ہوں تو اس پر بعض حضرات نے اعتراض کیا ہے کہ بغیر تلفظ کے (زبان سے پڑھے بغیر) دل سے صلوٰۃ پڑھنے کا کوئی ثواب نہیں ہے۔ (اشرف لاہوری)

WWW.NAFSEISLAM.COM

اور ذکر بالسمع کو کوئی نہیں ہے اور ذکر بغیر زبان اور تلفظ کے صحیح نہیں ہوتا پس جس طرح بعض علماء کے کلام میں جہر کے خلاف مواد موجود ہے اس طرح بعض علماء کے کلام میں سر اور اخفاء کے خلاف مواد موجود ہے اور ہمارے نزدیک یہ دونوں کلام اپنے ظاہر پر محمول نہیں ہیں اور حق یہ ہے کہ بعض احوال میں سر مستحب ہے اور بعض احوال میں جہر مستحب ہے اور کلام جہر متوسط میں ہے اور علماء نے جس جہر کو مکروہ اور حرام کہا ہے وہ اس جہر پر محمول ہے جو جہر مفرط ہو یا جہر مخلوط بالریا ہو۔ اب ہم آپ کے سامنے راہِ سنت سے مولوی سرفراز صاحب گکھڑوی کے سر کردہ حوالے نقل کرتے ہیں جو انہوں نے نفی جہر میں پیش کئے ہیں۔

ففیہ الندب ای خفض الصوت بالذکر اذا لم تدع حاجۃ الی رفعہ (شرح مسلم جلد ۳ ص ۳۴۶ و راہ سنت ص ۱۶۷)	اور یہ حدیث اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ آہستہ ذکر کرنا بہتر ہے جبکہ کوئی داعیہ رفع صوت کا پیش نہ آئے۔

امام نووی کے اس قول کو نفی جہر پہ پیش کرنا حماقت کی معراج ہے کیونکہ امام نووی اس قول میں سر کو مستحب فرما رہے ہیں اور اس کے استحباب میں کوئی کلام نہیں۔ کلام جہر کی حرمت اور بدعت میں ہے جو کہ آپ کا مذموم اعتقاد ہے اور وہ امام نووی کی اس عبارت سے ثابت نہیں ہوتا۔ اس کے بعد سرفراز صاحب ملا علی قاری سے نقل کرتے ہیں۔

وقد نص بعض علمائنا بان رفع الصوت فی المسجد ولو بالذکر حرام (مرقاۃ علی المشکوٰۃ جلد ۲ ص ۴۷۴ راہ سنت ص ۱۶۸)	ہمارے بعض علماء نے صراحت سے یہ حکم بیان کیا ہے کہ مسجد میں بلند آواز کرنا اگرچہ ذکر کے ساتھ ہو حرام ہے۔

جی ہاں اور بعض علماء نے یہ بھی صراحت کی ہے کہ ذکر بالقلب پر کوئی ثواب مرتب نہیں ہوتا۔ علاوہ ازیں ہم فتاویٰ عالمگیری فتاویٰ خیریہ فتاویٰ بزازیہ فتاویٰ شامی طحطاوی کبیری وغیرہ فقہ کی مستند کتب سے رفع الصوت بالذکر اور جہر کا جواز و استحسان نقل کر چکے ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اسی مرقاۃ سے ملا علی قاری کی جلد ۳ صفحہ ۱۷ سے ہم رفع الصوت بالذکر کے استحسان اور استحباب پر ایک طویل عبارت ہدیۂ قارئین کر چکے ہیں۔ پھر اس

کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ ملا علی قاری نے بعض علماء کا جو کلام نقل کیا ہے وہ جہر مفرط یا جہر مشوب بالریا پر محمول ہے۔

سرفراز صاحب بخاری کے حاشیہ سے ناقل ہیں۔

وقال ابن بطال المذاهب الاربعة علی عدم استحبابه ۔
(راہ سنت ص۱۶۷)

ابن بطال یہ فرماتے ہیں کہ چاروں مذہب اس پر متفق ہیں کہ جہر سے ذکر کرنا مستحب نہیں ہے۔

اولاً یہ حوالہ سرفراز صاحب کو مفید نہیں ہے کیونکہ یہاں استحباب کی نفی ہے اور استحباب کی نفی کراہت کو بھی مستلزم نہیں چہ جائیکہ بدعت یا حرمت کو مستلزم ہو جو کہ آپ کا دعویٰ ہے۔ ثانیاً یہ بھی محض افتراء ہے کہ ائمہ اربعہ جہر کو غیر مستحب قرار دیتے ہیں۔ ائمہ اربعہ عید اضحیٰ کی تکبیرات میں جہر بالصوت کو مستحب قرار دیتے ہیں اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک عید الفطر میں بھی جہر بالتکبیر مستحب اور صحیح بات یہ ہے کہ امام صاحب بھی عید الفطر میں جہر کو مستحب قرار دیتے ہیں۔

دیکھئے علامہ شامی فرماتے ہیں۔

وعن ابی حنیفة وهو قول صاحبیه واختیار الطحاوی انه یجهر
(شامی جلد ۱ ص۷۷۵)

امام ابو حنیفہ سے روایت ہے کہ جہر کیا جائے اور یہی صاحبین کا قول ہے اس کو طحاوی نے اختیار کیا۔

WWW.NAFSEISLAM.COM

اور علامہ ابراہیم حلبی فرماتے ہیں۔

ان الجهر قد نقل عن کثیر من السلف کابن عمر وعلی وابی امامة الباهلی والنخعی وابن جبیر وعمر بن عبد العزیز وابن ابی لیلی وابان بن عثمان والحکم وحماد ومالک واحمد وابی ثور ومثله عن الشافعی
(کبیری ص۵۲۵)

بلا ریب کثیر اسلاف سے جہر منقول ہے جن میں حضرت عبد اللہ ابن عمر حضرت علی ابی امامۃ باہلی نخعی ابن جبیر عمر بن عبد العزیز ابن ابی لیلی ابان بن عثمان حکم وحماد امام مالک وامام احمد ابی ثور اور امام شافعی رضوان اللہ علیہ اجمعین شامل ہیں۔

دیکھئے سرفراز صاحب اب تو ائمہ اربعہ کے علاوہ صحابہ تابعین اور دوسرے مجتہدین کی کثیر جماعت سے جہر ثابت ہوگیا۔ مزید ملاحظہ فرمائیے۔ (علامہ طحطاوی فرماتے ہیں)

اجمع العلماء سلفا وخلفا علی استحباب ذکر اللہ تعالیٰ جماعۃ فی المساجد و غیرھا (طحطاوی ص۱۹۰، شامی جلد ۱ ص۶۱۸)

متقدمین اور متاخرین تمام علماء نے جماعت کے ساتھ ذکر بالجہر کے مستحب ہونے پر اجماع کیا عام ازیں کہ مساجد میں ہو یا اس کے غیر میں۔

ان ٹھوس حوالہ جات پیش کرنے کے بعد گزارش ہے کہ ابن بطال کا ائمہ اربعہ سے جہر کا عدم استحباب نقل کرنا ہرگز لائق التفات نہیں ہے۔ اولاً اس لئے کہ جب قرآن اور حدیث سے جہر کا حکم اور اس کی طرف ترغیب اور تحریص ثابت ہو چکی تو اس کو غیر مستحب کہنا غیر مسموع ہے۔ ثانیاً جب تمام متقدمین اور متاخرین کا استحباب جہر پر اجماع ہے تو ائمہ اربعہ اسے غیر مستحب کیسے فرما سکتے ہیں۔ کیا وہ متقدمین میں سے نہیں ہیں ثالثاً ہم صحابہ تابعین ائمہ مجتہدین اصحاب ظواہر اور ائمہ اربعہ سے استحباب جہر پر صریح نصوص پیش کر چکے ہیں پھر ائمہ اربعہ کی طرف عدم استحباب کی نسبت کیسے صحیح ہو سکتی ہے۔ رابعاً ابن بطال کے کلام کی غایت توجیہ ہمارے نزدیک یہی ہے کہ یہ کلام اس جہر کے بارے میں ہے جس میں ریاء کا احتمال ہو اس کے علاوہ ابن بطال کے کلام کا اور کوئی صحیح محمل نہیں ہے۔

ذکر بالجہر پر مبتدعین کی عقلی شہادت اور اُن کے جوابات

جب منقولات میں مبتدعین کا بس نہیں چلتا تو فرزندانِ عبد الوہاب اور گنگوہ کے پجاری عقلی اعتزال کے سہارے خم ٹھونک کر سامنے آتے ہیں اور ھل من مبارز کے ڈونگرے بجاتے ہیں۔ اس لئے ہم نے ضروری سمجھا کہ اس بحث کو ختم کرنے سے پہلے ان عقلی اعتراضوں کے جوابات تحریر کئے جائیں تاکہ یہ بحث مکمل ہو جائے چنانچہ ایک مشہور اعتراض یہ ہے کہ نمازوں کے بعد جو بلند آواز سے ذکر کیا جاتا ہے اس سے بعد میں آکر ملنے والوں کی نماز میں خلل پڑتا ہے۔ **الجواب**۔ ہم شروع میں بخاری اور مسلم کی احادیث پیش کر چکے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ نماز کے بعد بلند آواز سے لا الٰہ الا اللہ کا ذکر کیا کرتے تھے۔

اور حضور کے عہد میں بعد میں آکر ملنے والے بھی تھے ان کی نماز میں خلل کیوں نہیں پڑا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خلل کی وجہ سے ذکر بالجہر کو موقوف کیوں نہ کیا جس کا داعیہ عہد رسالت میں ہوا اور پھر حضور اس کے ترک میں مواظبت فرمائیں۔ آپ کی تحقیق کے مطابق وہ بدعت ہوتا ہے۔ بتلائیے اب آپ بدعتی ہوئے یا نہیں۔ ثانیاً خلل محض جہر کی وجہ سے نہیں ہوتا بلکہ مخالف آواز کی وجہ سے پڑتا ہے خواہ وہ آواز سراً ہو یا جہراً مثلاً ایک شخص نماز پڑھ رہا ہے اور اس کے ساتھ بیٹھا ہوا کوئی شخص آہستہ آہستہ اور چپکے چپکے ہی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں نازیبا کلمات استعمال کرے یا صحابہ کرام کی جناب میں کوئی گستاخی کرے تو نمازی کو وحشت اور اضطراب لاحق ہوگا اور اس خلل کی وجہ سے عین ممکن ہے کہ وہ نماز توڑ کر اس شخص سے برسرِ پیکار ہو جائے۔ اس سے ظاہر ہوا کہ خلل مخالف آواز سے پیدا ہوتا ہے خواہ وہ آواز آہستہ ہو یا بلند اور موافق آواز سے اگر فی الواقع وحشت و اضطراب ہو بھی تو دور ہو جاتا ہے۔ دیکھیے شبِ معراج جب حضور سدرۃ المنتہیٰ سے آگے تشریف لے گئے تو آپ کو تنہائی توحش اور اضطراب لاحق ہوا تو اللہ تعالیٰ نے صدیق اکبر کے مشابہ آواز پیدا کر دی (قِفْ یَا مُحَمَّدُ فَاِنَّ رَبَّكَ یُصَلِّیْ) جس سے حضور کا توحش دور ہو گیا۔ معلوم ہوا کہ موافق آواز سے وحشت و غلس دور ہوتا ہے اور مخالف آواز سے خلل اور وحشت پیدا ہوتی ہے۔ اب مبتدعین سوچیں کہ وہ اللہ کے ذکر کو موافق آواز سمجھتے ہیں یا مخالف گیا یہ حیرت ناک امر نہیں کہ اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ (اللہ کے ذکر سے دلوں کو اطمینان ملتا ہے) اور مبتدعین دیوبند کہتے ہیں کہ ہمیں اللہ کے ذکر سے وحشت ہوتی ہے۔ فیا للعجب۔ علاوہ ازیں گذارش ہے کہ آپ لاؤڈ سپیکر پر درس دیتے ہیں تقریریں کرتے ہیں اس وقت بھی آخر نمازی نماز پڑھتے ہیں کیا اب نماز میں خلل نہیں پڑتا۔ اگر واقعی آپ لوگوں کی نمازوں کے لیے ہی ہمدرد ہیں تو اب یا درس اور تقریریں بھی ختم کیجئے یا پھر یہ کام مکروہ وقت میں کیا کریں۔ جب سجدہ جائز نہ ہو لیکن آپ ایسا نہیں کریں گے کیونکہ یہ آپ کی روزی کا معاملہ ہے اور اگر درس اور تقریریں خطرے میں پڑ گئیں تو توہین الوہیت اور تنقیصِ رسالت کے لئے ایندھن کیسے فراہم ہوگا۔ فالی اللہ المشتکی۔

دوسرا شبہ یہ ہے کہ ذکر بالجہر سے لوگوں کی نیند میں خلل پڑتا ہے اس کے جواب میں گذارش ہے کہ نمازوں کے بعد جو ذکر بالجہر کیا جاتا وہ کب نیند کا وقت ہوتا ہے۔ اور اگر کوئی شخص اس وقت

سمجھ رہا ہو تو اسے واقعی جگانا ہی چاہیئے۔ ثانیاً نیند میں خلل کا امکان جہر مفرط میں ہے اور جہر متوسط میں یہ امکان ہی نہیں۔ خدا غور کی توفیق عطا فرمائے۔

تیسرا شبہ یہ ہے کہ بسا اوقات لوگ حوائج ضروریہ میں مشغول ہوتے ہیں تم ذکر بالجہر کرتے، ذکر کی بے ادبی ہوتی ہے۔ **الجواب**۔ پھر اذانیں بھی بند کرائیں کیونکہ خاص طور پر صبح کی اذان جس وقت ہوتی ہے وہ خاص طور پر اس اشتغال اور ابتلاء کا ہوتا ہے اور یہ اعتراض ایسے ہی ہے جیسے کوئی کہے کہ بعض لوگ نماز کے وقت ریڈیو بجاتے ہیں اس لئے نماز پڑھنا چھوڑ دو حالانکہ ہونا یہ چاہیئے کہ اس وقت ریڈیو نہ بجایا جائے اس طرح ذکر کے اوقات میں ان حوائج سے احتراز کرنا چاہیئے نہ کہ ذکر کو ان اوقات میں بند کرنا چاہیئے۔

خرد کا نام جنوں رکھ دیا اور جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسنِ کرشمہ ساز کرے

حضرت مولانا الفاضل محمد عبد الحکیم صاحب شرف میرے انتہائی مخلص اور کرم فرما ہیں۔ انہوں نے پانچ چھ ماہ پیشتر یہ فرمائش کی تھی کہ میں ذکر بالجہر پر کچھ لکھوں جس میں اثبات بھی ہو اور منکرین کے شبہات کا احتساب بھی یہ وقت کا ایک اہم کام تھا لیکن میری طبعی سستی کثرتِ کار اور سب سے بڑھ کر بے بضاعتی اس کے شروع کرنے میں حائل ہوتی رہی۔ آخر شہر رمضان کے چند مبارک روزوں میں یہ کام پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ اس رسالہ میں ہم نے قرآنِ کریم احادیثِ طیبہ سادات علماء کے اقوال اجماعِ امت اور قیاس کی روشنی میں جہرِ متوسط کے جواز اور استحسان کو روشن سے روشن تر کر دیا ہے اور آفتابِ دلائل کی ضیا پاشیوں نے منکرین کے توہمات کی گھٹاؤں کو ملکِ عدم پہنچا دیا۔ وللہ الحمد اللہ تعالیٰ اس سعی قلیل کو قبول فرمائے۔ اور اہلِ حق کے لئے اسے مؤید اور مبتدعین کے لئے مصلح بنائے۔ وما ذالک علی اللہ بعزیز

ابو الوفاء غلام رسول سعیدی غفرلہ

مدرس جامعہ نعیمیہ۔ گڑھی شاہو لاہور۔

یکم شوال ۱۳۸۹ھ

ذکر بالجہر

(حصّہ دوم)

Nafse Islam
نفس اسلام
WWW.NAFSEISLAM.COM

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

مقدّمہ

گذارشِ احوالِ واقعی

اہل سنت وجماعت کی بعض مساجد میں نماز کے بعد متوسط آواز کے ساتھ کلمہ طیبہ کا ذکر کیا جاتا ہے، عام طور پر لوگ تین بار کلمہ طیبہ کا ذکر کرتے ہیں اور اس کے بعد سنن اور نوافل پڑھنے میں مشغول ہو جاتے ہیں بعض جگہ نوافل کے بعد نمازی درود شریف کا ذکر بھی کرتے ہیں اور چونکہ یہ ذکر متوسط آواز کے ساتھ انتہائی قلیل مقدار میں ہوتا ہے اس لئے نہ تو اس ذکر سے کسی کی نماز میں خلل پڑتا ہے اور نہ ہی یہ ذکر کسی کی نیند یا مطالعہ میں حرج پیدا کرتا ہے نیز اس ذکر میں نہ کسی خاص ہیئت کی تقیید کا دخل ہے نہ ہی اس کا فرض یا واجب کی طرح التزام کیا جاتا ہے بلکہ ذکر میں عموم اور اطلاق کی روح کو باقی رکھتے ہوئے استحساناً کلمہ طیبہ اور درود شریف کا ذکر کیا جاتا ہے۔

اس پُر آشوب دور میں جب کہ لوگ عبادات سے یکسر غافل اور عاری ہیں، عوام کا یہ ذکر بھی غنیمت ہے، مناسب تھا کہ لوگوں کو اللہ اللہ کرنے اور اس کے ذکر و فکر کی مزید تلقین کی جاتی تاکہ بندوں کا اپنے رب کے ساتھ رابطہ قوی ہوتا، اللہ تعالیٰ کے ذکر سے لوگوں کی دلچسپی میں اضافہ ہوتا، ان کی زبانیں ذکرِ الٰہی کی لذت اور درود شریف کی حلاوت سے بہرہ مند ہوتیں اور یوں انہیں اخروی سعادت کے حصول کا موقع فراہم ہوتا لیکن بعض لوگ جنہیں نہ اللہ تعالیٰ کے نام کی حرمت کا پاس ہے نہ انہیں مسلمانوں کی دینی ترقی سے دلچسپی ہے، اپنی عادت کے مطابق اللہ تعالیٰ کے اس ذکر کو بدعت کہنے سے نہیں چوکتے اور برملا مساجد میں اللہ تعالیٰ کے ذکر کو مٹانے کے درپے رہتے ہیں چنانچہ سنا گیا ہے کہ سرحد کے بعض علاقوں میں بعض لوگ جہالت اور عناد کے سبب ذکرِ الٰہی کو مٹانے کے لئے آمادہ پیکار ہوئے اور جدال و قتال تک نوبت پہنچی۔ جب اس قسم

WWW.NAFSEISLAM.COM

کے فتنے متعدد جگہ پیدا ہوئے تو اس وقت مجھ سے بعض اہلِ دل اور اہلِ درد لوگوں نے فرمائش کی کہ میں نماز کے بعد متوسط آواز کے ساتھ ذکر بالجہر کے جواز اور استحسان پر ایک رسالہ لکھ دوں تاکہ ذکر بالجہر کے خلاف مبتدعین اور مانعین کے پھیلائے ہوئے زہر کا تریاق ہو سکے، چنانچہ اس گنہ گار نے ۱۳۸۹ھ میں "ذکر بالجہر" کے نام سے ایک رسالہ لکھا جس میں قرآنِ کریم، احادیثِ نبویہ، علماء راسخین اور خود مانعین کے مسلم اکابر کی عبارات سے ذکر بالجہر کے جواز اور استحسان کو بیان کیا۔

الحمد للہ! اس رسالہ کا نہایت خوشگوار اثر مرتب ہوا اور جو لوگ نادانی و غلط فہمی کے سبب ذکر بالجہر سے عناد رکھتے تھے، ان کا مزاج تبدیل ہونے لگا جن لوگوں کے ماتھے پر اللہ تعالیٰ کا نام سننے سے بل پڑ جاتے تھے وہ اس کے ذکر کا احترام کرنے لگے تشتت اور افتراق کی گھٹائیں دور ہوئیں اور لوگوں کے سینوں میں اللہ تعالیٰ کے ذکر کا ذوق و شوق بڑھنے لگا۔

جن لوگوں کا مزاج ذکرِ الٰہی سے ہم آہنگ نہیں ہے اور جن کے دل خوفِ خدا و فکرِ آخرت سے یکسر خالی ہیں، انہیں ذکرِ الٰہی کی یہ فضا راس نہیں آئی تاہم رسالہ ذکر بالجہر کے دلائل کا جواب مہیا کرنا بھی ان کے لیئے آسان نہ تھا، عرصہ دراز تک مانعین سر جوڑ کر غور کرتے رہے، بہر غلط مبحث، کجروی، اصل موضوع سے فرار اور مغالطہ آفرینی کی بنیاد ڈال پر انہوں نے متعدد کتابوں سے حوالے فراہم کیئے، غیر متعلق اور غیر نزاعی عبارات کی فضول بھرتی سے کتاب کا حجم بڑھایا، عبارات کے ساختہ جوڑ توڑ اور تحریف و تلبیس کے نام سے دلائل پیش کیئے اور سات سال کی اس تیاری کے بعد ۱۳۹۶ھ کے سالِ رواں میں جلی قلم سے ۲۰×۳۰/۱۶ کے ڈیمی کٹ سائز پر ۳۰۴ صفحات کا مجموعہ "حکم الذکر بالجہر" کے نام سے پیش کر دیا [1]

---

[1] اس کتاب کے شروع اور اخیر میں سنِ طباعت ۱۳۹۴ھ لکھا ہوا ہے لیکن یہ سراسر خلافِ واقع ہے، گذشتہ سال یعنی ۱۳۹۵ھ میں راقم الحروف نے نصرۃ العلوم میں آدمی بھیجکر توضیح البیان کے جواب کے متعلق دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ سرفراز صاحب ہنوز ذکر بالجہر کا جواب لکھ رہے ہیں۔ (سعیدی)

حکم الذکر بالجہر کا تعارف

اس کتاب پر مؤلف کی حیثیت سے سرفراز صاحب کا نام لکھا ہوا ہے، ان صاحب کی اردو نہایت خام اور کمزور ہے، اردو عبارت میں پنجابی الفاظ بے تکلف لکھ دیتے ہیں، شائستگی اور تہذیب سے انہیں دور کا بھی واسطہ نہیں ہے عام بازاری اور اوباش قسم کے لوگ بھی جن گالیوں کو شرفاء کے سامنے زبان پر لانے میں عار محسوس کرتے ہیں، ان صاحب نے وہ گالیاں بلا تکلف دینی کتابوں میں لکھ کر چھاپ دی ہیں، ان الفاظ کو نقل کرنا بھی ہم قلم کی توہین سمجھتے ہیں، حوالے عرض کئے دیتے ہیں دیکھئے اور مانعین کے شیخ الحدیث کی شرافت، تہذیب اور شائستگی کی داد دیجئے۔

مصنف مذکور نے عبارات اکابر ص ۲۸ سطر ۱۲ اور حکم الذکر بالجہر ص ۲۴۸ سطر ۸ پر قوسین میں ایسے قبیح اور فحش الفاظ لکھے ہیں جن کی کسی مہذب اور شائستہ آدمی سے توقع نہیں کی جا سکتی۔ میں سوچتا ہوں کہ جس جماعت کے عالم دین بلکہ شیخ الحدیث کی دینی تحریر میں ایسے الفاظ آ سکتے ہیں تو اس جماعت کے عام لوگوں کے اخلاق کا کیا عالم ہوگا۔

اس کتاب کا مقصد متوسط آواز سے مساجد میں اللہ تعالیٰ کے ذکر کو ختم کرانا ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ومن اظلم ممن منع مسٰجد اللہ ان یذکر فیھا اسمہ (اس شخص سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جو اللہ تعالیٰ کی مساجد میں اس کے ذکر سے منع کرے)۔

WWW.NAFSEISLAM.COM

حیرت ہے کہ مصنف نے کس بے پرواہی اور بے خوفی سے خدا کے بالمقابل آکر اس کے نام کو مساجد سے مٹانے کی مذموم سعی کر کے غضب خداوندی اور اس کی وعید سے مبارزت کی ہے۔

مصنف نے اس کتاب میں جگہ جگہ سفاہت اور عدم بصیرت کا مظاہرہ کیا ہے، زبان و بیان اس قدر سوقیانہ ہے کہ سنگ کسبیوں کو بھی شرم آئے، علمی اور تحقیقی اعتبار سے پوری کتاب اضحوکہ سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی، اس لئے اس کتاب کے جواب کی چنداں

ضرورت نہ تھی کہ ایسی باتوں کا جواب نہیں ہوا کرتا لیکن اس خیال سے کہ مصنف نے سات سال کی لگاتار محنت و مشقت سے جو حوالے مہیا کر کے اغلوطات ترتیب دئیے ہیں اگر ان پر داد نہ دی گئی تو اسے مایوسی ہوگی، نیز یہ خیال بھی آیا کہ ممکن ہے عوام اور سادہ لوح لوگ اس کتاب کے مضامین سے کسی غلط فہمی میں مبتلا ہوں اور ذکرِ الٰہی کی لذتوں کو کھو بیٹھیں، بنا بریں محض اللہ تعالیٰ کے ذکر کی عظمت اور اس کے نام کی سربلندی کی خاطر میں نے علی الفور رسالہ "ذکر بالجہر" کا دوسرا حصہ لکھا جس میں مصنف کی تحریف و تلبیس اور اس کی مغالطہ آفرینی کا ملمع اتار کر حق کو واضح سے واضح تر کر دیا ہے نیز جہرِ معتدل پر کتاب و سنت اور فقہاءِ اسلام کی عبارات سے مزید دلائل پیش کئے گئے ہیں اور مصنف کے مسلم اکابر مثلاً مولوی رشید احمد گنگوہی، مولوی اشرف علی تھانوی، مولوی شبیر احمد عثمانی اور مولوی انور شاہ کشمیری وغیرہم کی صریح عبارات سے جہرِ معتدل کی حقانیت کو آفتاب سے زیادہ روشن کر دیا ہے۔

کجروی اور فرار

رسالہ ذکر بالجہر کے شروع میں ہم نے تصریح کر دی تھی کہ :-

" ذکر بالجہر اور ذکر بالسر دونوں دلائلِ شرعیہ سے ثابت ہیں البتہ بعض صورتوں میں سِر مستحب ہے اور بعض صورتوں میں جہر مستحسن ہے، یہ کلام جہرِ متوسط میں ہے اور بعض عبارات میں جس جہر پر مکروہ، بدعت یا حرام کا اطلاق کیا گیا ہے وہ جہرِ مُفرِط (حد سے زیادہ بلند آواز سے ذکر) یا جہرِ مخلوط بالریا پر محمول ہے اور وہ ہمارے دعویٰ سے خارج ہے " (ذکر بالجہر ص ۱۵)

اس تصریح کے باوجود سرفراز صاحب نے حکم الذکر بالجہر میں بکثرت ایسی عبارات نقل کر دی ہیں جن میں جہرِ مفرط یا مخلوط بالریاء سے منع کیا گیا ہے اور ستم یہ ہے کہ لکھتے ہیں :-

" جن حضرات کی عبارتوں میں ذکر بالجہر کی اجازت آئی ہے (گو ان میں اکثریت

حضراتِ شوافع اور صوفیاء کی ہے مگر) انہوں نے بھی ذکرِ جہر کو مطلق نہیں چھوڑا بلکہ اس کے ساتھ متعدد قیود اور شرائط لگائی ہیں اور سعیدی صاحب اور انکی جماعت ان شرائط میں سے بیشتر کو نظرانداز کر دیتی ہے، ان اکابر کی عبارت میں سے مفید مطلب جملہ ذکر بالجہر کی اجازت کا تو وہ لے لیتے ہیں مگر دیگر شرائط اور قیود سے کبوتر کی طرح آنکھیں بند کر لیتے ہیں حالانکہ وہ انکی عبارتوں میں صاف طور پر موجود ہوتی ہیں" [1]

ضروری شرائط اور قیود کے بارے میں تو ہم نے رسالہ کی ابتداء ہی میں لکھ دیا تھا کہ جہر متوسط ہو، مفرط اور مخلوط بالریاء نہ ہو، اس لئے سرفراز صاحب کا یہ کہنا خلافِ واقع ہے کہ ہم قیود اور شرائط کو نظرانداز کر دیتے ہیں، باقی رہا یہ کہ عباراتِ علماء میں سے ہم لوگ قیود اور شرائط کو حذف کر دیتے تو یہ بھی خلافِ واقع ہے، ضروری قیود اور شرائط کے ساتھ اس قسم کی عبارات ذکر بالجہر میں بکثرت موجود ہیں، یہاں صرف ایک مثال پیش کئے دیتے ہیں :-

علامہ طحطاوی اور تھانوی صاحب کے حوالہ سے لکھا ہے کہ :

"قدیماً وحدیثاً علماء کا اس پر اجماع ہے کہ مساجد میں جماعت کے ساتھ ذکر بالجہر بغیر کسی انکار کے مستحب ہے، سوا اس کے کہ ذکر سے کسی کی نماز یا نیند یا قرأت میں خلل پڑے، اسی طرح کتبِ فقہ میں مرقوم ہے"

(ذکر بالجہر ص ۳۶)

علامہ طحطاوی نہ شافعی ہیں نہ صوفی ہیں بلکہ ٹھوس حنفی فقیہ ہیں اور تھانوی صاحب تو آپ کے مسلم بزرگ ہیں، غور سے پڑھ لیجئے ہم نے ان کی عبارت مع ضروری قیود و شرائط کے نقل کی ہوئی ہے اور اب غالباً آپ کی سمجھ میں یہ بھی آگیا ہوگا کہ ضروری قیود اور شرائط سے کبوتر کی طرح کس نے آنکھیں بند کی ہوئی ہیں؟

---

[1] حکم الذکر بالجہر، ص ۲۹۲ -

حدیث ارتبعوا علیٰ انفسکم کا جواب دیتے ہوئے ہم نے لکھا تھا :۔

" حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فرمانِ مبارک سے نہ تو مطلقاً جہر کی ممانعت فرمائی ہے اور نہ جہر متوسط کی (ومن ادعیٰ فعلیہ البیان) بلکہ اس فرمان سے جہرِ مفرط کی نہی فرمائی ہے چنانچہ مولوی رشید احمد گنگوہی کہتے ہیں قال علیہ السلام اربعوا علیٰ انفسکم الحدیث اور یہ بھی ذکر جہر ہی ہے ، رفق کو فرمایا گیا ہے گلو پھاڑنے سے منع کیا ہے اور مطلق آیات و احادیث بہت جواز پر دال ہیں ، فقط واللہ تعالیٰ اعلم "

رشید احمد گنگوہی (فتاویٰ رشیدیہ کامل ، ص ۲۱۳)

سرفراز صاحب اس جواب پہ بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں :۔

" الجواب ۔ مؤلفِ مذکور نے یہ جو کچھ لکھا ہے ان کو سود مند نہیں ہے اول اس لیے کہ اس حدیث سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جہرِ مفرط سے نہی نہیں فرمائی بلکہ مطلق جہر سے نہی فرمائی ہے (الیٰ ان قال) اور اس جہر میں جہرِ متوسط بھی شامل ہے ، اس سے جہرِ متوسط کو خارج کرنا اور ہم سے بیان کا مطالبہ کرنا بے سود ہے بلکہ قطعی طور پر جہرِ متوسط ثابت کرنے والے پر اس کا بیان لازم ہے (و من ادعیٰ فعلیہ البیان بالبرھان) پھر انہوں نے علمی خیانت کا ارتکاب بھی کیا ہے اور حضرت مولانا گنگوہی کی پوری عبارت نقل نہیں کی جس سے بات صاف ہوتی ہے ، پوری عبارت ملاحظہ فرمائیں :۔

سوال :۔ ذکرِ جہر مذہب حنفیہ میں جائز ہے یا نہیں ؟ مدلل ارقام فرمائیے ۔

جواب :۔ ذکرِ جہر میں حنفیہ کی کتب میں روایات مختلفہ ہیں ، کسی سے کراہت ثابت ہوتی ہے بغیر محل ثبوت میں اور بعض سے جواز ثابت ہوتا ہے اور یہی راجح ہے اور

ملہ غزوۂ خیبر کی طرف جاتے ہوئے راستے میں صحابہ کرام بلند آواز سے ذکر کر رہے تھے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اربعوا علیٰ انفسکم (اپنے نفسوں کے ساتھ نرمی کرو) ۱۲ منہ

اس کی دلیل طلب کرنا بے سود ہے کیونکہ مجتہدین کا خلاف ہے سو اب کون فیصلہ کر سکتا ہے مگر جواز کی دلیل یہ ہے کہ قال اللہ تعالیٰ اذکر ربک تضرعا وخیفۃ ودون الجھر الآیۃ دون الجہر بھی جہر ہی ہے کہ ادنیٰ درجہ ہے قال علیہ السلام اربعوا علیٰ انفسکم الحدیث" له

ہماری بحث اس بات میں تھی کہ اربعوا علیٰ انفسکم میں جہرِ مفرط کی نفی ہے اس لئے ہم نے فتاوے رشیدیہ سے عبارت کا وہ حصہ نقل کیا تھا جو نفیِ افراط پر قرینہ ہے اور وہ یہ ہے کہ گنگوہی صاحب لکھتے ہیں کہ حدیث میں گلو پھاڑنے سے منع کیا ہے اور گلہ پھاڑنا یہی تو افراط ہے لہٰذا بادلیل ثابت ہوا کہ اس حدیث میں جہرِ مفرط کی نفی ہے، اس وجہ سے صرف اتنی عبارت نقل کی گئی تھی، باقی غیر متعلق عبارت کو چھوڑ دیا گیا تھا اور یہ بھی سرفراز صاحب کی مہربانی ہے جو انہوں نے لکھا ہے کہ پورا فتوے نقل کرنا چاہیئے تھا ورنہ اگر وہ یہ بھی لکھ دیتے کہ پورا فتاوے رشیدیہ انہوں نے نقل نہیں کیا اور یہ ان کی علمی خیانت ہے، تب بھی ہم سرفراز صاحب کا کیا بگاڑ سکتے تھے؛

نیز جو عبارت ہم نے نقل نہیں کی، اس میں گنگوہی صاحب نے یہی تو لکھا ہے کہ ذکر بالجہر میں احناف کا اختلاف ہے لیکن راجح قول ان کا ہے جو جواز کے قائل ہیں، اب بتلایئے کہ پوری عبارت سامنے آنے کے بعد بھی ہمارے موقف میں کیا فرق آیا له

یہ تیری گلی کی قیامتیں کہ لحد کے مردے اکھڑ گئے
یہ مری جبینِ نیاز ہے کہ جہاں دھری تھی دھری رہی

ان دو مثالوں سے قارئینِ کرام کو اندازہ ہو گیا کہ رسالہ ذکر بالجہر کے جوابات کی کیا حقیقت ہے، ان مثالوں میں سرفراز صاحب نے اپنی روایتی شائستگی سے راقم کے حق میں کبوتر کی طرح آنکھیں بند کرنے والا اور خائن" وغیرہ کے الفاظ استعمال کر کے اپنے دل کی بھڑاس تو ضرور نکال لی ہے لیکن راقم کے دلائل کے جواب کے ذمہ سے

له (اس جگہ سرفراز صاحب نے ادنیٰ جہر کی جو بحث چھیڑی ہے اس پر مکمل گفتگو گنگوہی صاحب اور ذکر بالجہر کے زیرِ عنوان آرہی ہے)

وہ عہدہ برآ ہو سکنے میں قطعاً ناکام رہے ہیں جیسا کہ سطورِ بالا سے قارئینِ کرام پر واضح ہو چکا ہو گا۔

خلطِ مبحث اور سوقیانہ تحریر

اس سلسلہ میں ایک اور مثال پیش کرنی ہے جس سے سرفراز صاحب کی کوثر و تسنیم سے دھلی ہوئی زبان کی لطافت اور طرزِ استدلال میں ان کے قلم کی عصمت اور امانت سامنے آجائے گی۔

مانعینِ جہر کہتے ہیں کہ مسجد میں ذکر بالجہر کرنے سے نمازیوں کی نماز میں خلل واقع ہوتا ہے، اس شبہ کے جواب میں رسالہ ذکر بالجہر میں لکھا تھا کہ:۔

"آپ لاؤڈ اسپیکر پر درس دیتے ہیں، تقریر کرتے ہیں، اس وقت بھی آخر نمازی نماز پڑھتے ہیں، کیا اب نماز میں خلل نہیں پڑتا، اگر آپ واقعی لوگوں کی نمازوں کے ایسے ہی ہمدرد ہیں تو آپ یا درس اور تقریریں بھی ختم کیجیے یا پھر یہ کام مکروہ وقت میں کیا کریں، جب سجدہ جائز نہ ہو لیکن آپ ایسا نہیں کریں گے کہ آپ کی روزی کا معاملہ ہے۔" (ذکر بالجہر، ص ۱۷)

اس عبارت میں یہ بتلایا ہے کہ مسجد میں تو لوگ مکروہ اوقات کے سوا کسی نہ کسی وقت میں نماز پڑھتے ہی رہتے ہیں لہٰذا مسجد میں جس وقت بھی درس یا تقریر ہو گی لوگوں کی نمازوں میں خلل ہو گا اس لئے یا تو مطلقاً درس اور تقریریں بند کردیں یا پھر ان اوقات میں درس وغیرہ دیں جن اوقات میں نماز مکروہ ہے تاکہ نہ نماز ہو نہ اس میں خلل کا اندیشہ!

اس دلیل کا سرفراز صاحب سے کیا جواب ہو سکتا تھا لیکن کچھ نہ کچھ کہنے کے لئے یہ کہہ کر دل کی بھڑاس نکالی ہے:۔

"علاوہ ازیں مؤلفِ ذکر بالجہر کا یہ کہنا کہ یا پھر یہ کام مکروہ وقت میں کیا کریں الخ کیا وعظ و تقریر کے لئے بھی شرعاً کوئی وقت مکروہ ہے جس طرح نمازوں کے لئے مثلاً طلوعِ آفتاب، استواء اور غروبِ آفتاب وغیرہ کے اوقات مکروہ ہیں؟ پھر

سجدے کے مکروہ ہونے اور درس و وعظ کا آپس میں کیا تعلق اور جوڑ ہے کہ اس کا پیوند اس کے ساتھ جوڑ دیا ہے اور یوں لب کشائی کی ہے :-

"یا پھر یہ کام مکروہ وقت میں کیا کریں اور اصل بات یہ ہے کہ اہلِ بدعت دین کی صحیح بصیرت سے تو ویسے ہی محروم ہیں، اگر کسی میں معمولی جھلک ہے بھی تو وہ شرک و بدعت کے دبیز پردوں کے نیچے دب گئی ہے اور حلوے کھیر اور مرغن غذاؤں کی اس پر ہر طرف سے خوب لپائی ہو چکی ہے لہٰذا ان سے صحیح بات کی قبولیت کی سرے سے کوئی توقع نہیں۔" ۱؎

مزید غیظ و غضب میں آکر یوں لکھتے ہیں :-

"رہا مؤلفِ ذکر بالجہر کا یہ طعنہ کہ یہ تمہاری روزی کا معاملہ ہے تو یہ ایک احمقانہ خیال ہے کیونکہ علماءِ حق کا وہ طبقہ جو لاؤڈ سپیکر کی ایجاد سے پہلے گزر چکا ہے کیا وہ روزی نہیں کماتا تھا؟ اور کیا آج بھی علماءِ حق کا ہر فرد لاؤڈ سپیکر کا استعمال کرتا ہے اور درس ہی دیتا ہے تبھی اس کو روزی نصیب ہوتی ہے؟ کیا وہ حضرات جو نہ تو درس دیتے ہیں اور نہ آلہ مکبر الصوت استعمال کرتے ہیں وہ روزی نہیں کماتے؟ بجائے اس کے کیا یہ قرینِ قیاس نہیں کہ صحیح اور ٹھوس دینی خدمت سے تو آپ لوگ ویسے محروم ہیں جس کو ہر عقلمند اور منصف مزاج آدمی تسلیم کرے گا اور لوگوں کو اپنی طرف مائل کرنے کے لئے اور اپنی کارگزاری بتلانے کے لئے روزی کمانے کا یہ ڈھنگ آپ لوگوں نے اختیار کر لیا ہے کہ چلّا چلّا کر ذکر کرتے اور درود شریف اور فلمی طرز کی نعتیں پڑھتے ہیں تاکہ لوگوں کو پتہ چلے کہ مسجد میں کچھ ہو رہا ہے اور گیارہویں اور عرس وغیرہ میں لوگوں کو ترغیب دے کر اس کارروائی کو اپنی روزی اور حلوے مانڈے کا ذریعہ بنا رکھا ہے اور طعنہ اہلِ حق کو دیا جا رہا ہے کہ یہ تمہاری روزی کا معاملہ

۱؎ حکم الذکر بالجہر ، ص ۳۰۴ -

رہے، یہ سچ ہے کہ چھاننی[1] نے لوٹے کو یہ طعنہ دیا کہ تیرے اندر دو سوراخ ہیں اور اپنی خبر سے بے خبری نہیں کہ کتنے سوراخ ہیں۔" [2]

سرفراز صاحب کے اس سب وشتم اور غیظ و غضب کے باوجود بھی یہ سوال تو تشنہ ہی رہا کہ اگر نمازیوں کی نماز میں خلل سے احتراز مقصود ہے تو آپ مسجد میں وعظ اور درس بھی چھوڑ دیں لیکن آپ ایسا نہیں کریں گے کیونکہ یہ بہر حال آپ کی روزی کا معاملہ ہے۔

ان چند مثالوں سے قارئین کرام پر سرفراز صاحب کے دلائل کا تانا بانا واضح کرنے کے بعد اب ہم اصولی مباحث کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

موضوعِ بحث

کسی مسئلہ میں موضوع کی تعیین اس لئے کی جاتی ہے کہ نقطۂ بحث متعین ہو جائے اور خلطِ مبحث، کجروی اور نزاعِ لفظی میں وقت ضائع نہ ہو۔ رسالہ ذکر بالجہر کے شروع میں بھی ہم نے موضوعِ بحث ذکر کر دیا تھا، اس بار پھر ہم ذرا تفصیل سے ذکرِ موضوع کر رہے ہیں تاکہ بعد میں آنے والے دلائل کا انطباق واضح ہو اور جس شخص کو ہمارے ساتھ اختلاف ہو وہ موضوع کی حدود و قیود میں رہ کر گفتگو کرے، یہ ایک اصولی بات ہے اور اس پر کسی شخص کو پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔

قرآن کریم کے عموم اور اطلاق، احادیثِ صحیحہ کی تصریح اور فقہاءِ اسلام کے اجماع سے مساجد وغیرہا میں جہرِ متوسط کے ساتھ ذکر کرنا جائز اور مستحسن ہے اور فرض نمازوں کی جماعت کے بعد متوسط آواز سے کلمۂ طیبہ کا ذکر بالجہر کرنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کی سنت ہے۔

اجمالی ثبوت

امام بخاری اپنی صحیح میں حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں:۔

---

[1] اردو میں چھاننی نہیں چھلنی کہا جاتا ہے ۱۲ صحیح۔ [2] حکم الذکر بالجہر، ص ۳۰،۳۳۔

ان رفع الصوت بالذکر حین ینصرف الناس من المکتوبۃ کان علی عھد النبی صلی اللہ علیہ وسلم [1]

"عہدِ رسالت میں معمول تھا کہ لوگ جماعت سے فارغ ہونے کے بعد ذکر بالجہر کیا کرتے تھے"

اور فخر المتأخرین علامہ محمود آلوسی حنفی بیان کرتے ہیں :-

وصح عن ابی الزبیر انہ سمع عبد اللہ بن الزبیر یقول کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول بصوتہ الاعلیٰ لا الٰہ الا اللہ (الحدیث) [2]

"حدیث صحیح عبد اللہ بن زبیر سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سلام پھیرنے کے بعد بلند آواز سے لا الٰہ الا اللہ کا ذکر فرماتے تھے"

اور علامہ ابن عابدین شامی حنفی فرماتے ہیں :-

اجمع العلماء سلفا وخلفا علی استحباب ذکر اللہ تعالیٰ جماعۃ فی المساجد وغیرھا من غیر نکیر الا ان یشوش جھرھم بالذکر علی نائم او مصلٍ او قارئ [3]

"بغیر کسی اختلاف کے تمام اگلے اور پچھلے علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ مساجد وغیرہ میں جماعت کے ساتھ اللہ کا ذکر بالجہر کرنا مستحب ہے مگر یہ کہ وہ جہر (مفرط) کریں اور اس سے کسی کی نیند، تلاوت یا نماز میں خلل ہو"

علامہ طحطاوی حنفی مزید فرماتے ہیں :-

WWW.NAFSEISLAM.COM

---

[1] صحیح بخاری ، ج ۱ ، ص ۱۱۶۔

[2] روح المعانی ، ج ۱۶ ، ص ۱۶۳۔

[3] رد المحتار ، ج ۱ ، ص ۶۱۸۔

ع ان احادیث کی سند اور متن پر مفصل گفتگو متعلقہ ابواب میں آرہی ہے ۱۲ سعید

ویستفاد من الحدیث الاخیر جواز رفع الصوت بالذکر والتکبیر عقب المکتوبات بل من السلف قال باستحبابہ وجزم بہ ابن حزم من المتأخرین[1]

"(حضرت عبداللہ بن الزبیر کی) حدیثِ اخیر سے ثابت ہوتا ہے کہ فرض نمازوں کے بعد ذکر بالجہر جائز ہے بلکہ علمائے اسلاف نے اسے مستحب قرار دیا ہے اور متاخرین میں سے ابن حزم کا بھی یہی مختار ہے۔"

اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی حنفی فرماتے ہیں :۔

وقد ثبت شرعیۃ الجھر بالذکر علی الاطلاق و بعد الصلوٰۃ وو ردت فیہ احادیث کما سیتلی علیک[2]

"ذکر بالجہر مطلقاً جائز اور مشروع ہے اور نمازوں کے بعد بھی جہر سے ذکر کرنا جائز اور مشروع ہے جس کا عنقریب بیان آئے گا۔"

اور مولانا عبدالحی لکھنوی حنفی لکھتے ہیں :۔

ھل یأتی بھما بین المکتوبۃ والسنن ام یأتی بھما بعدھا فظاھر الاخبار المذکورۃ تعقیب المکتوبۃ بالذکر من غیر فصل[3]

"ذکر بالجہر کو فرائض اور سنن کے درمیان کرنا چاہیئے یا سنن کے بعد؟ بہرحال احادیث کا مستفاد یہی ہے کہ فرائض کے بعد بغیر فصل کے ذکر بالجہر کیا جائے۔"

نماز میں خلل کا جواب

مانعین ذکر بالجہر کہا کرتے ہیں کہ بعض علماء نے ذکر بالجہر کے جواز کو اس شرط کے ساتھ

---

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح ، ص ۱۸۶۔

[2] لمعات ، ج ۳ ، ص ۲۰۹۔

[3] سعایہ ، ج ۲ ، ص ۲۶۱۔

مشروط کیا ہے کہ جہر سے کسی کی نماز، قرارت یا نیند میں خلل واقع نہ ہو اور جماعت کے بعد جب ذکر بالجہر کیا جائے گا تو اس سے بعد میں ملنے والے نمازیوں کی نماز میں خلل واقع ہو گا۔

جماعت کے وقت نیند یا قرارت کی بحث تو لائی نہیں چاہیئے اور جو جہر نماز یا عبادت میں خلل کا موجب ہوتا ہے وہ جہرِ مفرط ہے اور نماز کے بعد متوسط آواز سے جو قلیل مقدار میں ذکر بالجہر کیا جاتا ہے وہ کسی کی نماز میں خلل کا موجب نہیں ہوتا چنانچہ مولوی عبدالحی بھی اس حقیقت کو واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

والحاصل ان الجهر وان كان جائز الكن المفرط منه منهى عنه والسر افضل من الجهر الغير المفرط ايضاً كيف والجهر المفرط يستلزم مفاسد منها ايقاظ النيام ومنها شغل قلوب المصلين وهو يفضى الى سهوهم ومنها ترك الخشوع عما ينبغي الى غير ذلك من المفاسد [1]

"حاصل کلام یہ ہے کہ ذکر بالجہر اگرچہ جائز ہے لیکن جہرِ مفرط ممنوع ہے اور ذکر بالسر غیر مفرط سے بھی افضل ہے، جہرِ مفرط کے بہت سے مفاسد ہیں جن میں سے ایک، سوتوں کو جگانا، دوسرا نمازیوں کی توجہ مشغول کرنا جس کے سبب وہ سہو میں مبتلا ہوتے ہیں، تیسرا خضوع اور خشوع کا ترک کرنا وغیرہا"

مولوی عبدالحی، ذکر بالسر کے حامی ہیں اور اسی کو افضل قرار دیتے ہیں لیکن ان کو بھی تسلیم کرنا پڑا ہے کہ جس جہر پر نیند اور نماز میں خلل کے مفاسد مترتب ہوتے ہیں وہ جہرِ مفرط ہے اور جہرِ متوسط کے جواز میں کوئی کلام نہیں ہے۔

---

[1] فتاوے عبدالحی، ج ۲، ص ۳۰۲۔

نیز اس بات پر بھی غور کرنا چاہیئے کہ جہرِ متوسط کے ساتھ ذکر کرنا عہدِ رسالت میں صحابہ کا معمول تھا اور بعد میں آکر نماز میں ملنے والے لوگ جو سلام کے بعد نماز پوری کرتے ہیں اس دور میں بھی ہوتے تھے اور آج تک امت ایامِ تشریق میں وجوباً پانچوں نمازوں کی جماعت کے بعد ذکر بالجہر کرتی چلی آرہی ہے لیکن کبھی کسی کی نماز میں خلل واقع نہیں ہوا، اس کا یہی سبب ہے کہ یہ ذکر جہرِ متوسط کے ساتھ ہوتا ہے اور اس سے کسی کی نماز یا عبادت میں خلل واقع نہیں ہوتا۔

اس گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ جو جہر خلل کا باعث ہے وہ جہرِ مفرط ہے جس کے ہم قائل نہیں ہیں اور جس کے ہم قائل ہیں (یعنی جہرِ متوسط) وہ باعثِ خلل نہیں ہے۔ احادیث صحیحہ اور فقہاءِ اسلام کی عبارات سے اس پر کوئی تصریح نہیں لائی جاسکتی کہ جہرِ متوسط سے عبادات میں خلل واقع ہوتا ہے یا وہ ممنوع ہے، احادیث اور عباراتِ فقہاء میں جس جہر کو منع کیا گیا ہے وہ صرف اور صرف جہرِ مفرط ہے یا جہرِ مخلوط بالریاء۔

نفس اسلام
WWW.NAFSEISLAM.COM

ذکر بالجہر اور قرآنِ کریم

قرآنِ کریم انسانی زندگی کے تمام شعبوں میں رہنمائی کرتا ہے اور اسلام کی تمام ہدایات کا منشا قرآنِ کریم ہی ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہر مسئلہ اور ہر جزئیہ کے متعلق قرآنِ کریم میں تفصیل اور تعیین سے صریح حکم موجود ہے، عام طور پر قرآنِ مجید میں اصولِ مطلقہ بیان کئے گئے ہیں اور احادیث میں ان کی تفصیل اور تعیین کر دی گئی ہے چنانچہ اس کے بے شمار نظائر موجود ہیں جن کی تفصیل میں جا کر ہم کلام کو طول دینا نہیں چاہتے۔

اطلاق اور عموم سے ثبوت

قرآنِ کریم میں ذکر کے بارے میں عموم اور اطلاق کے ساتھ احکام بیان کئے گئے مثلاً فرمایا فاذکروا اللہ ذکراً کثیراً الآیۃ (اللہ تعالیٰ کا بکثرت ذکر کرو) اور ذکر کے عموم اور اطلاق میں ذکر بالجہر بھی شامل ہے نیز اصولِ حنفیہ میں مقرر ہے کہ احکام میں مطلق کو اپنے عموم پر رکھا جاتا ہے اور اس اصول میں اتنی شدت ہے کہ اگر حدیثِ صحیح بھی کسی آیت کے اطلاق کے مزاحم ہو تو اس پر عمل نہیں کیا جاتا چنانچہ فاقرءوا ما تیسر من القرآن میں ہمارے فقہاء نے قرأت کے اطلاق کو حدیثِ صحیح کے وارد ہونے کے باوجود سورۂ فاتحہ کے ساتھ مقید نہیں کیا۔

حضرت مجددؒ کی عبارت سے مغالطہ آفرینی

WWW.NAFSEISLAM.COM

درسِ نظامی کا ایک عام طالب علم بھی اس اصول سے ناواقف نہیں ہے لیکن سرفراز صاحب نے اپنے گروہی تعصب اور جہر کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے عناد کے سبب اس اصول کا بھی انکار کر دیا اور حضرتِ مجددِ الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی درج ذیل عبارت سے اس اصول سے انحراف کی مذموم سعی کی ہے حضرتِ مجددِ الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:۔

"واگر روایتے پیدا شود کہ از ذکرِ جہر ساکت باشد و مطلقاً مجوز باشد ادائے نفل بجماعت آنرا حمل باید کرد بر مقید کہ در روایات دیگر واقع شدہ است

واز مطلق مقید مراد باید داشت وجواز مقصور بر اثنین یا ثلث باید نمود چہ علماء حنفیہ اگرچہ در اصول مطلق را بر اطلاق میگذارند و بر مقید حمل نمے کنند اما در روایات حمل مطلق بر مقید جائز داشتہ اند بلکہ لازم دانستہ [1]

" اگر کسی روایت فقہیہ میں عدد کا ذکر نہ ہو اور وہ نفلی نماز کی جماعت کے علی الاطلاق جواز پر دلالت کرتی ہو تو اس روایت کو مقید پر محمول کیا جائے گا اور اس سے مراد دو یا تین آدمیوں کے ساتھ جماعت کا جواز ہوگا کیونکہ علماء حنفیہ اگرچہ اصول میں مطلق کو مقید پر حمل نہیں کرتے لیکن روایات فقہیہ میں مطلق کا مقید پر حمل نہ صرف جائز بلکہ لازم قرار دیتے ہیں "

واقعہ یہ ہے کہ نوافل کی جماعت میں فقہاء کی مختلف عبارات ہیں بعض میں مطلقاً جواز کا قول ہے اور بعض عبارات میں یہ تصریح ہے کہ دو یا تین آدمیوں کے ساتھ نوافل کی جماعت جائز ہے ورنہ نہیں۔ حضرت مجدد صاحب فرماتے ہیں کہ جن روایات میں مطلقاً جواز کا قول ہے ان کو بھی اسی تعداد پر محمول کیا جائے گا کیونکہ روایات فقہیہ میں احناف کے نزدیک مطلق کو مقید پر محمول کرنا جائز ہے البتہ اصول یعنی کتاب و سنت میں مطلق کو اپنے اطلاق اور عموم پر رکھیں گے اور ہم نے جس اطلاق سے استدلال کیا ہے وہ روایات فقہیہ کا اطلاق نہیں، قرآن کریم کا اطلاق ہے چنانچہ مولوی رشید احمد گنگوہی بھی لکھتے ہیں :-

" اور دلیل یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے مطلق ذکر کا حکم فرمایا ہے اذکروا اللہ ذکرا کثیرا مطلق کی فرد میں جو ہو مامور ہے " [2]

اب سرفراز صاحب کے اس طنزیہ جملہ کی کیا حقیقت رہ جاتی ہے کہ :

" حضرت مجدد صاحب کی اس عبارت سے مؤلف مذکور کا یہ مغالطہ بھی

---

[1] مکتوبات دفتر اول حصہ پنجم، مکتوب ۲۸۸ ، ص ۸۰ -

[2] فتاویٰ رشیدیہ کامل مبوب ، ص ۲۱۴ -

WWW.NAFSEISLAM.COM

رفع ہو جاتا ہے کہ وہ مطلق کو اپنے اطلاق پر رکھ کر اپنی گاڑی چلانے پر مصر ہے۔
غالباً قارئین پر اب واضح ہو گیا ہوگا کہ مغالطہ کھانا یا مغالطہ دینا کس کا کام ہے؟

التزامی ثبوت

عموم اور اطلاق کے علاوہ ذکر بالجہر کا التزامی ثبوت بھی قرآنِ کریم سے ملتا ہے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے :-

ومن اظلم ممن منع مسٰجد اللہ ان یذکر فیہا اسمہ

"اس شخص سے زیادہ کون ظالم ہوگا جو اللہ تعالیٰ کی مساجد میں اس کے ذکر سے منع کرے"

اس کے تحت مولوی اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں :-

"ظاہر ہے کہ منع ذکر بدون اطلاعِ ذکر ممکن نہیں اور اطلاع بدون جہر غیر متصور ہے" ؎

اُدْعُوا رَبَّکُم کی تحقیق

مانعین حضرات قرآنِ کریم کی اس آیتِ مبارکہ سے ذکر بالجہر کی نفی پر استدلال کرتے ہیں :-

ادعوا ربکم تضرعا وخفیۃ انہ لا یحب المعتدین

"اپنے رب سے عاجزی اور آہستہ آہستہ دعا مانگو اور بے شک اللہ تعالیٰ حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔"

مؤلفِ حکم الذکر بالجہر نے دعوےٰ کیا ہے کہ حضرتِ عبداللہ بن مسعود اس آیت سے ذکر بالجہر کے عدمِ جواز پر استدلال کرتے تھے اور دلیل یہ دی ہے کہ چونکہ حضرتِ عبداللہ بن مسعود ذکر بالجہر کے مخالف تھے، پس ثابت ہوا کہ ان کا استدلال اسی آیت

WWW.NAFSEISLAM.COM

تھا، سبحان اللہ! ؎

بریں عقل و دانش بباید گریست

انوارِ ساطعہ کے حوالہ سے لکھتے ہیں :-

" دوسری روایت اس طرح ہے کہ وہ لوگ ذکر اللہ جہراً کرتے تھے اس لئے ان کو نکال دیا سو اس کی وجہ یہی کہ حضرتِ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ذکرِ جہر کو مخالفِ شرع سمجھتے تھے جیسا کہ کتبِ فقہ سے روایت آتی ہے و مانعین جہر قرآن کی آیت سند گزارتے ہیں ادعوا ربکم تضرعا و خفیۃ اور حدیث کتاب الجہاد بخاری ج ۱ ص ۲۴۲ کی جو ابو موسیٰ اشعری سے روایت ہے، پیش کرتے ہیں کہ وہاں بلند آواز سے لا الٰہ الا اللہ، اللہ اکبر کہتے تھے، حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اربعوا علیٰ انفسکم انکم لا تدعون اصم ولا غائبا انہ معکم انہ سمیع قریب یعنی نرمی کرو اپنی جانوں پر، نہ تم کسی غائب اور بہرے کو نہیں پکارتے وہ تمہارے ساتھ ہے، سنتا ہے، پاس ہے۔ اس سے بعض صحابہ سمجھ گئے کہ ذکرِ جہر منع ہے، اسی بنا پر حضرتِ عبد اللہ بن مسعود نے ان لوگوں کو منع فرمایا۔" [1]

انوارِ ساطعہ کی اس عبارت کو نقل کر کے لکھتے ہیں :-

" اس سے معلوم ہوا کہ حضرتِ ابنِ مسعود نے اس آیت اور اس حدیث شریف سے ذکر بالجہر کو قرآن و حدیث کے خلاف سمجھ کر اس سے منع فرمایا ہے۔" [2]

اس کے بعد حضرتِ عبد اللہ بن مسعود کی علمِ تفسیر میں دسترس اور مہارت پر طویل

---

[1] انوارِ ساطعہ ، ص ۳۸ -

[2] حکم الذکر بالجہر ، ص ۱۹ -

عبارت لکھی ہے اور یہ ظاہر کیا ہے کہ جب اتنے عظیم مفسر صحابی نے اس آیت سے ذکر بالجہر کو ناجائز قرار دیا ہے تو اس کے عدم جواز میں کیا شک رہ جاتا ہے ؟

یہ سب اپنی جگہ تسلیم ہے لیکن کسی صحیح حدیث سے یہ ثابت بھی تو ہو کہ حضرتِ عبداللہ بن مسعود اس آیت سے ذکر بالجہر کے ممنوع ہونے پر استدلال کرتے تھے محض ایک مفروضہ پر اتنی بڑی عمارت قائم کر لینا خود فریبی سے زیادہ کچھ حیثیت نہیں رکھتا۔

باقی رہا یہ امر کہ حضرتِ عبداللہ بن مسعود نے ذکر بالجہر کرنے والوں کو مسجد سے نکال دیا تھا تو اس کی پوری تحقیق ان شاء اللہ اسی کتاب میں اپنی جگہ پر آجائے گی۔ اسیطرح امامِ اعظم کے بارے میں بعض کتبِ فقہ سے یہ نقل کرنا کہ انہوں نے ان جگہوں (جہاں بالخصوص شارع علیہ السلام سے ذکر بالجہر ثابت ہے) ذکر بالجہر کو مکروہ قرار دیا ہے اس کی مفصل بحث بھی ایک مستقل عنوان کے تحت آرہی ہے۔

اب ہم آپ کے سامنے "الحاوی للفتاوی" سے علامہ سیوطی کی عبارت پیش کرتے ہیں جو انہوں نے اس آیت کے جواب میں سپردِ قلم فرمائی ہے، فرماتے ہیں :۔

قلت الجواب عنہ من وجہین احدھما ان الراجح فی تفسیرہ انہ تجاوز المامور بہ او اختراع دعوۃ لا اصل لھا فی الشرع ویؤیدہ ما اخرجہ ابن ماجۃ والحاکم فی مستدرکہ وصححہ عن ابی نعامۃ رضی اللہ عنہ ان عبد اللہ بن مغفل سمع ابنہ یقول اللھم انی اسئلک القصر الابیض عن یمین الجنۃ فقال انی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول سیکون فی ھذہ الامۃ قوم یعتدون فی الدعاء فھذا تفسیر صحابی وھو اعلم بالمراد الثانی علی تقدیر التسلیم فالآیۃ فی الدعاء لا فی الذکر والدعاء بخصوصہ الاصل فیہ الاسرار لانہ اقرب الی الاجابۃ

WWW.NAFSEISLAM.COM

ولنا قوله تعالى اذ نادى ربه نداء خفيا ومن ثم استحب الاسرار بالاستعاذة فى الصلوٰة اتفاقا لانها دعاء [1]

" اس آیت کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ اس آیت کی راجح تفسیر یہ ہے کہ اس آیت میں اعتداء سے مراد ایسی دعا مانگنا ہے جس کی شریعت میں کوئی اصل نہ ہو چنانچہ ابن ماجہ اور حاکم نے سندِ صحیح سے روایت کیا ہے عبداللہ بن مغفل نے اپنے بیٹے کو دعا کرتے سنا کہ اے اللہ مجھے جنت کی دائیں طرف سفید محل عطا فرما، یہ سنکر عبداللہ بن مغفل نے کہا کہ میں نے حضور سے سنا ہے کہ عنقریب اس امت میں ایسے لوگ ہوں گے جو دعا میں تجاوز کریں گے اور یہ چونکہ صحابیٔ رسول کی تفسیر ہے اس لئے راجح ہے دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ آیت دعا کے بارے میں وارد ہے نہ کہ ذکر کے بارے میں اور بے شک دعا میں اصل یہی ہے کہ آہستہ مانگی جائے کیونکہ وہ قبولیت کے زیادہ قریب ہے اسی لئے اللہ تعالےٰ نے فرمایا اذ نادی ربہ ندا ء خفیا اور نماز میں اعوذ باللہ کو بھی اسی سبب سے بالاتفاق آہستہ پڑھا جاتا ہے "

علامہ سیوطی نے دو اصولی باتیں بیان فرمائی ہیں، اول یہ کہ قرآن کریم کی معتبر تفسیر وہ ہے جو صحابیٔ رسول سے منقول ہے اور حضرت عبداللہ بن مغفل نے اس آیت میں اعتداء سے دعا میں تجاوز کو سمجھا ہے اور دوسری یہ کہ یہ آیت دعا کے بارے میں وارد ہے اس کا ذکر سے کوئی تعلق نہیں چنانچہ مولوی اشرف علی تھانوی نے بھی اس آیت کا ترجمہ دعا ہی سے کیا ہے اور مولانا عبدالحی نے بھی سباحۃ الفکر (ص ۶۰) میں یہی دو جواب پیش کئے ہیں۔

---

[1] الحاوی للفتاوے، ج ۱، ص ۳۹۴۔

وَاذْکُرْ رَبَّکَ فِیْ نَفْسِکَ کی تحقیق

واذکر ربک فی نفسک تضرعا وخفیۃ ودون الجھر من القول۔

"اور ذکر کر اپنے رب کا عاجزی سے اور ڈرتے ہوئے نہ کہ جہر سے۔"

رسالہ ذکر بالجہر حصہ اول میں اس آیت پر مفصل بحث کی گئی ہے اور اس کے متعدد جوابات دیئے گئے جن کے ذمہ سے سرفراز صاحب عہدہ برآ نہ ہو سکے۔ ان جوابات کا خلاصہ یہ ہے کہ مفسرین کرام نے اس آیت میں ذکر سے وعظ و نصیحت، قرات قرآن، تسبیح و تہلیل اور نماز وغیرہ کو بالعموم مراد لیا ہے چنانچہ یہ آیت متنازعہ فیہا ذکر کے ساتھ خاص نہیں ہے اور جس طرح باقی امور معتدل جہر کے ساتھ جائز ہیں، اسی طرح ذکر بالجہر بھی جائز ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ بعض مفسرین نے اس آیت کو نماز کے ساتھ خاص کر دیا ہے اس لئے اس کا زیر بحث ذکر سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

اب اس آیت کی مزید تحقیق کے لئے چند اور جواب پیش خدمت ہیں۔

اول۔ حافظ ابن کثیر اور علامہ سیوطی فرماتے ہیں کہ یہ آیت مکی ہے اور اس وقت نازل ہوئی جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں بلند آواز سے قرآن کریم کی تلاوت کرتے تھے اور مشرکین مکہ قرآن کی آواز سنکر قرآن اور صاحب قرآن کو سب وشتم کیا کرتے تھے اس سبب سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوا کہ آپ نماز میں آہستہ آواز سے قرات کیا کریں تاکہ مشرکین قرآن اور صاحب قرآن کی شان میں بدگوئی نہ کرسکیں، اس کا مفاد یہ ہے کہ اخفاء کا حکم مشرکین کی بدگوئی کی علت پر مبنی تھا اور جب وہ علت نہ رہی تو حکم بھی نہ رہا، اس لئے اس آیت سے ذکر بالجہر کے خلاف استدلال ساقط ہو گیا اسی مفہوم کو بیان کرتے ہوئے علامہ سیوطی لکھتے ہیں:۔

انھا مکیۃ کآیۃ الاسراء ولا تجھر بصلاتک ولا تخافت بھا وقد نزلت حین کان النبی صلی اللہ

علیہ وسلم تجھر بالقرآن فیسمعہ المشرکون فیسبون القرآن ومن انزلہ فامر بترک الجھر سدّ للذریعۃ کما نھی عن سب الاصنام لذلک فی قولہ تعالیٰ ولا تسبوا الذین یدعون من دون اللہ فیسبوا اللہ عدوا بغیر علم وقد زال ھذا المعنی واشار الیٰ ذلک ابن کثیر فی تفسیرہ [1]

"یہ آیت آیتِ اسراء کی طرح مکی ہے اور اس وقت نازل ہوئی جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں جہراً قرارت کیا کرتے تھے اور مشرکین قرآن کی آواز سنکر قرآن اور صاحبِ قرآن پر سب و شتم کرتے تھے، اس سبب سے آپ کو جہر ترک کرنے کا حکم ہوا جس طرح قرآنِ کریم نے بتوں کو بھی سب و شتم کرنے سے اس لیئے روک دیا تاکہ وہ اللہ تعالےٰ کو گالیاں نہ دیں اور اب چونکہ یہ سبب نہیں رہا اس لئے ذکر بالجہر جائز ہے، اسی بات کی طرف ابنِ کثیر نے بھی اپنی تفسیر میں اشارہ کیا ہے۔"

ثانی، اگر کوئی شخص یہ کہے کہ زوالِ علت کے بعد اخفاء کا حکم ہے جیسا کہ اب بھی دن کے اوقات میں آہستہ قرارت کی جاتی ہے اس لئے ذکر بھی آہستہ ہی ہو، اس کا جواب یہ ہے کہ بعض مفسرین نے اس آیت کو نماز کے ساتھ خاص رکھا ہے اس لئے مطلقاً اخفاء کو بھی اختیار کیا جائے تو ہمیں مضر نہیں ہے چنانچہ حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں :-

ثم ان المراد بذلک فی الصلوٰۃ کما تقدم او فی الصلوٰۃ والخطبۃ ومعلوم ان الانصات اذاک افضل من الذکر باللسان سواء کان سرا

---

[1] الحاوی للفتاوی، ج ۱، ص ۳۹۳ (مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ لائلپور)

او جهراً [1]

" پھر اس آیت میں سے مراد نماز یا خطبہ میں ذکر ہے جیسا کہ پہلے با دلائل گزر چکا ہے اور ظاہر ہے کہ ایسے موقع پر زبان سے ذکر کی بجائے خاموشی بہتر ہے خواہ ذکر سرًّا ہو یا جہرًا "

ثالث - اور اگر اس ذکر کو نماز اور غیر نماز کے عام احوال پر محمول کیا جائے تو اس آیت میں جہر کی نفی جہرِ مفرط پر محمول ہے چنانچہ حافظ ابن کثیر دون الجهر من القول کی تفسیر میں لکھتے ہیں :-

وهكذا يستحب ان يكون الذكر لا يكون نوائ ى جهرا بليغا [2]

" مستحب یہ ہے کہ ذکر چیخ و پکار اور جہرِ مفرط کے طریقہ پر نہ ہو "

اور عمدۃ المفسرین علامہ آلوسی واذكر ربك فی نفسك کی تفسیر میں لکھتے ہیں :-

والمراد اذكره متضرعا مقتصدا [3]

" مراد یہ ہے کہ آپ اللہ تعالےٰ کا ذکر عاجزی اور متوسط آواز سے کیجئے "

اور دون الجهر کے تحت فرماتے ہیں :-

والمراد بالجهر رفع الصوت المفرط وبما دونه نوع اخر من الجهر [4]

" جہر سے مراد آواز کو بہت زیادہ بلند کرنا ہے (یعنی جہرِ مفرط) اور دون الجہر سے جہر کی دوسری قسم (یعنی جہرِ متوسط) مراد ہے "

---

[1] تفسیر ابن کثیر ، ج۲ ، ص ۲۴۲ ، ۲۸۱ -

[2] ایضاً ، ج۲ ، ص ۲۸۱ -

[3] روح المعانی ، ج۹ ، ص ۱۵۴ -

[4] ایضاً ، ج۹ ، ص ۱۵۴ -

WWW.NAFSEISLAM.COM

اور مولوی رشید احمد گنگوہی لکھتے ہیں :-

" دون الجھر بھی جہر ہی ہے کہ ادنیٰ درجہ ہے"[۱] عـہ

اور مولوی اشرف علی تھانوی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں :-

" حاصل ادب کا یہ ہے کہ دل اور ہیئت میں تذلل اور خوف ہو اور آواز کے اعتبار سے جہر مفرط نہ ہو یا تو بالکل آہستہ ہو یعنی مع حرکت لسانی کے اور یا جہر معتدل ہو اور جہر فی نفسہ ممنوع نہیں ہے جن حدیثوں میں اس کی ممانعت آئی ہے، مراد اس سے مفرط ہے"

نیز اسی صفحہ پر مسائل السلوک کے تحت لکھتے ہیں :-

" واذکر ربک فی نفسک تضرعا وخفیۃ ودون الجھر من القول، اول ذکر خفی ہے اور جہر معتدل ہے" [۲]

اور مولوی شبیر احمد عثمانی اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں :-

" اس لئے زیادہ چلانے کی ممانعت آئی ہے، دھیمی آواز سے سرًا یا جہرًا خدا کا ذکر کرے تو خدا اس کا ذکر کرے گا "

حافظ ابن کثیر سے لے کر مولوی عثمانی تک تمام مستند اور فریق مخالف کے مسلم اکابر کی عبارات سے ثابت ہو گیا کہ اس آیت میں جہر کی نفی سے جہر مفرط مراد ہے اور جہر متوسط بہر حال جائز ہے۔

رابع - اس آیت کی تفسیر میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ جس وقت کوئی شخص قرآن کریم کی تلاوت کر رہا ہو اس وقت بلند آواز سے ذکر نہیں کرنا چاہئے کیونکہ اس طرح اس کی تلاوت میں حرج واقع ہو گا اور یہ بالکل اتفاقی چیز ہے چنانچہ علامہ جلال الدین سیوطی

---

[۱] فتاوی رشیدیہ کامل ، ص ۲۱۳ -

[۲] بیان القرآن ، ج ۱ ، ص ۳۶۴ :

عـہ ادنیٰ درجہ سے گنگوہی صاحب کی کیا مراد ہے ؟ اس کی تفصیل آگے آرہی ہے ۱۲

تحریر فرماتے ہیں :-

ان جماعۃ من المفسرین منھم عبد الرحمٰن بن زید بن اسلم شیخ مالک و ابن جریر حملوا الآیۃ علی الذکر حال قراءۃ القرآن و انہ امرلہ بالذکر علی ھذہ الصفۃ تعظیما للقرآن ان ترفع عندہ الاصوات ویقویہ اتصالھما بقولہ و اذا قرئ القرآن فاستمعوالہ وانصتوا[1]

"مفسرین کی ایک جماعت جس میں امام مالک کے استاذ عبد الرحمٰن بن زید اور ابن جریر شامل ہیں اس طرف گئی ہے کہ واذکر ربک کا حکم قراءت قرآن کے حال پر محمول ہے تاکہ قرآن کی تعظیم اور تلاوت کے وقت کسی کی آواز بلند ہو۔"

اور جب یہ آیت تلاوتِ قرآن کے ساتھ خاص ہو گی تو اس کا موضوع بحث ذکر کے ساتھ کوئی تعلق نہ رہا۔

خامس - بعض صوفیاء کرام کی تحقیق یہ ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ کو آہستہ آہستہ یاد کرنے کا حکم حضور کے ساتھ خاص ہے اور امت کے باقی افراد جن کا ذہن منتشر اور دل مختلف خیالات کی آماجگاہ بنا رہا ہے انہیں ذکرِ جہر کے ساتھ ہی کرنا چاہیے چنانچہ علامہ سیوطی تحریر فرماتے ہیں :-

ماذکرہ الصوفیۃ ان الامر فی الآیۃ خاص بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم الکامل المکمل و اما غیرہ ممن ھو محل الوساوس و الخواطر الردئیۃ فامور بالجھر لانہ اشد تاثیرا فی دفعھما[2]

---

[1] الحاوی للفتاوی ، ج ۱ ، ص ۳۹۳ -

[2] ایضاً ، ایضاً -

WWW.NAFSEISLAM.COM

"صوفیاء کرام نے کہا کہ اس آیت میں اخفاء کا حکم حضورؐ کے ساتھ خاص ہے کیونکہ آپ کامل اور مکمل ہیں اور آپ کے علاوہ دوسرے لوگ جن کا ذہن منتشر رہتا ہے ان کو جہر کے ساتھ ذکر کرنے کا حکم ہے کیونکہ پریشان خیالی کے لئے جہر میں شدید تاثیر ہے۔"

جن جوابات کا ہم ذکر کرچکے ہیں مولانا عبدالحی نے بھی ان جوابات کا ذکر کیا ہے "تائید و تقویت کے لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کے جوابات کو بھی ذکر کردیا جائے" مولانا لکھتے ہیں :-

احدها ما ذهب اليه السادة الصوفية بدليل لاح لهم وان لم يظهر لنا من ان هذا الخطاب خاص بالنبي صلى الله عليه وسلم فلا يدخل فيه غيره وثانيها ان هذا الامر ليس للافتراض والوجوب حتى يحرم هذه او يكره بل هو امر ارشادی يرشدك اليه قوله تعالى تضرعا وخفية وثالثها ان هذه الاية محمولة على سامع القران كما يدل عليه اتصاله بقوله تعالى واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا لعلكم ترحمون فالمعنى اذكر ربك ايها المنصت فى نفسك تضرعا وخفية وكذا اخرجه ابن جرير ابو الشيخ عن ابن زيد ---- فلا دلالة فى الاية على منع الجهر ورابعها ان هذه الاية تدل على اثبات الجهر الغير المفرط لا على منعه بناء على ما فسره الامام الرازى فى تفسيره من ان قوله اذكر ربك فى نفسك معناه اذكر خفية و سرا ومعنى قوله و دون الجهر المفرط والمراد منه ان يقع

الذکر بحیث یکون بین المخافت و الجهر کما قال اللہ تعالیٰ ولا تجهر بصلاتك و لا تخافت بها وابتغ بین ذلك سبیلا وعلی هذا تدل الآیة علی جواز السر والجهر کلیهما و افضلیت السر للتضرع و الخیفت ؎

"جوابِ اول، صوفیائے کرام نے فرمایا ہے کہ یہ خطاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہے اور اس کی دلیل انہیں کو معلوم ہے۔ جوابِ ثانی، یہ امر فرضیت یا وجوب کے لئے نہیں ہے حتیٰ کہ اس کی ضد مکروہ یا حرام ہو بلکہ یہ امرِ ارشادی ہے جیسا کہ للتضرع سے سمجھ میں آتا ہے۔ جوابِ سوم، یہ آیت قرآن سننے والے کے لئے ہے جیسا کہ اس کے ساتھ ہی حکم ہے اذا قرئ القرآن فاستمعوا لہ، مطلب یہ ہے کہ قرآن سنتے وقت دل میں اللہ کو یاد کرو بحوالہ ابن جریر، اس آیت کی جہر سے ممانعت پر دلالت نہ ہوئی۔ جوابِ چہارم، یہ آیت جہرِ متوسط کے جواز پر دلالت کرتی ہے نہ کہ اس کے منع پر چنانچہ امام رازی نے و اذکر ربك فی نفسك کی تفسیر میں فرمایا، اللہ تعالےٰ کو آہستہ آہستہ یاد کرو اور و دون الجهر کی تفسیر میں فرمایا جہرِ مفرط کے ساتھ یاد نہ کرو اور مطلب یہ ہے کہ سر اور جہرِ مفرط کے درمیان یعنی جہرِ معتدل سے اللہ تعالےٰ کو یاد کرو جیسا کہ فرمایا ولا تجهر بصلوتك و لا تخافت بها لہٰذا یہ آیت سر اور جہر دونوں کے جواز پر دلالت کرتی ہے اور خوف اور عاجزی کی بنا پر سر افضل ہے (اور دوسری وجوہ کثیرہ سے جہر افضل ہے، سعیدی)۔

سرفراز صاحب اور دیگر مانعین حضرات کی جو دو معرکۃ الآراء دلیلیں ہیں وہ قرآنِ کریم کی یہ دو آیتیں ہیں جن سے وہ متوسط جہر کے خلاف استدلال کشید کرتے ہیں،

؎ سباحۃ الفکر، ص ۵۴۔

ہم نے قارئینِ کرام کے سامنے معتبر اور مستند علماء اور مفسرین میں سے ابنِ جریر سے لے کر فریقِ مخالف کے مسلّم مفسر جنابِ تھانوی اور عثمانی صاحب تک کے حوالوں سے ثابت کر دیا ہے کہ ان میں سے کوئی بھی ان آیات کو جہرِ متوسط کے خلاف نہیں سمجھتا، ہمارا کام اتنا ہی تھا، اللہ تعالےٰ قبولِ حق کی توفیق ارزانی فرمائے وما ذٰلک علی اللہ بعزیز۔

Nafse Islam
نفس اسلام
WWW.NAFSEISLAM.COM

ذکر بالجہر اور احادیث

کسی مسئلہ کی تحقیق اور تنقیح کے لئے قرآنِ کریم کے بعد احادیثِ رسول پر اعتماد کیا جاتا ہے، رسالہ ذکر بالجہر (حصہ اول) میں اس موضوع پر پہلے قرآنِ کریم سے اور اس کے بعد احادیث سے دلائل پیش کئے گئے تھے، مولوی سرفراز صاحب نے اپنے رسالہ حکم الذکر بالجہر میں قرآنِ کریم کی آیات سے استدلال پر جو اعتراضات کئے تھے ان کے جوابات ہم پیش کر چکے ہیں، اب ہم ان احادیث کی تحقیق شروع کرتے ہیں جن کو ہم نے رسالہ ذکر بالجہر (حصہ اول) میں ذکر کیا تھا اور اس ضمن میں سرفراز صاحب کے اعتراضات کے جوابات بیان کریں گے فنقول وباللہ التوفیق:۔

حدیثِ ابنِ عباس

امامِ بخاری اپنی صحیح میں حضرت ابنِ عباس سے روایت کرتے ہیں:۔

ان رفع الصوت بالذکر حین ینصرف الناس من المکتوبۃ کان علی عہد النبی صلی اللہ علیہ وسلم وقال ابن عباس کنت اعلم اذا انصرفوا بذلک اذا سمعتہ [1]

"عہدِ رسالت میں معمول تھا کہ لوگ فرض نماز سے فارغ ہونے کے بعد بلند آواز سے ذکر کیا کرتے تھے اور ابنِ عباس فرماتے ہیں کہ میں ان کے ذکر بالجہر کو سن کر جان لیتا تھا کہ جماعت ہو چکی ہے۔"

---

[1] صحیح بخاری، ج ۱، ص ۱۱۶۔

یہ حدیث اپنے مفہوم اور دلالت کے اعتبار سے جماعت کے بعد ذکر بالجہر کے جواز پر بلکہ اس کے مسنون اور مستحب ہونے پر بالکل واضح دلیل ہے اور ایسی صحیح، صریح اور منصوص حدیث کے ہوتے ہوئے ہمیں یہ دیکھنے کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں کہ کوئی شخص اس کے خلاف کیا کہتا ہے۔

یاد رکھئے جب کوئی مسئلہ حدیث سے ثابت ہو اور اس کے معارض اور مخالف، کتاب وسنت میں کوئی قطعی دلیل نہ ہو تو ایسی صورت میں اس حدیث پر عمل کرنا ہی صحیح دین ہے اور کوئی شخص اپنی جگہ پر کتنا ہی بڑا بزرگ اور عالم دین کیوں نہ ہو لیکن جب وہ حدیثِ صریح کے خلاف کوئی بات محض اپنی رائے سے بلا دلیل کہتا ہو تو صحیح اور صریح حدیث کے مقابلہ میں اس کی ذاتی رائے کو چھوڑ دینا ہی ہدایت اور راہِ استقامت ہے، بعد کا کوئی شخص علم وفضل میں کتنا ہی فائق کیوں نہ ہو صحابہ سے نہیں بڑھ سکتا اور جب اصول یہ ہے کہ قولِ صحابی بھی اگر حدیثِ رسول کے معارض ہو تو حدیث کے مقابلہ میں اس قول کو چھوڑ دیا جاتا ہے تو سوچئے جن کی حدیث کے خلاف صحابہ کی بات بھی نہ سنی جاتی ہو تو ان کے خلاف بعد کے کسی بزرگ یا ما وشما کا کیا اعتبار ہو سکتا ہے۔

حدیثِ ابنِ عباس کے منسوخ ہونے کا جواب

حضرت ابنِ عباس واضح اور واشگاف الفاظ میں فرما رہے ہیں کہ فرائض کی جماعت کے بعد ذکر بالجہر کرنا عہدِ رسالت کا معمول تھا لیکن مؤلفِ حکم الذکر بالجہر مولوی سرفراز صاحب اسے نہیں مانتے، کہتے ہیں کہ یہ حدیث منسوخ ہو چکی ہے، نسخ کے دعویٰ پر انہوں نے نہ تو قرآنِ کریم سے کوئی صاف اور صریح نص پیش کی ہے جس کا مفاد یہ ہو کہ اللہ تعالےٰ نے فرائض کی جماعت کے بعد ذکر بالجہر سے روک دیا ہے، نہ ہی ایسی کوئی حدیث لا سکے ہیں جس میں یہ بتایا گیا ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جماعت کے بعد ذکر بالجہر کرنے سے منع کر دیا ہو یا کم از کم کسی صحابی سے ہی یہ روایت ہو کہ بعد میں یہ عمل متروک ہو گیا تھا۔

آیئے اب دیکھیں کہ فرائض کی جماعت کے بعد ذکر بالجہر کا جو یہ معمول تھا اس کا نسخ ثابت کرنے کے لئے سرفراز صاحب نے کونسی دلیل پیش کی ہے، امام شافعی سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

وما روی ابن عباس من تکبیر کما رویناہ قال الشافعی واحسبہ انما جھر قلیلا لیتعلم الناس منہ الخ ؎۱

" اور حضرت ابن عباس کی یہ روایت کہ آپ تکبیر پڑھا کرتے تھے تو ہمارے خیال میں اس سے مراد یہ ہے کہ آپ نے تھوڑا عرصہ جہر کیا تاکہ لوگ آپ سے جہر سیکھ لیں (پھر جہر ترک کر دیا)۔

حضرت امام شافعی کی یہ عبارت بالکل صاف اور واضح ہے کہ حضرت ابن عباس کی یہ روایت منسوخ ہے اور اب جہر کا حکم باقی نہیں رہا" ؎۲

سرفراز صاحب نے اس حدیث کو منسوخ قرار دینے کے لئے جو وزنی سے وزنی دلیل پیش کی ہے وہ امام شافعی کی رائے ہے جس کو خود امام شافعی اپنے خیال سے تعبیر کرتے ہیں، اب یہ فیصلہ خود قارئین کرام کر لیں کہ کیا امام شافعی کے "خیال" میں اتنی قوت ہے کہ وہ صحیح اور صریح حدیث کے مزاحم ہو سکے؟ چہ جائیکہ اسے منسوخ کر دے۔

سرفراز صاحب نے اپنے رسالہ "حکم الذکر بالجہر" کے صفحہ ۲۳۱ سے ۲۳۶ تک علماء شافعیہ میں سے نووی، کرمانی اور عسقلانی کی وہ طویل عبارات نقل کی ہیں جن میں امام شافعی کے اسی خیال کا ذکر کیا گیا ہے کہ یہ حدیث منسوخ ہے لیکن ان تمام حوالوں کے پیش کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے کیونکہ ان تمام حوالوں کی بنیاد صرف ایک ہے

؎۱ کتاب الام ، ج ۱ ، ص ۱۱۰ (طبع بولاق مصر)

؎۲ حکم الذکر بالجہر ، ص ۲۳ ، ۲۴ ۔

WWW.NAFSEISLAM.COM

اور وہ ہے امام شافعی کی رائے!

امام شافعی کی شخصیت، ان کی علمی وسعت اور زہد و تقویٰ لے اپنی جگہ پر یہ تمام امور مسلم ہیں لیکن جب وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث صحیح کے مخالف کوئی بات محض اپنی رائے سے پیش کریں گے تو اس کی شنوائی نہیں ہوگی، علم اصول میں ناسخ اور منسوخ کے قواعد و ضوابط مقرر اور منضبط ہیں اور جب ان قواعد کے خلاف امام شافعی محض اپنے "خیال" سے کسی حدیث کے منسوخ ہونے کا دعوےٰ کریں گے تو ہم ان کی مسلم بزرگی کے باوجود ان سے معذرت کریں گے اور جب امام شافعی خود فرماتے ہیں کہ اگر میرا کوئی قول حدیث کے خلاف ہو تو اس کو دیوار پر پھینک دو تو محض ان کے خیال کی بنا پر عہد رسالت کے ایک معمول کو کس طرح منسوخ قرار دیا جا سکتا ہے؟

حدیث ابن عباس کے بارے میں ابن بطال کی تاویل کا جواب

غالباً سرفراز صاحب کو بھی یہ بات کھٹکتی تھی کہ محض امام شافعی کی رائے سے حدیث کو منسوخ قرار دینے والی بات علم اور تحقیق کے میدان میں نہیں چل سکے گی چنانچہ اس صحیح اور صریح حدیث سے جان چھڑانے کے لئے بار دگر یوں لکھتے ہیں:۔

" اور دوسرا جواب وہ ہے جو الشیخ الامام ابوالحسن ابن بطال نے بخاری کی شرح میں حضرت ابن عباس کی اس حدیث پر بحث کرتے ہوئے ذکر کیا ہے، سو فرمایا کہ احتمال ہے کہ اس سے مجاہدین کی تکبیر مراد ہو جو اس وقت تک بدستور چلی آ رہی ہے اور اس پر عمل ہے، وہ یہ کہ مجاہدین جب پانچ نمازیں پڑھ چکیں تو ان کے لئے بلند آواز سے تکبیر کہنا مستحب ہے تاکہ وہ اپنے دشمنوں کو مرعوب کر سکیں، فرمایا کہ اگر اس پر اس حدیث کو محمول نہ کیا جائے تو بالاجماع یہ حدیث منسوخ ہوگی کیونکہ علماء میں سے کوئی معلوم نہیں جو اس کا قائل ہو اور اجماع کے مقابلہ میں کوئی دلیل پیش نہیں کی جا سکتی۔

قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ بہرحال ذکر کرنے کے لئے آواز بلند کرنا اگر جماعتی شکل میں ہو تو پسندیدہ ہے تاکہ وہ اس طریقہ سے دشمنوں کو

مرعوب کرسکیں اور اگر انفرادی صورت میں ہو تو وہ مستحسن نہیں ہے۔" [1]

ابنِ بطال نے اس عبارت میں دو باتیں بیان کی ہیں، ایک یہ کہ جماعت کے بعد ذکر بالجہر زمانۂ جہاد پہ محمول ہے، دوسری یہ کہ یہ حدیث بالاجماع منسوخ ہوئی اور یہ دونوں باتیں مردود ہیں۔

پہلی بات اس لئے قابلِ التفات نہیں ہے کہ اس حدیث میں ایسا کوئی لفظ نہیں ہے جو اس بات پر دلالت کرتا ہو کہ یہ زمانۂ جہاد کا واقعہ ہے یا مجاہدین کا معمول تھا اور نہ ہی ایسی کوئی صحیح اور صریح حدیث وارد ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جماعت کے بعد بالعموم ذکر بالجہر سے منع فرمایا ہو حتیٰ کہ تطبیق دینے کے لئے یہ کہا جائے کہ یہ زمانۂ جہاد کا واقعہ ہے یا مجاہدین کا معمول تھا، اس کے برخلاف الفاظِ حدیث سے عموم اور شمول ثابت ہے اور حضرتِ ابن عباس دانشگاف الفاظ میں فرماتے ہیں کہ جماعت کے بعد ذکر بالجہر کرنا عہدِ رسالت کا معمول تھا۔

ابنِ بطال کی دوسری توجیہ یہ ہے کہ وہ علماء میں سے کسی ایسے شخص کو نہیں جانتے جس نے جماعت کے بعد ذکر بالجہر کے استحباب کا قول کیا ہو، ان کی یہ بات بھی ناقابلِ التفات ہے کیونکہ بعض اسلاف اور متقدمین نے بھی جماعت کے بعد ذکر بالجہر کے جواز اور استحسان کا قول کیا ہے چنانچہ امام بدرالدین عینی حنفی لکھتے ہیں :-

استدل بہ بعض السلف علی استحباب رفع الصوت بالتکبیر والذکر عقیب المکتوبۃ [2]

"اس حدیث (حدیث ابنِ عباس مذکور) سے بعض اسلاف اور متقدمین

---

[1] حکم الذکر بالجہر ، ص ۲۳۸ ، ۲۳۹ ۔

[2] عمدۃ القاری ، ج ۶ ، ص ۱۲۶ ۔

WWW.NAFSEISLAM.COM

نے جماعت کے بعد ذکر بالجہر کے استحباب کا قول کیا ہے "۔

اس لئے اگر ابن بطال کو یہ پتہ نہیں چل سکا کہ اسلاف اور متقدمین میں سے بعض علماء نے جماعت کے بعد ذکر بالجہر کو مستحب قرار دیا ہے تو یہ ان کے علم کی کمی اور مطالعہ کا قصور ہے اور ان کے نہ جاننے سے امرِ واقعہ نہیں بدل سکتا، باقی انہوں نے جو یہ لکھا ہے کہ یہ حدیث بالاجماع منسوخ ہو گئی اور سرفراز صاحب نے بھی اس پر خوش ہو کر اور جوش میں آکر لکھ دیا کہ :۔

" اس عبارت میں اس کی تصریح ہے کہ بلند آواز سے تکبیر کہنے کا معاملہ پہلے تھا اور اس کے بعد تمام مشہور و معروف مذاہب کے علماء کا اس کے منسوخ ہونے پر اجماع ہو گیا اور اجماع ایک ایسی وزنی دلیل ہے جس کے مقابلہ میں کوئی دلیل کارگر نہیں ہے "[1]

سرفراز صاحب نے یہ جو کچھ بھی لکھا ہے خلافِ واقع ہے کیونکہ اس حدیث کو منسوخ ثابت کرنے کے لئے منکرین کے ہاتھوں میں امام شافعی کی رائے کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔

اگر سرفراز صاحب کے قول میں کوئی صداقت ہے تو تمام مشہور اور معروف مذاہب کے علماء کی ایسی صریح عبارات پیش کریں جن میں اس حدیث کے منسوخ ہونے کی یا دلائل تصریح ہو محض ابن بطال کے اجماع کہہ دینے سے تو اجماع ثابت نہیں ہوگا جب کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ اسلاف اور متقدمین میں سے بعض حضرات جماعت کے بعد استحباب ذکر بالجہر کے قائل تھے پھر نسخ پر اجماع کیسے ہوا ؟ اصولی طور پر ہم سرفراز صاحب کی اس بات سے متفق ہیں کہ " اجماع ایک ایسی وزنی دلیل ہے جس کے مقابلہ میں کوئی دلیل کارگر نہیں ہے " لیکن اجماع کس چیز پر ہے ؟ ذکر بالجہر کرنے کے استحباب پر یا اس کے ترک پر ؟ آیئے دیکھیں علماء کیا لکھتے ہیں !

---

[1] حکم الذکر بالجہر ، ص ۲۳۹ ۔

ذکر بالجہر پر علماء سلف وخلف کا اجماع

امام شعرانی اور حموی سے نقل کر کے علامہ طحطاوی نے حاشیہ مراقی الفلاح ص ۹ میں ذکر فرمایا اور علامہ ابن عابدین شامی نے رد المحتار ج ا ص ۶۱۸ میں تحریر فرمایا اور سب کو چھوڑیئے، علمائے دیوبند کے مسلّم اکابرین میں سے مولوی اشرف علی تھانوی نے فتاوٰئے امدادیہ ج ۴ ص ۴۵ میں اور جناب شبیر احمد عثمانی نے فتح الملہم ج ۲ ص ۱۷۲ میں لکھا ہے کہ :-

اجمع العلماء سلفا وخلفا علی استحباب ذکر الجماعۃ فی المساجد وغیرھا الا ان یشوش جھرھم علی نائم او مصل او قاریٔ۔

"تمام متقدمین اور متاخرین علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ جماعت کے ساتھ ذکر بالجہر مساجد وغیرہ میں مستحب ہے اِلّا یہ کہ ان کے جہر سے کسی کی نیند، قرأت یا نماز میں خلل ہو۔"

نوٹ :- خلل کا موجب جہر مفرط ہوتا ہے، جہرِ متوسط سے خلل نہیں ہوتا جیسا کہ مولانا عبدالحی کے حوالے سے گزر چکا ہے۔

جناب تھانوی اور عثمانی صاحب کے حوالوں سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ جماعت کے بعد متوسط آواز کے ساتھ ذکر بالجہر کرنا نہ صرف یہ کہ جائز ہے بلکہ اس کے استحباب پر تمام متقدمین ومتاخرین علماء کا اجماع ہے اور اجماع واقعی ایک ایسی دلیل ہے جس کے مقابلہ میں کوئی دلیل کارگر نہیں ہے چنانچہ اصولی طور پر جماعت کے بعد ذکر بالجہر کا استحباب ثابت ہو گیا۔

اس طویل بحث سے یہ بات واضح ہو گئی کہ حضرت ابن عباس کی روایت سے یہ ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں جماعت کے بعد ذکر بالجہر کا عام معمول تھا اور اس حدیث کو صرف امام شافعی کے خیال کی بنیاد پر منسوخ نہیں مانا جا سکتا اور نہ محض ابن بطال کا قول عدم استحبابِ جہر پر اجماع کی شہادت بن سکتا خصوصاً جب کہ

فریقِ مخالف کی شہادت سے بھی ثابت ہوچکا کہ اجماع دراصل مساجد میں جماعت کے ساتھ ذکر بالجہر کے استحباب پر ہے نہ کہ اس کے ترک پر!

سطورِ سابقہ میں علامہ بدرالدین عینی حنفی کے حوالہ سے گزر چکا ہے کہ بعض اسلاف اور متقدمین حضرات اس حدیث سے جماعت کے بعد ذکر بالجہر کے استحباب پر استدلال کرتے ہیں، ان کے علاوہ علامہ جلال الدین سیوطی شافعی نے اپنے رسالہ نتیجۃ الفکر میں ذکر بالجہر کے استحباب پر پچیس احادیث پیش کی ہیں جن میں سے ایک حدیث یہ ہے فرماتے ہیں:۔

(الحدیث الثانی و العشرون) اخرج الشیخان عن ابن عباس قال ان رفع الصوت بالذکر حین ینصرف الناس من المکتوبۃ کان علیٰ عھد النبی صلی اللہ علیہ وسلم [1]

(بائیسویں حدیث) بخاری اور مسلم نے روایت کیا ہے کہ جماعت کے بعد ذکر بالجہر کرنا عہد رسالت کا معمول تھا۔"

اور سب کو چھوڑیئے فریقِ مخالف کے مسلم پیشوا مولوی اشرفعلی صاحب تھانوی بھی اس حدیث سے مشروعیت جہر پر استدلال کرتے ہیں چنانچہ لکھتے ہیں:۔

وعن ابن عباس ان رفع الصوت بالذکر حین ینصرف الناس من المکتوبۃ کان علیٰ عھد النبی صلی اللہ علیہ وسلم رواہ البخاری۔ اس سے مشروعیتِ جہر واضح لائح ہے۔" [2]

پس ظاہر ہوگیا کہ حدیثِ ابن عباس سے ذکر بالجہر پر استدلال کرنے پر ہم تنہا نہیں

---

[1] الحاوی للفتاوے، ج ۱، ص ۳۹۲۔

[2] امداد الفتاوے، ج ۴، ص ۴۳، ۴۴۔

ہیں بلکہ متقدمین اسلاف سے لے کر تھانوی صاحب تک تمام علماء اس حدیث سے ذکر بالجہر کے جواز اور استحباب پر استدلال کر رہے ہیں۔

حدیثِ ابن الزبیر

حضرت عبداللہ بن الزبیر سے ایک حدیث مروی ہے جس میں جماعت کے بعد ذکر بالجہر کا صریح بیان ہے:۔

عن عبد اللہ بن الزبیر قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا سلم من صلوتہ یقول بصوتہ الاعلی لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ الحدیث رواہ مسلم [1]

" حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہونے کے بعد بلند آواز سے لا الہ الا اللہ۔۔۔ کا ذکر کیا کرتے تھے۔"

سرفراز صاحب اس کے جواب میں لکھتے ہیں:

" الجواب: یہ روایت مشکوٰۃ ج ا ص ۸۸ میں مسلم کے حوالہ سے نقل کی گئی ہے اور مشکوٰۃ میں بصوتہ الاعلی کے الفاظ موجود ہیں اور واقعی ان الفاظ کی موجودگی ذکر بالجہر پر نص صریح ہے لیکن مؤلفِ مذکور اور ان کی جماعت کو یہاں بھی سوائے کلی ناکامی کے اور کچھ حاصل نہ ہوگا اولاً اس لئے کہ یہ روایت مسلم ج ا ص ۲۱۸ پر موجود ہے لیکن اس میں سرے سے بصوتہ الاعلی کے الفاظ ہی موجود نہیں ہیں اور نزاع بھی صرف اس جملہ میں ہے، نفسِ ذکر کا کوئی منکر نہیں ہے (الیٰ ان قال) اصل بات یہ ہے کہ یہ صاحبِ مشکوٰۃ کا وہم ہے اور اہلِ علم جانتے ہیں کہ مشکوٰۃ میں ضمنی طور پر ان کے متعدد اوہام ہیں۔" [2]

---

[1] مشکوٰۃ شریف، ص ۸۸

[2] حکم الذکر بالجہر، ص ۲۴۴، ۲۴۵۔

حدیث ابن الزبیر بروایتِ مسلم ہونے کی تحقیق

سرفراز صاحب نے اصولی طور پہ یہ بات تو مان لی ہے کہ بصوت۔ الاعلیٰ (بآوازِ بلند) کی موجودگی میں جماعت کے بعد ذکر بالجہر صراحۃً ثابت ہے البتہ ایک عام سطحی طالب علم کے انداز میں انہوں نے یہ فرض کر لیا کہ جب صحیح مسلم کے خلاں صفحہ پر یہ الفاظ نہیں ہیں تو یہ الفاظ ہی ثابت نہیں حالانکہ اہلِ علم پہ مخفی نہیں ہے کہ متنِ حدیث میں اختلافِ رُوات سے زیادتی اور کمی ہوتی رہتی ہے۔ مسلم شریف، بشیخ ابراہیم بن محمد و ابراہیم بن سفیان دو راویوں سے مروی ہے اور اس کے مصری اور ہندی متعدد نسخے ہیں اور یہ دو ضخیم مجلدات پہ مشتمل ہے۔

سرفراز صاحب صحیح مسلم کے تمام نسخوں کا حرفاً حرفاً بالاستیعاب مطالعہ کریں، اس کے بعد یہ بات سنی جا سکے گی کہ صحیح مسلم میں یہ الفاظ ہیں یا نہیں، محض مسلم شریف کے ایک باب کو دیکھ کر یہ دعویٰ کرنا کہ صاحب مشکوٰۃ کو مسلم کا حوالہ پیش کرنے میں تسامح ہوا ہے، محض ایک طفلانہ خیال اور مجنونانہ بڑ ہے جس کی اہلِ علم کے نزدیک کوئی حیثیت نہیں ہے، علاوہ ازیں بصوت۔ الاعلیٰ کے الفاظ کو مسلم کی طرف منسوب کرنے میں صرف صاحبِ مشکوٰۃ منفرد نہیں ہیں۔

علامہ طحطاوی نے بھی حاشیہ مراقی الفلاح ص ۱۸۶ میں ان الفاظ کو مسلم کے حوالے سے نقل کیا ہے، ان کے علاوہ مخالفین کے حکیم الامت مولوی اشرفعلی صاحب تھانوی نے بھی ان الفاظ کو امداد الفتاوٰی ج ۴ ص ۳۴۳ میں اور جناب شبیر احمد عثمانی صاحب نے فتح الملہم ج ۲ ص ۱۷۱ میں بحوالہ صحیح مسلم نقل کیا ہے، جب صاحبِ مشکوٰۃ جیسے عظیم محدث، علامہ طحطاوی جیسے زبردست فقیہ اور تھانوی اور عثمانی جیسے آپ کے مسلّم اکابر اس حدیث کو بصوت۔ الاعلیٰ کے الفاظ سے بحوالہ مسلم نقل کر رہے ہیں تو آپ کے انکار کو کون سنتا اور مانتا ہے؟

حدیث ابن الزبیر کا دیگر ائمہ حدیث سے ثبوت

امام مسلم کے علاوہ دوسرے ائمہ حدیث نے بھی اس حدیث کو بصوت۔

الاعلیٰ کے الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے چنانچہ امام شافعی روایت کرتے ہیں :-

اخبرنا الربیع قال اخبرنا الشافعی قال اخبرنا ابراهیم بن محمد قال حدثنی موسٰی بن عقبة عن ابی الزبیر ان سمع عبد الله بن الزبیر یقول کان رسول الله صلی الله علیه وسلم اذا سلم من صلٰوته یقول بصوته الاعلی لا اله الا الله (الحدیث) [1]

"(امام شافعی فرماتے ہیں) ہم کو ابراہیم بن محمد نے بیان کیا اور ان کو موسٰی بن عقبہ نے ابو الزبیر سے بیان کیا اور انہوں نے عبداللہ بن زبیر سے روایت کر کے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے سلام پھیرنے کے بعد باآواز بلند فرماتے لا الٰہ الا اللہ" (الحدیث)

امام شافعی کے علاوہ ابن الحاج المالکی اور صاحب بلوغ الامانی نے بھی اپنی اپنی تصانیف میں اس حدیث کو پوری سند کے ساتھ ذکر کیا ہے اور یہ ایک ایسی حقیقت ہے کہ سرفراز صاحب کو بھی اس کا اعتراف کرنا پڑا ہے چنانچہ لکھتے ہیں :-

"حضرت عبداللہ بن الزبیر کی اس روایت میں 'بصوتہ الاعلیٰ' کے الفاظ حضرت امام شافعی نے اپنی سند کے ساتھ کتاب الام ج ۱ ص ۱۱۰ (طبع بولاق مصر) میں نکل[ع] کئے ہیں اور انہیں کے حوالہ سے امام ابن الحاج المالکی نے المدخل ج ۱ ص ۱۰۸ (طبع مصر) میں اور علامہ الساعاتی نے بلوغ الامانی کے ج ۴ ص ۱۷ (طبع مصر) میں نقل ہے۔" [2]

مزید اطلاع کے لئے گزارش ہے کہ 'بصوتہ الاعلیٰ' کے ساتھ اس حدیث کو فخر المتاخرین عمدۃ المحققین علامہ آلوسی نے بھی روح المعانی ج ۱۶، ص ۱۶۳ میں ذکر کر کے اس سے ذکر بالجہر پر استدلال کیا ہے۔

---

[1] کتاب الام ج ۱ ، ص ۱۲۶ ، (طبع بیروت) [2] حکم الذکر بالجہر ، ص ۲۴۶ -

[ع] صحیح املاء "نقل" ہے، غالباً سہو کاتب سے "نکل" لکھا گیا ہے ۱۲ سعیدی

ابراہیم ابن محمد پر جرح کا جواب

اس حدیث کی سند پر جرح کرتے ہوئے سرفراز صاحب لکھتے ہیں :-

" اس حدیث کی سند میں ابراہیم بن محمد واقع ہے اور حضرت امام شافعی فرماتے تھے کہ وہ اگر کسی بلندی سے گر جائے تو ان کے لئے زیادہ عزیز تھا بہ نسبت اس کے کہ وہ جھوٹ بولتے اور فرمایا کہ وہ حدیث میں ثقہ تھے (تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۱۵۹) لیکن یہ حضرت امام شافعی کی اجتہادی غلطی ہے کہ وہ ایسے راوی کے بارے میں فرماتے ہیں کہ وہ حدیث کے سلسلہ میں ثقہ ہے۔ کتب اسماء الرجال میں اس پر کڑی جرح موجود ہے چنانچہ امام الجرح والتعدیل یحییٰ بن سعید القطان فرماتے ہیں میں نے امام مالک سے دریافت کیا کہ کیا ابراہیم بن محمد ثقہ ہے؟ فرمایا حدیث میں تو ثقہ کیا ہوتا، دین میں بھی ثقہ نہیں ہے۔ امام احمد نے فرمایا کہ وہ قدری (منکرِ تقدیر) معتزلی اور جہمی تھا اور فرمایا کہ اس کی حدیث نہیں لکھی جا سکتی الخ " [1]

سرفراز صاحب کی تحریر تلبیس و تحریف کی بدترین مثال ہے۔ در اصل ابراہیم بن محمد نام کے دو راوی ہیں، ایک ابراہیم بن محمد بن الحارث الفزاری المتوفی ۱۸۸ھ اور دوسرے ابراہیم بن محمد ابو یحییٰ سمعان الاسلمی المتوفی ۱۸۴ھ، ابراہیم بن محمد الفزاری موسیٰ بن عقبہ سے روایت کرتے ہیں چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی ان کے بارے میں لکھتے ہیں :-

روی عن حمید الطویل وابی طوالۃ وابی اسحٰق السبیعی والاعمش وموسیٰ بن عقبۃ ویحییٰ بن سعید الانصاری ومالک وشعبۃ والثوری وجماعۃ [2]

---

[1] حکم الذکر بالجہر، ص ۲۳۶، ۲۴۷۔

[2] تہذیب التہذیب، ج ۱، ص ۱۵۱۔

" ابراہیم بن محمد فزاری کے مشائخ میں حمید الطویل، ابوطوالہ، ابو اسحٰق السبیعی، اعمش، موسیٰ بن عقبہ، یحییٰ بن سعید انصاری، مالک، شعبہ، ثوری اور دوسرے حضرات شامل ہیں جن سے وہ روایت حدیث کرتے ہیں۔"

اس کے برخلاف ابراہیم بن محمد اسلمی، موسیٰ بن عقبہ سے روایت نہیں کرتے چنانچہ حافظ ابن حجر ان کے مشائخ میں موسیٰ بن عقبہ کا ذکر نہیں کرتے، حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:-

روی عن الزهری ویحیی بن سعید الانصاری وصالح مولی التوأمة ومحمد بن المنکدر وموسی بن وردان واسحٰق بن عبد الله بن ابی طلحة وغیرهم[1]

" ابراہیم بن محمد کے مشائخ یہ ہیں، زہری، یحییٰ بن سعید انصاری، صالح، محمد بن منکدر، موسیٰ بن وردان اور اسحٰق بن عبداللہ وغیرہ۔"

اب جب کہ یہ ظاہر ہوگیا کہ ابراہیم بن محمد فزاری، موسیٰ بن عقبہ سے روایت کرتے ہیں اور ابراہیم بن محمد اسلمی ان سے روایت نہیں کرتے تو یہ معلوم کرنا آسان ہوگیا کہ امام شافعی نے اپنی سند میں جس ابراہیم بن محمد کا ذکر کیا ہے وہ فزاری ہیں یا اسلمی اس امر کو معلوم کرنے کے لئے امام شافعی کی سند پر غور کیجئے وہ اپنی سند اس طرح بیان کرتے ہیں:-

اخبرنا ابراهیم بن محمد قال حدثنی موسی بن عقبة

امام شافعی فرماتے ہیں کہ ہم کو ابراہیم بن محمد نے حدیث بیان کی اور ان کو موسیٰ بن عقبہ نے اور ابراہیم نام کے جو راوی موسیٰ بن عقبہ سے روایت کرتے ہیں وہ ابراہیم بن محمد فزاری ہیں نہ کہ ابراہیم بن محمد اسلمی۔

---

[1] تہذیب التہذیب، ج ۱، ص ۱۵۸۔

سرفراز صاحب نے تہذیب التہذیب سے جرح کا جو حصہ نقل کیا ہے وہ ابراہیم بن محمد اسلمی کے بارے میں ہے اور امام شافعی کی یہ روایت ابراہیم بن محمد فزاری سے ہے۔ سرفراز صاحب نے کمال بے باکی اور بددیانتی سے مغالطہ آفرینی کے لئے فزاری کی یہ روایت اسلمی کے سر منڈھ دی اور پھر اسلمی سے متعلق جرح کا حصہ نقل کر کے اس حدیث کو کمزور کرنے کی ناکام کوشش کی، فالی اللہ المشتکیٰ۔

اب جبکہ یہ معلوم ہوگیا کہ یہ حدیث ابراہیم بن محمد فزاری سے مروی ہے تو آیئے دیکھیں ان کے بارے میں اسماء رجال کے ائمہ اور ماہرین حدیث کیا فرماتے ہیں:۔

حافظ ابن حجر عسقلانی بیان کرتے ہیں کہ ابن معین بہ تکرار کہتے تھے کہ ابراہیم بن محمد فزاری ثقہ ہیں۔ ابو حاتم نے کہا کہ وہ ثقہ، مامون اور امام تھے۔ امام نسائی نے کہا وہ امام مامون اور ثقہ تھے۔ عجلی نے کہا کہ وہ مرد نیک، ثقہ اور صاحبِ سنت تھے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے تھے، ان کو بڑی تعداد میں احادیث یاد تھیں اور وہ فقہ کے بھی ممتاز عالم تھے۔ سفیان بن عیینہ نے کہا کہ وہ امام تھے، خلیلی نے ان کو امام اور مقتدا قرار دیا، امام شافعی ان کی تعریف کرتے تھے، ان کی کتابوں کا مطالعہ کرتے اور ان کی کتاب السیر کی ترتیب پر امام شافعی نے ایک کتاب املاء کرائی۔ اسحٰق بن ابراہیم کہتے ہیں کہ ہارون رشید نے ایک بار ایک زندیق کو قتل کرنے کا حکم دیا، اس نے کہا مجھ کو تو تم قتل کردو گے مگر ان ایک ہزار حدیثوں کا کیا کرو گے جن کو میں نے وضع کر کے لوگوں میں پھیلا دیا ہے ہارون رشید نے کہا اے دشمنِ خدا! تو کس خیال میں ہے؟ عبداللہ بن مبارک اور ابو اسحٰق فزاری کی تنقید کی چھلنی سے تیری وضع کردہ ایک ایک حدیث چھن کر نکل جائے گی۔ ابنِ عیینہ کہتے تھے کہ میں نے کوئی ایسا شخص نہیں دیکھا جس کو میں فزاری پر مقدم کرسکوں [1]

قارئینِ کرام نے ملاحظہ فرمایا یہ ہے وہ مخلص اور ثقہ راوی جس سے

---

[1] تہذیب التہذیب، ج ۱، ص ۱۵۱، ۱۵۲۔

امام شافعی نے عبداللہ بن زبیر کی حدیث کو روایت کیا ہے اور سرفراز صاحب نے دجل اور تلبیس سے کام لے کر یہ روایت ان کے ایک اور ہمنام راوی ابراہیم بن محمد اسلمی کے سر منڈھ دی۔

حدیث ابن الزبیر کی صحت پر شواہد

امام شافعی کی اس روایت کی سند کی تمام کڑیاں چونکہ ٹھوس اور ثقہ ہیں اسی وجہ سے دوسرے علماء اور محققین نے بھی اس روایت پر اعتماد کا اظہار کیا ہے اور اس حدیث کو اپنی تصانیف میں ذکر کیا ہے چنانچہ خود سرفراز صاحب کے حوالہ سے گزر چکا ہے کہ صاحب مدخل اور صاحب بلوغ الامانی نے اس حدیث کو اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے نیز عمدۃ المحققین اور فخر المتأخرین علامہ آلوسی نے بھی اس حدیث کو قد صح کے ساتھ ذکر کیا ہے چنانچہ لکھتے ہیں :-

وقد صح عن ابی الزبیر انہ سمع عبد اللہ بن الزبیر یقول کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا سلم من صلوتہ یقول بصوتہ الاعلی لا الہ الا اللہ (الحدیث) [۱]

"عبداللہ بن الزبیر سے حدیث صحیح میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے سلام پھیرنے کے بعد بلند آواز سے فرماتے تھے لا الہ الا اللہ ..."

اس حدیث کی صحت اور ابراہیم بن محمد فزاری کی ثقاہت واضح کرنے کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے کہ سرفراز صاحب کے ذکر کردہ راوی ابراہیم بن محمد اسلمی کی روایت کے پہلو سے بھی اس حدیث کی وضاحت کر دی جائے تاکہ ظاہر ہو جائے کہ اگر یہ حدیث بالفرض ابراہیم بن محمد اسلمی سے بھی مروی ہو تب بھی سرفراز صاحب اور ان کی ہم نوا جماعت کو یہاں کلیتہً ناکامی اور نامرادی کے سوا کچھ نصیب نہیں ہوگا۔

---

[۱] روح المعانی ، ج ۱۶ ، ص ۱۶۳ -

ابراہیم بن محمد کی توثیق

سرفراز صاحب نے ابراہیم بن محمد کے بارے میں تہذیب التہذیب سے اول آخر سے جرح کا حصہ تو نقل کر دیا لیکن درمیان سے ان کی تعدیل اور توثیق کا بیان صاف چھوڑ گئے، ہم نہیں سمجھ سکتے کہ ایسا کر کے انہوں نے امانت اور دیانت کا خون کیوں اور اور کس لئے کیا، پھر ستم بالائے ستم یہ ہے کہ انہوں نے ابراہیم بن محمد کے بارے میں ائمہ کرام کی تعدیل کے اقوال کو صرف چھوڑا ہی نہیں بلکہ اپنی عبارت سے یہ تاثر دیا ہے کہ ان کی توثیق اور تعدیل میں امام شافعی منفرد ہیں اور یہ ان کی اجتہادی غلطی ہے چنانچہ لکھتے ہیں :۔

"اور حضرت امام شافعی فرماتے تھے ...... وہ حدیث میں ثقہ تھے لیکن یہ حضرت امام شافعی کی اجتہادی غلطی ہے کہ وہ ایسے راوی کے بارے میں یہ فرماتے ہیں" ؎۱

غور فرمائیے کہ ذکر بالجہر کے بارے میں حضرت ابن عباس کی حدیث صحیح کو منسوخ فرمانے کے لئے تو سرفراز صاحب بغیر کسی دلیل کے امام شافعی کی رائے کا اعتبار کرتے ہیں اور محض ان کی رائے کو بنیاد بنا کر حدیث رسول کو منسوخ قرار دیتے ہیں جبکہ کسی حدیث کے منسوخ ہونے یا نہ ہونے کے لئے امام شافعی کی رائے نہ کوئی معیار ہے اور نہ کوئی اصول اور نہ ہی امام شافعی کا یہ مقام ہے کہ وہ اپنی رائے سے کسی حدیث کو منسوخ قرار دے سکیں اور رواۃ کی تعدیل اور توثیق جو امام شافعی جیسے عظیم محدث کا اصل مقام ہے اس کے مطابق جب وہ کسی راوی کی توثیق کریں تو سرفراز صاحب کہتے ہیں کہ یہ ان کی اجتہادی غلطی ہے ؎

بسوخت عقل ز حیرت ایں چہ بوالعجبی ست

دراصل امام شافعی کی اجتہادی غلطی ابن عباس کی حدیث صحیح کو اپنے خیال سے

؎۱ حکم الذکر بالجہر ، ص ۲۴۷۔

منسوخ کرتا ہے نہ کہ ابراہیم بن محمد کی تعدیل اور توثیق کرنا خصوصاً جبکہ امام شافعی کی اکثر و بیشتر روایات ابراہیم بن محمد سے ہی مروی ہیں۔

آئیے اب ہم ابراہیم بن اسلمی کی روایت کا فنی حیثیت سے تجزیہ کریں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ ابراہیم بن محمد سے روایت کرنے والوں میں ابراہیم بن طہمان، سفیان ثوری، ابن جریج، سعید بن ابی مریم، حافظ ابونعیم اور حسن بن عرفہ شامل ہیں[1]

ربیع کہتے ہیں میں نے امام شافعی سے پوچھا کہ انہیں ابراہیم بن محمد سے روایت کرنے پر کس چیز نے برانگیختہ کیا فرمانے لگے ابراہیم بن محمد کے نزدیک چھت سے گر جانا جھوٹ کی بہ نسبت زیادہ آسان ہے اور وہ حدیث میں ثقہ تھے، ابواحمد بن عدی کہتے ہیں میں نے ابن عقدہ سے سوال کیا کہ کیا امام شافعی کے علاوہ اور کوئی شخص بھی ابراہیم بن محمد کی تعدیل کرتا ہے؟ انہوں نے جواب میں اپنی سند بیان کر کے کہا حمدان بن اصبہانی ان کی احادیث پر اعتماد کرتے تھے اور ابن عقدہ نے یہ بھی فرمایا میں نے ابراہیم بن محمد کی احادیث کا بہت زیادہ مطالعہ کیا ہے وہ منکر الحدیث نہیں تھے۔ ابن عدی نے کہا ابن عقدہ نے یہ جو کچھ بیان کیا ہے، واقعہ ایسا ہی ہے، میں نے خود بھی ابراہیم بن محمد کی احادیث کا مطالعہ کیا ہے۔ ان کی احادیث میں منکر روایات نہیں ہوتیں الا یہ کہ ان کی احادیث میں منکر روایات کا ہونا ان کے شیخ یا شیخ الشیخ کی جہت سے ہو اور وہ فی الجملہ ان راویوں میں سے ہیں جن کی روایت لکھی جاتی ہے[2]

اس عبارت کا خلاصہ یہ ہے:-

حضرت امام شافعی ابراہیم بن محمد اسلمی کو صادق اور ثقہ فی الحدیث کہتے تھے۔

حمدان بن اصبہانی ان کی تعدیل کرتے تھے۔

---

[1] تہذیب التہذیب، ج ۱، ص ۱۵۸۔

[2] ایضاً، ج ۱، ص ۱۵۹۔

ابن عقدہ کہتے تھے ان کی کوئی روایت منکر نہیں۔

ابن عدی ان کو معتمد راوی قرار دیتے تھے۔

سفیان ثوری، ابن جریج، ابن طہمان اور حافظ ابونعیم جیسے مشہور حفاظ اور ائمۂ حدیث ان سے حدیث روایت کرتے تھے۔

یہ ٹھیک ہے کہ بعض لوگوں نے ابراہیم بن محمد پر جرح بھی کی ہے لیکن امام شافعی، سفیان ثوری اور ابن جریج جیسے مشہور و معروف ائمۂ حدیث اور دیگر ثقہ حضرات نے ان سے روایت اور ان کی تعدیل کی ہے تو یہ ان کی روایت کی صحت کے لئے کافی ہے اور یوں کہنے کو تو لوگوں نے امام اعظم کے بارے میں بھی ناگفتنی باتیں کہہ دی ہیں چنانچہ تاریخ بغداد میں خطیب بغدادی نے امام اعظم پر جرح سے متعلق صفحات کے صفحات نقل کر دئے ہیں، اب کیا اس بنا پر امام اعظم کی روایت کو بھی غیر معتبر قرار دیا جائے گا۔

فضائلِ اعمال میں حدیثِ ضعیف کی حیثیت

ثانیاً ابراہیم بن محمد کی تعدیل سے صرفِ نظر کر کے اگر بالفرض اس پر جرح کا اعتبار بھی کر لیا جائے تو اس جرح کی وجہ سے زیادہ سے زیادہ حدیث ضعیف کہلائے گی لیکن اس سے بھی مانعین کو کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا کیونکہ اول تو نفسِ مسئلہ (جماعت کے بعد ذکر بالجہر کرنا) حضرت ابن عباس کی صحیح حدیث سے ثابت ہو چکا ہے اور فی نفسہ ذکر بالجہر مستحب ہے اور فضائلِ اعمال میں ضعاف کا اعتبار بھی کیا جاتا ہے چنانچہ امام نووی لکھتے ہیں:۔

قال العلماء من المحدثین والفقہاء وغیرھم یجوز ویستحب العمل فی الفضائل والترغیب والترھیب بالحدیث الضعیف ما لم یکن موضوعا واما الاحکام کالحلال والحرام والبیع والنکاح والطلاق وغیر ذلک فلا یعمل فیھا الا

بالحدیث الصحیح او الحسن [1]

"علمائے محدثین اور فقہاء وغیرہم فرماتے ہیں کہ فضائلِ اعمال اور ترغیب و ترہیب میں حدیثِ ضعیف پر عمل کرنا درست ہے جب تک کہ اس کا موضوع ہونا ثابت نہ ہو البتہ جو احکام حلت و حرمت سے متعلق ہوں مثلاً خرید و فروخت یا نکاح اور طلاق کے احکام تو ان میں صرف حدیث صحیح یا حسن پر عمل کیا جاسکتا ہے۔"

نیز غور فرمایئے کہ تمام ائمہ فتوے کے نزدیک صلوٰۃ التسبیح مستحب ہے حالانکہ یہ بھی سند ضعیف سے ثابت ہے، مولانا عبد الحی لکھتے ہیں :۔

و قد ذکرہ ابن الجوزی فی کتاب الموضوعات بطرق الی الدارقطنی وقال لایثبت موسٰی بن عبد العزیز مجہول عندنا و صدقۃ ضعیف و موسٰی بن عبیدۃ ضعیف قال یحیی لیس بشیٔ [2]

"ابن جوزی نے اس حدیث کے تمام طرق کو کتاب الموضوعات میں ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ موسٰی بن عبد العزیز ہمارے نزدیک مجہول ہے صدقہ ضعیف ہے اور موسٰی بن عبیدہ ضعیف ہے، یحیٰی نے کہا وہ کچھ حقیقت نہیں رکھتا۔"

اسی طرح بیس رکعات تراویح پڑھنے پر بھی تمام ائمہ مجتہدین کا اتفاق ہے اور یہ صرف مستحب ہی نہیں بلکہ بتصریح فقہاء سنتِ مؤکدہ ہے حالانکہ جس حدیث سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بیس رکعات تراویح پڑھنا بیان کیا جاتا ہے وہ ابن ابی شیبہ کی روایت ہے جس کی سند میں ابراہیم بن عثمان نام ایک راوی ہے جو بالاتفاق ضعیف ہے اس کے بارے میں ائمہ فن کی رائے یہ ہے :۔

---

[1] کتاب الاذکار ، ص ۸۷۔

[2] الآثار المرفوعۃ ، ص ۱۲۳۔

"شعبہ نے کہا وہ جھوٹا تھا، ابنِ معین نے کہا وہ غیر ثقہ ہے، امام احمد بن حنبل نے کہا وہ ضعیف ہے۔" [1]

"امام ترمذی نے کہا وہ منکر الحدیث ہے۔ نسائی نے کہا متروک الحدیث ہے، ابوداؤد اور دارقطنی نے کہا ضعیف ہے اور جوزجانی نے کہا وہ بالکل گرا ہوا ہے۔" [2]

اسی طرح غور فرمائیے کہ ائمہ اربعہ اور اصحاب ظواہر سب کے نزدیک میت کے ترکہ سے پہلے قرض ادا کیا جائے گا اور پھر اس کی وصیت پر عمل ہوگا حالانکہ جس حدیث میں یہ بیان ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میت کی وصیت سے پہلے اس کے قرض کو ادا کیا وہ ترمذی (۲۰۹) کی روایت ہے اور شدید ضعف کی حامل ہے۔ اس کی سند میں ایک راوی ہے حارث بن عبداللہ الاعور الہمدانی جو غایت درجہ کا ضعیف ہے۔ علی بن مدینی نے کہا وہ کذاب تھا۔ ابوزرعہ نے کہا وہ لائقِ استدلال نہیں، ابوحاتم نے کہا وہ قوی نہیں۔ دارقطنی نے کہا وہ ضعیف ہے [3]

اس تفصیل سے ظاہر ہو گیا کہ حدیث کا محض ضعیف ہونا اس کے مقتضیٰ پر عمل کے ہرگز منافی نہیں ہے اور استحباب، سنتِ مؤکدہ اور وجوب حدیث ضعیف سے بحسب القرائن ہر قسم کے احکام ثابت ہو جاتے ہیں۔

حدیث ابن الزبیر کے سلسلہ میں اس تمام گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ صاحبِ مشکوٰۃ، علامہ طحطاوی، مولوی اشرف علی تھانوی اور جناب شبیر احمد عثمانی، ان تمام حضرات نے اس حدیث کو بحوالہ مسلم ذکر کیا ہے، نیز علامہ آلوسی نے اسے "قد صح" کے ساتھ تعبیر کیا ہے اور یہ اس کی صحت کے لئے حجت ہے۔ امام شافعی نے اس حدیث کو کتاب الام

---

[1] الضاوی للفتاوے ، ج ۱ ، ص ۳۴۷۔

[2] تہذیب التہذیب ، ج ۲ ، ص ۱۴۴ ، ۱۴۵۔

[3] ایضاً ، ج ۲ ، ص ۱۴۶۔

WWW.NAFSEISLAM.COM

میں سند صحیح کے ساتھ روایت کیا ہے اور اس کی سند میں ابراہیم بن محمد نام کا جو راوی ہے وہ الفزاری ہے نہ کہ الاسلمی اور جرح اور طعن جس راوی کے بارے میں سرفراز صاحب نے پیش کی ہے وہ درحقیقت ابراہیم بن محمد اسلمی ہے اور سندِ حدیث میں جو راوی ہے وہ ابراہیم بن محمد فزاری ہے اور اگر ضد و عناد کی بنا پر اس راوی کو اسلمی ہی قرار دیا جائے پھر بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے کیونکہ امام شافعی جیسے صاحبِ فن اور دوسرے ائمہ حدیث نے اس کی تعدیل بھی کی ہے اس لئے یہ جرح صحتِ حدیث کے لئے مضر نہیں ہے اور اگر بالفرض یہ راوی ضعیف بھی ہو تو کیا حرج ہے کیونکہ حدیثِ ضعیف سے مستحب سے لے کر واجب تک تمام احکام ثابت ہو جاتے ہیں۔

حدیث ابن الزبیر پر عقلی اعتراض کا جواب

غالباً سرفراز صاحب کو بھی یقین تھا کہ ابراہیم بن محمد پر جرح کے سلسلہ میں انہوں نے جو مغالطہ دیا ہے وہ قائم نہیں رہ سکے گا اور اس سلسلہ میں انہوں نے الفاظ و معانی کی جو عمارت قائم کی ہے وہ جھاگ کی طرح بیٹھ جائے گی چنانچہ وہ پینترا بدلتے ہوئے لکھتے ہیں :-

" اگر بالفرض اس روایت کو صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے تو اس کا وہی جواب کافی ہے جو حضرتِ امامِ شافعی نے دیا ہے کہ برائے تعلیم تھوڑا عرصہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے باوازِ بلند سے پڑھا نہ یہ کہ اس پر مداومت فرمائی اور حضرت امامِ شافعی کے حوالہ سے یہی جواب شراحِ حدیث اور حضراتِ فقہاءِ اسلام نے نقل کیا ہے " لہ

الجواب

حضرتِ امامِ شافعی فنِ حدیث کے ایک جلیل القدر امام ہیں اور روایت پر جرح و تعدیل کے سلسلہ میں ان کی رائے یقیناً وقعت اور اہمیت کی حامل ہے لیکن حدیثِ رسول

لہ حکم الذکر بالجہر ، ص ۲۸۴ -

کے مقابلہ میں جب وہ کوئی بات محض اپنی رائے سے کہیں گے تو اس کا کوئی وزن نہیں ہوگا۔

سرفراز صاحب ! امام شافعی تو بہت دور کی چیز ہیں اگر حدیثِ رسول کے خلاف صحابہ بھی کوئی بات محض اپنی رائے سے کہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم (فداہ ابی وامی) کے مقابلہ میں ان کی رائے کا بھی کوئی اعتبار نہیں ہوگا۔

کس قدر حیرت کی بات ہے کہ جرح و تعدیل جو امام شافعی کا میدان ہے وہاں تو سرفراز صاحب امام شافعی کی رائے کو اجتہادی غلطی قرار دیتے ہیں اور صریح حدیث اور عہدِ رسالت کے معمول کے خلاف ان کی رائے کو جو فی الحقیقت ان کی اجتہادی غلطی ہے نہ صرف خود مان رہے ہیں بلکہ دوسروں سے بھی بہ زور منوانا چاہتے ہیں۔

بہرحال لکم دینکم ولی دین ! ممکن ہے آپ کے لئے امام شافعی کی رائے کافی ہو لیکن ہم دامنِ رسالت کو چھوڑ کر کہاں جائیں اور جا بھی کہاں سکتے ہیں ؟ ؎

نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم
چوں غلامِ آفتابم ہمہ ز آفتاب گویم

حدیثِ قدسی

بخاری اور مسلم میں ایک حدیثِ قدسی ہے جسے مشکوٰۃ نے نقل کیا ہے :-

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول اللہ تعالیٰ انا عند ظن عبدی بی وانا معہ اذا ذکرنی فی نفسہ ذکرتہ فی نفسی وان ذکرنی فی ملأ ذکرتہ فی ملأ خیر منہم [۱]

"حضرت ابوہریرہ روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں اپنے بندے کے گمان کے ساتھ ہوں اور جب وہ میرا ذکر کرتا ہے تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں، اگر وہ تنہا میرا ذکر کرے تو

---

[۱] مشکوٰۃ شریف ، ص ۱۹۶-

میں تنہا اس کا ذکر کرتا ہوں اور اگر وہ جماعت کے ساتھ میرا ذکر کرے تو میں اس سے بہتر جماعت میں اس کا ذکر کرتا ہوں "۔

شیخ عبدالحق اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں :۔

دریں حدیث دلیل است بر جواز ذکر جہر ۔ (اس حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ ذکر بالجہر جائز ہے)

سرفراز صاحب اس کے جواب میں لکھتے ہیں :۔

" اس میں صراحۃً جہر کا کوئی لفظ موجود نہیں ہے اور اصل جھگڑا ہی اس میں ہے اور اس کے مفہوم اور اقتضاء سے جو جہر ثابت ہو رہا ہے وہ مضر نہیں کیونکہ اس سے ایسے مقامات میں جہر مراد ہے جہاں جہر ثابت ہو رہا ہے جیسا کہ خود حضرت شیخ صاحب سے اس کی تشریح گذر چکی ہے اس سے ہر ہر جگہ اور ہر ہر موقع پر جہر ثابت کرنا علمی اور تحقیقی طور پر درست نہیں ہے۔ پھر قرآنِ کریم، معتمد کتبِ تفسیر، حدیث شریف اور حضرات فقہاء کرام کی سابق تصریحات کے مقابلہ میں اس ضمنی اور بالتبع ثبوت کو کون سنتا اور مانتا ہے ؟ "[۱]

حدیثِ قدسی سے جہر پر استدلال کی وجوہات

سرفراز صاحب نے یہ جو کچھ لکھا ہے محض واہی تباہی اور سراسر خلافِ واقعہ ہے اور اس کی وجوہ مندرجہ ذیل ہیں :۔

(۱) ذکر بالجہر کے جواز اور استحسان پر اصل استدلال قرآنِ کریم کے عموم اور اطلاق سے ہے نیز احادیثِ صحیحہ میں یہ تصریح ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے بعد ذکر بالجہر کیا کرتے تھے اور یہی عہدِ رسالت کا معمول تھا چنانچہ حضرت ابن عباس اور عبداللہ بن زبیر کی احادیث کے تحت اس پر مفصل بحث ہو چکی ہے اور اصل استدلال

---

[۱] حکم الذکر بالجہر ، ص ۲۵۲ ۔

انہیں حدیثوں سے ہے اور اس حدیث سے بھی چونکہ بقول سرفراز صاحب مفہوم اور اقتضاء سے جہر ثابت ہو رہا ہے اس لئے تائید کے مرتبہ میں اس حدیث کو پیش کرنا علمی اور تحقیقی اعتبار سے قطعاً صحیح اور درست ہے اور اس کا انکار سفاہت اور عناد کے سوا کچھ نہیں ہے۔

۲۔ سرفراز صاحب کا یہ کہنا کہ اس حدیث سے اس جگہ ذکر بالجہر مراد ہے جہاں شرعاً جہر ثابت ہے، سراسر باطل اور مردود ہے، اولاً اس لئے کہ جواز جہر کے ادلہ مطلق ہیں کسی دلیل میں کسی خاص جگہ کی تقیید نہیں ہے اس لئے محض اپنی رائے سے ان ادلۂ مطلقہ کی تقیید کون سنتا اور مانتا ہے؟ اس بحث کی مزید تفصیل تھانوی اور گنگوہی صاحب کے فتاوے ہیں ملاحظہ فرمائیے گا۔ ثانیاً برتقدیر تنزل اگر یہ مان لیا جائے کہ اس حدیث سے اس جگہ کا جہر مراد ہے جہاں شرعاً جہر ثابت ہے تب بھی ہمیں مضر نہیں کیونکہ ہماری بحث نماز کے بعد ذکر بالجہر میں ہے اور یہ شرعاً ثابت ہے کیونکہ حضور نماز کے بعد ذکر بالجہر کیا کرتے تھے۔

حدیثِ قدسی سے جہر پر استدلال کرنے والے ائمہ اور علماء

(۳) اس حدیث سے ذکر بالجہر پر استدلال کرنے میں ہم تنہا نہیں ہیں بلکہ دیگر اہلِ علم حضرات نے بھی اس حدیث سے ذکر بالجہر کے جواز پر استدلال کیا ہے، علامہ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:-

قال بعض اهل العلم يستفاد منه ان الذكر الخفي افضل من الذكر الجهري و التقدير ان ذكرني في نفسه ذكرته بثواب لا اطلع عليه احد و ان ذكرني جهرا ذكرته بثواب اطلع عليه الملأ الاعلى [1]

"بعض اہلِ علم نے کہا کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ذکر بالجہر سے

---

[1] فتح الباری، ج ۱۷، ص ۱۵۷۔

ذکر بالسِّر افضل ہے کیونکہ معنی یوں ہے کہ جو شخص آہستہ ذکر کرتا ہے اس کے ثواب پر میں کسی کو مطلع نہیں کرتا اور جو جہراً ذکر کرتا ہے اس کے ثواب پر میں ملأ اعلیٰ کو مطلع کر دیتا ہوں "

افضلیت سے صرفِ نظر کر کے اس عبارت سے بہر حال یہ ثابت ہو گیا کہ بعض اہلِ علم حضرات نے اس حدیث سے ذکر بالجہر کے جواز اور استحباب پر استدلال کیا ہے اور اسے موجبِ ثواب گردانا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ انہوں نے اس حدیث کے پیشِ نظر ذکرِ خفی کو افضل سمجھا ہے مگر اس کے برخلاف دوسرے حضرات نے یہ سمجھا ہے کہ اس حدیث سے ذکرِ خفی کی ذکرِ جہر پر افضلیت لازم نہیں آتی چنانچہ مولوی انور شاہ کشمیری لکھتے ہیں :۔

ثم انه لا دليل فيه على فضل الذكر السرى على الجهرى والذى فيه ان الجزاء من جنس عمله فجوزى كما عمل فاذا ذكره فى ملأ يذكر فى ملأ لان هذا جزاءه من جنس عمله واذا ذكره خاليا يذكره كذلك لكون ذلك جزاءه لا لانه افضل او مفضول ؎

" پھر اس حدیث میں ذکر بالسِّر کی ذکر بالجہر پر فضیلت کی کوئی دلیل نہیں ہے اس حدیث سے جو سمجھ میں آتا ہے وہ یہ ہے کہ جزاء عمل کی جنس سے ہو گی پس جب کوئی شخص جماعت میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کا جماعت میں ذکر کرے گا اور جب تنہا اس کا ذکر کرے گا تو وہ بھی اس کا تنہا ذکر کرے گا نہ اس وجہ سے کہ یہ ذکر افضل ہے یا مفضول ہے "

اور علامہ قسطلانی اس حدیث میں " فی ملأ " کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں :۔

؎ فیض الباری ، ج ۴ ، ص ۵۱۸۔

WWW.NAFSEISLAM.COM

وان ذکرنی فی ملأ فی جماعۃ جہرا[1]

"جو شخص جماعت میں جہراً میرا ذکر کرے۔"

اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں :-

ودریں حدیث دلیل است بر جوازِ ذکر جہر۔[2]

"اس حدیث میں ذکر بالجہر کے جواز پر دلیل ہے۔"

علامہ خیرالدین رملی اس حدیث کو متعدد حوالوں سے پیش کرنے کے بعد لکھتے ہیں :-

والذکر فی الملأ لا یکون الا عن جہر[3]

"جماعت میں جو ذکر ہو وہ جہر کے سوا نہیں ہوتا۔"

اور علامہ سیوطی اس حدیث کو پیش کرنے کے بعد لکھتے ہیں :-

والذکر فی الملأ لا یکون الا عن جہر[4]

"جماعت کے ساتھ جو ذکر ہو وہ جہر کے سوا نہیں ہوتا"

اور علامہ ابن عابدین شامی لکھتے ہیں :-

جاء فی الحدیث ما اقتضی طلب الجہر بہ نحو ان ذکرنی فی ملأ ذکرتہ فی ملأ خیر منہم[5]

"ایسی احادیث بھی وارد ہیں جو جہر کا تقاضا کرتی ہیں جیسے اگر بندہ، میرا ذکر جماعت میں کرے تو میں اس کا ذکر اس سے بہتر جماعت میں کرتا ہوں۔"

مولانا عبدالحی لکھنوی اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں :-

---

[1] ارشاد الساری (طبع مصر)، ج ۱۰، ص ۳۱۰۔

[2] اشعۃ اللمعات، ج ۲، ص ۱۸۰۔

[3] فتاوٰی خیریہ، ج ۲، ص ۱۸۱۔

[4] الحاوی للفتاوٰی، ج ۱، ص ۳۸۹۔

[5] رد المحتار، ج ۱، ص ۶۱۸۔

قال العلامة الجزری فی مفتاح الحصن الحصین علیہ دلیل علی جواز الجہر بالذکر خلافا لمن منعہ (الی ان قال) وقال السیوطی الذکر فی الملأ لا یکون الا عن جہر فدل الحدیث علی جوازہ سلہ

"علامہ جزری نے مفتاح الحصن الحصین میں فرمایا کہ یہ حدیث ذکر بالجہر کے جواز پر دلالت کرتی ہے برخلاف اس کے جو منع کرتا ہے اور علامہ سیوطی نے فرمایا جماعت میں ذکر جہر کے سوا نہیں ہوتا پس یہ حدیث ذکر بالجہر کے جواز پر دلالت کرتی ہے۔"

اور سب کو چھوڑیئے مانعین کے مستند عالم اور حکیم الامت مولوی اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں:۔

فی الفتاوی الخیریۃ من الکراہۃ والاستحسان جاء فی الحدیث ما اقتضی طلب الجہر بہ نحو وان ذکرنی فی ملأ ذکرتہ فی ملأ خیر منہم سلہ

"فتاوے خیریہ میں علامہ رملی لکھتے ہیں کہ حدیث میں وہ چیز وارد ہے جو جہر کا اقتضاء کرتی ہے جیسے اگر بندہ میرا ذکر جماعت میں کرے تو میں اس کا ذکر اس سے بہتر جماعت میں کرتا ہوں۔"

سرفراز صاحب! اب آپ خود ہی سوچیے کہ اس حدیث سے ذکر بالجہر پر استدلال کرنے میں ہم تنہا نہیں ہیں، علامہ ابن حجر عسقلانی، علامہ احمد عسقلانی، علامہ سیوطی، شیخ عبدالحق محدث دہلوی، علامہ خیرالدین رملی، علامہ ابن عابدین شامی، مولانا عبدالحی لکھنوی، مولوی اشرف علی تھانوی اور مولوی انور شاہ کشمیری یہ تمام حضرات اسی حدیث سے ذکر بالجہر

سلہ مباحثہ الفکر فی الجہر بالذکر، ص ۶۲۔

سلہ امداد الفتاوے، ج ۴، ص ۴۴۔

استدلال کرتے ہیں تو کیا یہ سب غلط کہتے ہیں ؟

حدیثِ نسائی

عن سعید بن عبد الرحمٰن بن ابزی عن ابیہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ کان یوتر بسبح اسم ربک الاعلیٰ وقل یا ایہا الکافرون وقل ہو اللہ احد ویقول بعد ما یسلم سبحان الملک القدوس ثلاث مرات یرفع بہا صوتہ[1]

"عبد الرحمٰن بن ابزیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم وتر میں سبح اسم ربک الاعلیٰ، قل یا ایہا الکافرون اور قل ہو اللہ احد پڑھتے تھے اور سلام پھیرنے کے بعد تین بار بآوازِ بلند سبحان الملک القدوس کا ذکر فرماتے تھے۔"

رسالہ ذکر بالجہر میں اس حدیث کی شرح میں یہ عبارت نقل کی گئی ہے :۔

قال المظہر ہذا یدل علی جواز الذکر برفع الصوت بل علی الاستحباب[2]

"علامہ مظہر نے فرمایا کہ یہ حدیث ذکر بالجہر کے جواز بلکہ استحباب پر دلالت کرتی ہے۔"

سرفراز صاحب اس پر لکھتے ہیں :۔

"نہایت افسوس ہے کہ مؤلفِ مذکور نے علامہ مظہر کی عبارت اس مقام پر لفظ 'الاستحباب' تک نقل کی ہے اور آگے ضروری فیہ اور

---

[1] نسائی شریف ، ج ۱ ، ص ۲۵۲ -

[2] مرقاۃ المفاتیح ، ج ۳ ، ص ۱۷۳ -

شرط ترک کر دی ہے۔" ؎۱

سرفراز صاحب کا یہ افسوس بے جا ہے کیونکہ علامہ مظہر کی پوری عبارت ہم نے رسالہ ذکر بالجہر ص ۳۵ میں ارشاداتِ علماء اور ذکر بالجہر کے عنوان کے تحت ذکر کر دی ہے، لیجئے وہ پوری عبارت ہم یہاں پھر ذکر کئے دیتے ہیں کیونکہ اس عبارت کا ایک ایک لفظ ہماری تائید کرتا ہے اور مانعینِ ذکرِ الٰہی کے لئے اس میں رتی برابر بھی فائدہ نہیں ہے:

قال المظهر هذا يدل على جواز الذكر برفع الصوت بل على الاستحباب اذا اجتنب الرياء اظهار للدين و تعليما للسامعين و ايقاظا لهم من مرقدة الغفلة و ايصالا لبركة الذكر الى مقدار ما يبلغ الصوت اليه من الحيوان و الشجر و الحجر وطلب اقتداء الغير بالخير و يشهد كل رطب و يابس سمع صوته ؎۲

" علامہ مظہر نے فرمایا کہ یہ حدیث ذکر بالجہر کے جواز بلکہ استحباب پر دلالت کرتی ہے جبکہ ریاکاری مقصود نہ ہو تاکہ دین کا اظہار ہو، ناواقفوں کو تعلیم ہو، خوابِ غفلت میں سونے والوں کو بیداری نصیب ہو اور ذکر کی برکت سے شجر و حجر، انسان و حیوان سب کو نفع پہنچے اور دوسروں کو اقتداء بالخیر حاصل ہو اور ہر خشک و تر چیز اس ذکر کی گواہی دے۔"

علامہ مظہر نے اس عبارت میں ذکر بالجہر کے لئے ریاکاری سے اجتناب کی شرط کا ذکر کیا ہے اور یہ کوئی نئی بات نہیں ہے، ہم بارہا اس کا ذکر کر چکے ہیں، اس کے بعد انہوں نے جہر کے چھ دواعی اور فوائد ذکر کئے ہیں۔

؎۱ حکم الذکر بالجہر، ص ۲۵۳، ۲۵۴۔

؎۲ مرقاۃ، ج ۳، ص ۱۲۳۔

۱۔ اظہارِ دین

۲۔ ناواقفوں کو تعلیم

۳۔ غافلوں کو تنبیہ

۴۔ ایصالِ برکاتِ ذکر

۵۔ حصولِ خیر میں دوسری کی اقتدار کی طلب

۶۔ ذکر پہ گواہی کا حصول

ان چھ اسباب میں سے ایک سبب تعلیم بھی ہے اور یہ بالکل حق و صواب ہے لیکن اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ ذکر بالجہر تب ہی جائز اور مشروع ہوگا جب اس سے مقصود دوسروں کو تعلیم ہوگی جیسا کہ سرفراز صاحب نے اپنی کوتاہ فہم سے سمجھا ہے، قطعاً باطل اور مردود ہے۔

اس عبارت پر بحث کرتے ہوئے سرفراز صاحب لکھتے ہیں :۔

" اور پھر اس میں بعض مشائخ کے حوالہ سے آہستہ ذکر کے افضل ہونے کی تصریح بھی ہے اور آخر میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے حوالہ سے اس کی بھی تصریح کر دی گئی ہے کہ جن مقامات پر ذکر بالجہر مروی ہے ان کے علاوہ ذکر آہستہ ہی افضل اور بہتر ہے۔" ؎

الجواب

WWW.NAFSEISLAM.COM

بعض مشائخ کا آہستہ ذکر کو افضل کہنا ہمارے خلاف نہیں ہے جیسا کہ سرفراز صاحب نے اپنی کوتاہ فہم سے باور کر لیا ہے کیونکہ افضل کا خلاف عدمِ جواز یا بدعت کو مستلزم نہیں ہوتا جو مخالفین کا مذموم مدعا ہے، رہا بعض لوگوں کا یہ کہنا کہ جن مقامات پر جہر مروی نہیں ہے وہاں آہستہ ذکر ہی افضل ہے تو اولاً تو آہستہ ذکر کی افضلیت ہمارے خلاف نہیں، ثانیاً یہ کہ نمازوں کے بعد تو جہر مروی ہے پس آپ اپنے قول ہی پر عمل کرتے ہوئے

؎ حکم الذکر بالجہر ، ص ۲۵۵۔

کم از کم نمازوں کے بعد تو اللہ تعالیٰ کے ذکر بالجہر پر واویلا نہ کیجئے، نیز آپ نے حاشیۂ مشکوٰۃ سے تو شیخ عبدالحق کی عبارت نقل کر دی اور خود شیخ محقق کی تصنیف میں ان کی یہ عبارت آپ کو نظر نہیں آئی۔

بدانکہ جہر بذکر مطلقاً بعد از نماز مشروع است وارد شدہ است در وے احادیث [1]

" بلند آواز سے ذکر کرنا نماز کے بعد مطلقاً مشروع ہے اور اس باب میں احادیث وارد ہیں۔"

لیجئے جناب! ہم نے علامہ مظہر کی پوری عبارت پیش کر دی ہے، بتلائیے اس کے بعد بھی ہمارے مسلک میں ذرہ برابر فرق واقع ہوا؟ ؎

یہ تری گلی کی قیامتیں کہ لحد کے مردے اکھڑ گئے
یہ مری جبین نیاز ہے کہ جہاں دھری تھی وہیں رہی

دیگر احادیث

رسالہ ذکر بالجہر ص ۳۰، ۳۱ میں صحیح مسلم سے ایک طویل حدیث پیش کی گئی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ فرشتوں کی جماعت مجالس ذکر تلاش کرتی ہے اور جب وہ کسی جگہ ذکر کرنے والوں کو دیکھتی ہے تو وہ ان کا ذکر سنتی ہے اور بعد میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کرتی ہے کہ تیرے بندے تیرا ذکر کرتے ہوئے کلمہ "لا الٰہ الا اللہ" پڑھتے تھے اور تیری تسبیح و تحمید کر رہے تھے یعنی سبحان اللہ اور اللہ اکبر کہتے تھے، اللہ تعالیٰ نے خوش ہو کر ان کی بخشش کا اعلان فرما دیتا ہے (ملخصاً) [2]

اس حدیث سے ذکر بالجہر پر تین وجہ سے استدلال ہوتا ہے:۔

۱۔ جماعت کے ساتھ جو ذکر ہو وہ ذکر بالجہر ہوتا ہے۔

---

[1] اشعۃ اللمعات، ج ۱، ص ۴۱۸۔

[2] مسلم شریف، ج ۲، ص ۳۵۲۔

۲۔ فرشتوں کا ذکر سننا جہر پر قرینہ ہے۔

۳۔ یھللون (سب لا الٰہ الا اللہ کہتے تھے) صیغۂ جمع ہے، جب تک سب مل کر جہر نہ کریں اس میں جماعتی رنگ نہیں آئے گا۔

سرفراز صاحب ان وجوہ پر طفلانہ اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں :۔

"اس ساری روایت میں کہیں بھی جہر کا ذکر نہیں ہے، مؤلف مذکور نے متعدد حوالے دے کر جہر کے اثبات کے لئے جو سیڑھیاں تیار کی ہیں وہ ان کو سود مند نہیں ہیں اولاً تو اس لئے کہ اس حدیث میں ذکر سے علی التعیین معہود ذکر مراد لینا قطعی نہیں ہے، اس میں وعظ و نصیحت اور قرآن حدیث کا ذکر بھی مراد ہو سکتی ہے اور واعظ و مقرر سے کوئی اچھا جملہ سن کر بعض اوقات پورا مجمع سبحان اللہ یا اللہ اکبر وغیرہ کے الفاظ کہہ کر داد تحسین بھی دے سکتا ہے اور دیا کرتا ہے" [1]

الجواب

اس حدیث شریف سے کلمہ اور تسبیح و تحمید کا ذکر ہی قطعی طور پر مراد ہے کیونکہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اسی ذکر کو پیش کریں گے، جب اللہ تعالیٰ نے پوچھا کہ بندے کیا کر رہے تھے تو فرشتوں نے یہ نہیں کہا کہ وعظ سن رہے تھے بلکہ کلمہ اور تسبیح کو پیش کیا۔ سرفراز صاحب نے جو بچگانہ احتمال نکالا ہے کہ واعظ سے کوئی اچھا جملہ سن کر سبحان اللہ کہنا بھی مراد ہو سکتا ہے، یہ قطعاً باطل ہے کیونکہ ایسی صورت میں وعظ مقصود بالذات ہوتا اور سبحان اللہ کا ذکر بالتبع ہوتا اور یہاں فرشتے سبحان اللہ وغیرہ کے ذکر کو پیش کریں گے جس سے معلوم ہوا کہ یہی ذکر مقصود بالذات ہے۔

اس حدیث سے ذکر بالجہر پر استدلال کی دوسری وجہ یہ تھی کہ فرشتوں کا سننا بھی جہر پر قرینہ ہے، سرفراز صاحب اس دلیل پر کوتاہ فہمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں :۔

---

[1] حکم الذکر بالجہر ، ص ۲۵۶۔

"کیا ضروری ہے کہ ذکر بالجہر ہو تب ہی فرشتے سنیں یا ایک دوسرے کو سننے پر آمادہ اور برانگیختہ کریں؟ کیا آہستہ ذکر کو فرشتے نہیں سنتے اور کیا آہستہ ذکر کو کراماً کاتبین نہیں لکھتے؟ مؤلفِ مذکور نے یہ کیسے اور کیونکر سمجھ لیا ہے کہ جہر ہو تبھی فرشتے سنتے ہیں؟" ؎۱

الجواب

جنابِ من! غصہ تھوک دیجئے، علمی اور تحقیقی گفتگو میں غیظ و غضب کا کیا کام؟ ہم اس سلسلہ میں اور کسی کا حوالہ کیا پیش کریں، خود آپ کی پیش کردہ عبارت اور آپ کے کئے ہوئے ترجمہ سے ہی بتا دیتے ہیں کہ آہستہ ذکر کو فرشتے نہیں سنتے، ملاحظہ فرمائیے یہ آپ کی پیش کی ہوئی عبارت ہے اور آپ ہی کا کیا ہوا ترجمہ ہے:۔

اخرج ابو یعلیٰ عن عائشۃ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افضل الذکر الخفی الذی لا یسمعہ الحفظۃ سبعون ضعفا اذا کان یوم القیمۃ ؎۲

"محدث ابو یعلیٰ نے حضرتِ عائشہ کی یہ روایت نقل کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ آہستہ ذکر جس کو کراماً کاتبین بھی نہیں سنتے، قیامت کے دن ستر گناہ بڑھا ہوا ہو گا۔"

لیجئے جناب ہم پر تو آپ برہم ہو رہے تھے، اب تو آپ کی ہی تحریر سے ثابت ہو گیا کہ آہستہ ذکر کو فرشتے نہیں سنتے ؎

میری نگاہِ شوق پہ اتنی ہیں سختیاں
اپنی نگاہِ شوخ کی کچھ بھی خبر نہیں

رہا یہ امر کہ اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ذکر بالسر ذکر بالجہر پر ستر مرتبہ

؎۱ حکم الذکر بالجہر، ص ۲۵۔

؎۲ ایضاً ، ص ۲۷، ۲۸۔

فضیلت رکھنا تو اس کا جواب یہ ہے کہ در اصل یہ قاضی ثناء اللہ یا ابو یعلیٰ کا وہم ہے، اصل روایت جیسا کہ شاہ عبدالعزیز لکھتے ہیں :۔

وفضل الذکر الذی یسمع الحفظۃ علی الذی لا یسمع الحفظۃ بسبعین ضعفا [1]

"جس ذکر کو کراماً کاتبین سنتے ہیں وہ اس ذکر سے ستر گنا زیادہ ہے جس کو کراماً کاتبین نہیں سنتے ۔"

ایک اور سوال ملاحظہ ہو :۔

"یہ احتمال بھی موجود ہے کہ یہ مجلس ذکر وہ ہو جس میں تعلیم ذکر مقصود ہو" [2]

الجواب

متن حدیث میں ایسا کوئی لفظ نہیں ہے جس کو تعلیم پر محمول کیا جا سکے بلکہ صاف اور صریح طور سے یہ الفاظ مذکور ہیں کہ وہ لوگ "لا الٰہ الا اللہ" اور اللہ اکبر کا ذکر کرتے ہیں، اس قسم کے بے بنیاد احتمالات ریت پر بنائی ہوئی دیوار سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتے۔

سرفراز صاحب کے ترکش کا آخری تیر ملاحظہ ہو :۔

"رابعاً جو شخص قصداً و ارادہ کے ساتھ مجلس ذکر میں بیٹھ کر ذکر سنتا ہو وہ ایک شخص ہو یا کئی اشخاص ہوں، شرعاً سب ذاکر متصور ہوتے ہیں اور سب ثواب کے مستحق ہیں حالانکہ ایک جملہ بھی وہ زبان سے نہیں بولتے، کیا ضروری ہے کہ سب بولیں تب ہی ذاکر ہوں چنانچہ ملا علی قاری سے مؤلف مذکور نے نقل کیا ہے کہ ذکر کو سننا بھی ذکر ہوتا ہے" (ملخصاً) [3]

---

[1] فتاوٰی عزیزی ، ج ۱ ، ص ۱۷۔

[2] حکم الذکر بالجہر ، ص ۲۵۷۔

[3] ایضاً ، ایضاً۔

الجواب

جب ایک شخص ذکر کرے اور باقی سن رہے ہوں تو ذکر کرنے والے ذکر کے ساتھ حقیقۃً اور ذکر سننے والے ذکر کے ساتھ حکماً اور مجازاً متصف ہوں گے۔ اب سوال یہ ہے کہ حدیث شریف میں یھللونک اور یسبحونک کے الفاظ وارد ہیں، اس سے مراد سب کا ذکر کرنا ہے یا سب کا ذکر سننا یا اس لفظ سے ذکر کرنا اور سننا دونوں مراد ہیں۔ اگر سب کا زبان سے ذکر کرنا مراد ہو تو ہمارا مدعا ثابت ہے اور اگر سب کا ذکر سننا مراد ہو تو جب کسی ذکر کرنے والے کا ذکر نہیں ہے تو ذکر سننے والے کہاں سے آگئے اور بغیر کسی ذاکر کے ذکر سننا محض باطل ہے اور اگر اس لفظ سے ذکر کرنا اور سننا دونوں مراد ہوں تو لفظِ واحد سے حقیقت اور مجاز دونوں کا ارادہ کرنا لازم آئے گا اور مرقاۃ اور اصول الشاشی پڑھنے والا ابتدائی طالب علم بھی جانتا ہے کہ جمع بین الحقیقۃ والمجاز باطل ہے۔

حدیثِ مسلم

مسلم شریف کی ایک طویل حدیث کے ضمن میں ہے:۔

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خرج علی حلقۃ من اصحابہ فقال ما اجلسکم ھھنا قالوا جلسنا نذکر اللہ ونحمدہ علی ما ھدانا للاسلام ومن بہ علینا قال ما اجلسکم الا ذلک قالوا ما اجلسنا الا ذلک قال اما انی لم استحلفکم تھمۃ لکم ولکنہ اتانی جبریل فاخبرنی ان اللہ عزوجل یباھی بکم الملائکۃ [1]

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کی ایک جماعت کے پاس آئے اور فرمایا

---

[1] مسلم شریف ، ج ۲ ، ص ۳۵۵۔

تم یہاں کیوں بیٹھے ہو ؟ عرض کیا ہم اللہ تعالےٰ کا ذکر کر رہے ہیں اور اس کا شکر ادا کر رہے ہیں کہ اس نے ہم کو اسلام کی ہدایت دی، فرمایا تم کھاؤ کہ اسی لئے بیٹھے ہو، انہوں نے کہا قسم بخدا ہم اسی لیئے بیٹھے ہیں پس فرمایا میں نے بدگمانی کی وجہ سے تم سے قسم نہیں لی، بات یہ ہے کہ میرے پاس جبرئیل آئے اور بتلایا کہ اللہ تعالےٰ تمہاری وجہ سے فرشتوں پر فخر کر رہا ہے "

رسالہ ذکر بالجہر کے ص ۳۳ پر یہ حدیث ذکر کی گئی ہے اور " نذکر اللہ " (ہم اللہ کا ذکر کر رہے ہیں) اور اس حدیث میں مذکور جماعت کی وجہ سے ذکر بالجہر پہ استدلال کیا گیا ہے۔ سرفراز صاحب اپنی کوثر و تسنیم سے دھلی ہوئی زبان سے اس استدلال پہ تبصرہ کرتے ہیں :-

" یہ حدیث بھی ذکر بالجہر کے مسئلہ سے غیر متعلق ہے، اس سے تو صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضراتِ صحابہ کرام نے آپس میں بیٹھ کر اس بات کا تذکرہ اور اللہ تعالےٰ کا شکریہ ادا کیا کہ اس نے ان کو اسلام جیسی نعمتِ عظمیٰ اور دولتِ بے پایاں نصیب فرمائی۔ اس میں اس ذکر کا کیا اور کس جملہ سے ثبوت ملتا ہے جس کے اثبات پر مؤلفِ مذکور خواہ مخواہ ایڑی چوٹی کا زور صرف کر رہا ہے " لہ

الجواب

اس حدیث سے ذکر بالجہر پہ استدلال کرنے میں صرف مؤلف ہی تنہا نہیں ہے، علامہ جلال الدین سیوطی نے بھی الحاوی للفتاوےٰ ج ۱ ص ۳۹۰ میں مسلم شریف کی اسی حدیث سے ذکر بالجہر پہ استدلال کیا ہے اور مولانا عبدالحی لکھنوی نے سباحۃ الفکر فی الجہر بالذکر ص ۲۴ میں اس حدیث سے ذکر بالجہر پہ استشہاد کیا ہے

لہ حکم الذکر بالجہر ، ص ۲۵۹ -

علاوہ ازیں مولوی اشرفعلی تھانوی نے بھی اسی مضمون کی دو حدیثوں سے ذکر بالجہر پر استدلال کیا ہے، چنانچہ لکھتے ہیں :۔

"پس بعد مشروعیت جہر کسی طور و ہیئت کے ساتھ مقید نہیں بلکہ بوجہ اطلاق اور مطلق ہے خواہ منفرد ہو یا مجتمع حلقہ باندھ کر ہو یا صف باندھ کر یا کسی اور صورت سے کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر، ہر طور سے جائز ہے۔" [۱]

تھانوی صاحب نے مذکور الصدر دعویٰ کے اثبات کے لئے جو احادیث پیش کی ہیں، ان میں سے بعض یہ ہیں :۔

(۱) عن ابی سعید قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یقعد قوم یذکرون اللہ الا حفتھم الملائکۃ۔ (مسلم شریف)

"کوئی قوم اللہ تعالےٰ کا ذکر کرنے کے لئے نہیں بیٹھتی مگر اللہ تعالےٰ کی رحمت اس کا احاطہ کر لیتی ہے۔"

(۲) عن انس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لان اقعد مع قوم یذکرون اللہ من صلوٰۃ العصر الی ان تغرب الشمس احب الی من ان اعتق رقبۃ (رواہ ابوداؤد) [۲]

"حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میں عصر سے مغرب تک ان لوگوں کے ساتھ بیٹھوں جو اللہ تعالیٰ کا ذکر کر رہے ہوں تو یہ مجھے اس سے زیادہ پسند ہے کہ میں چار غلاموں کو آزاد کروں۔"

---

[۱] امداد الفتاویٰ ، ج ۴ ، ص ۴۵۔
[۲] ایضاً ، ایضاً۔

WWW.NAFSEISLAM.COM

ان احادیث سے علامہ سیوطی اور تھانوی صاحب نے ذکر بالجہر پر استدلال کیا ہے اگر ہم کوکوسنے سے یہ استدلال ساقط ہو جائے تو الگ بات ہے ورنہ دلائل کی روشنی میں یہ استدلال ساقط نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ سرفراز صاحب اور دیگر مانعین ذکر کو ہدایت عطا فرمائے تاکہ مساجد میں وہ لوگوں کو ذکرِ الٰہی سے روک کر اپنا شمار ظالمین بلکہ اظلمین کی وعید میں نہ کرائیں۔

یہاں تک ہم نے ذکر بالجہر کے اثبات سے متعلق ان احادیث پر گفتگو کی ہے جنہیں ہم نے رسالہ ذکر بالجہر میں پیش کیا تھا اور سرفراز صاحب نے ان احادیث کی وجہ استدلال کو چیلنج کیا تھا، اب ہم اثباتِ جہر کے لئے چند اور احادیث پیش کرتے ہیں۔

WWW.NAFSEISLAM.COM

اثباتِ جہر مزید احادیث کی روشنی میں

(۱) اخرج الحاکم وصححہ البیہقی فی شعب الایمان عن ابی سعید الخدری قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکثروا ذکر اللہ حتی یقولوا مجنون [1]

"حاکم نے اپنی سند سے بیان کیا ہے اور بیہقی نے شعب الایمان میں اس کی روایت کی اور اسے حدیثِ صحیح قرار دیا۔ ابو سعید خدری سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کا ذکر اس کثرت سے کرو کہ لوگ تمہیں مجنون کہیں"

(۲) اخرج البیہقی فی شعب الایمان عن ابی الجوزاء رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکثروا ذکر اللہ حتی یقول المنافقون انکم مراؤن [2]

"بیہقی نے شعب الایمان میں ابو جوزا سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر اس کثرت سے کرو کہ منافقین تم کو ریاکار کہنے لگیں"

WWW.NAFSEISLAM.COM

علامہ سیوطی فرماتے ہیں کہ ان حدیثوں کی دلالت ذکر بالجہر پر اس وجہ سے ہے کہ لوگوں کا ذکر کرنے والے کو مجنون یا ریاکار کہنا اسی وقت متصور ہو سکتا ہے جب وہ جہر کے ساتھ ذکر کر رہے ہوں۔

---

[1] الحاوی للفتاوےٰ ، ج ۱ ، ص ۳۹۰۔

[2] ایضاً ، ایضاً۔

(۳) اخرج البیہقی عن زید بن اسلم قال ابن الادرع انطلقت مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم لیلۃ فمر برجل فی المسجد یرفع صوتہ قلت یارسول اللہ عسی ان یکون ھذا مرائیا قال ولکنہ اواہ ۱؎

"علامہ بیہقی نے اپنی سند کے ساتھ ابن ادرع سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ میں ایک رات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جا رہا تھا کہ ایک شخص کو مسجد میں بلند آواز سے ذکر کرتے ہوئے دیکھا میں نے عرض کیا حضور! یہ شخص ریاکار لگتا ہے، آپ نے فرمایا نہیں! یہ آہ و زاری کرنیوالا شخص ہے"

(۴) اخرج احمد وابوداؤد والترمذی وصححہ النسائی وابن ماجۃ عن السائب ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال جاءنی جبرئیل فقال مر اصحابک یرفعوا اصواتہم بالتکبیر ۲؎

"امام احمد، ابوداؤد اور ترمذی نے اور نسائی اور ابن ماجہ نے حدیث صحیح کی تصریح کے ساتھ اپنی سند سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جبرئیل میرے پاس آیا اور کہا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اپنے صحابہ سے کہو کہ تکبیر (اللہ اکبر) بلند آواز سے کہا کریں"

(۵) اخرج المروزی فی کتاب العیدین عن مجاہد ان عبد اللہ بن عمرو اباہریرۃ کانا یاتیان السوق

۱؎ الحاوی للفتاوی للسیوطی، ج۱، ص ۳۹۱۔

۲؎ ایضاً ، ایضاً۔

WWW.NAFSEISLAM.COM

ایام الحشر فیکبران لامیا تیان السوق الا کذلک واخرج ایضاً عن عبید بن عمیر قال کان عمر یکبر فی قبتہ فیکبر اھل المسجد فیکبر اھل السوق حتی ترتج منی تکبیرا[1]

علامہ مروزی نے کتاب العیدین میں اپنی سند کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ حضرتِ عبداللہ بن عمر اور حضرتِ ابوہریرہ عشرۂ ذوالحجہ میں بازار سے جاتے ہوئے بلند آواز سے اللہ اکبر کہتے، یہ دونوں حضرات بازار میں صرف تکبیر کہنے ہی جاتے تھے، نیز ایک اور سند سے انہوں نے روایت کیا کہ حضرتِ عمر اپنے خیمہ میں تکبیر کہتے، اس تکبیر پر اہلِ مسجد بھی تکبیر کہتے اور بازار سے منیٰ میں تکبیر کی آواز یں گونجنے لگتیں۔"

علامہ سیوطی نے نتیجۃ الفکر میں ذکر بالجہر کے جواز کے لئے پچیس اور مولانا عبدالحی نے سباحۃ الفکر میں اڑتالیس احادیث ذکر کی ہیں، ہم نے ان احادیث میں سے یہاں پانچ احادیث پیش کی ہیں، اور جن احادیث کو ہم نے پہلے پیش کر کے ان پر مفصل گفتگو کی ہے ان سب کو ان دونوں حضرات نے اپنے اپنے رسالوں میں ذکر کیا ہے۔

آئندہ سطور میں ہم مانعین کی پیش کردہ احادیث اور ان احادیث سے ان کے استدلال کو زیرِ بحث لائیں گے۔

اربعوا علیٰ انفسکم

عام طور پر منکرین ذکر بالجہر جس حدیث نبوی سے ذکر بالجہر کی نفی پر استدلال کرتے ہیں وہ یہ ہے :۔

حضرتِ ابوموسیٰ عبداللہ بن قیس الاشعری المتوفی ۵۰ھ روایت کرتے ہیں کہ :۔

لما غزیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیبر او قال

---

[1] الحاوی للفتاوی، ج ۱، ص ۳۹۳۔

لما توجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اشرف الناس علیٰ واد فرفعوا اصواتہم بالتکبیر اللہ اکبر اللہ اکبر فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اربعوا علیٰ انفسکم انکم لا تدعون اصم ولا غائبا انکم تدعون سمیعا قریبا وھو معکم (الحدیث) (بخاری ج ۲ ص ۶۰۵)

"جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ خیبر سے نکلے یا یہ کہا آپ متوجہ ہوئے تو لوگ ایک میدان میں پہنچے سو انہوں نے بلند آواز سے اللہ اکبر اللہ اکبر کہنا شروع کر دیا، اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنی جانوں پر نرمی کرو، بے شک تم بہرے اور غائب کو نہیں پکارتے، تم اسے پکارتے ہو جو سننے والا اور قریب ہے اور وہ تمہارے ساتھ ہے۔"[1]

الجواب

سنداً یہ حدیث صحیح ہے لیکن منکرین کے دعویٰ پر اس کی دلالت نہیں ہے اور نہ ہمارے موقف کے مخالف ہے۔ رسالہ ذکر بالجہر میں اس حدیث کے سات جواب دئے گئے ہیں جن میں سے اکثر کو سرفراز صاحب اپنی کوتاہ فہم اور ناقص ذہن کی بنا پر نہیں سمجھ سکے، پہلا جواب یہ تھا:۔

"اولاً یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فرمان مبارک سے نہ تو مطلقاً جہر کی ممانعت فرمائی ہے اور نہ جہر متوسط کی (من ادعیٰ فعلیہ البیان) بلکہ اس فرمان سے جہر مفرط کی نفی فرمائی ہے چنانچہ مولوی رشید احمد گنگوہی کہتے ہیں قال علیہ السلام اربعوا علیٰ انفسکم الحدیث اور یہ بھی ذکر جہری ہے رفق کو فرمایا ہے، گلو پھاڑنے سے منع فرمایا ہے اور مطلق آیات واحادیث بہت جواز پر دال ہیں۔" فتاویٰ رشیدیہ (ذکر بالجہر ص ۵۴)

---

[1] حکم الذکر بالجہر، ص ۴۹، ۵۰۔

WWW.NAFSEISLAM.COM

سرفراز صاحب اس جواب پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں :۔

"مؤلف مذکور نے یہ جو کچھ لکھا ہے اس کو سود مند نہیں ہے، اول اس لئے کہ اس حدیث سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جہرِ مفرط سے نہی نہیں فرمائی بلکہ مطلق جہر سے نفی فرمائی ہے (الیٰ ان قال) اور اس جہر میں جہرِ متوسط بھی شامل ہے، اس سے جہرِ متوسط کو خارج کرنا اور ہم سے بیان کا مطالبہ کرنا بے سود ہے بلکہ قطعی طور پہ جہرِ متوسط ثابت کرنے والے پر اس کا بیان لازم ہے (ومن ادعیٰ فعلیہ البیان بالبرہان)" [1]

الجواب

ہم نے برہان پیش کر دی تھی آپ نے غور نہیں فرمایا۔ برہان کی تقریر یہ ہے کہ آپ کے معنوی جدِ امجد مولوی رشید احمد گنگوہی کہتے ہیں کہ اس حدیث میں گلو پھاڑنے سے منع فرمایا ہے۔ اب آپ ہی فرمائیے کہ گلو پھاڑنا جہرِ مفرط ہوتا ہے یا جہرِ متوسط، کاش ہم پر تبرا کرنے سے پہلے آپ گلو پھاڑنے کے مفہوم پر غور کر لیتے!

آئیے اب دیکھیں کہ اس حدیث میں نہی کو جہرِ مفرط پر محمول کرنے میں مؤلف کا دامن کن کن حضرات سے وابستہ ہے۔

فخر المتاخرین علامہ سید آلوسی فرماتے ہیں :۔

ان النهي المستفاد التزاما من امر اربعوا الذي بمعنى ارفقوا ولا تجهدوا انفسكم مراد به النهي عن المبالغة في رفع الصوت [2]

"اس حدیث میں "اربعوا" (نرمی کرو) کے امر سے جو التزاماً ذکر بالجہر سے نفی مستفاد ہوتی ہے اس سے ذکر بالجہر میں آواز کو بلند کرنے میں مبالغہ اور افراط مراد ہے۔"

WWW.NAFSEISLAM.COM

---

[1] حکم الذکر بالجہر، ص ۵۳۔

[2] روح المعانی، ج ۱۶، ص ۱۶۳۔

اور علامہ خیر الدین رملی لکھتے ہیں :-

فان قلت صرح فی الخانیۃ بان رفع الصوت بالذکر حرام لقولہ صلی اللہ علیہ وسلم لمن رفع صوتہ بالذکر انک لا تدعو اصم ولا غائبا وقولہ صلی اللہ علیہ وسلم خیر الذکر الخفی لانہ ابعد من الریاء واقرب الخضوع محمول علی الجھر الفاحش المضر [1]

"اگر تم یہ کہو کہ فتاوی خانیہ میں تصریح ہے کہ بلند آواز سے ذکر حرام ہے کیونکہ حضور نے جہر کرنے والوں کو فرمایا تم کسی بہرے اور غائب کو نہیں پکار رہے اور آپ نے فرمایا بہتر ذکر آہستہ ہے کیونکہ یہ ریاکاری سے دور ہے، تو میں کہوں گا کہ یہ کلام اس جہر کے بارے میں ہے جو مفرط اور مضر ہو"

اور شاہ ولی اللہ "اشغالِ قادریہ" کے بیان میں لکھتے ہیں :-

فاول ما یلقن لہ الجھر بذکر اللہ تعالیٰ والمراد بھذا الجھر ھو غیر المفرط فلا منافاۃ بینہ وبین ما نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حیث قال اربعوا علی انفسکم (الحدیث) [2]

"مشائخ قادریہ سب سے پہلے ذکر بالجہر کی تلقین کرتے ہیں اور اس جہر سے مراد غیر مفرط ہے، اسی وجہ سے یہ ذکر بالجہر اس حدیث کے منافی نہیں ہے جس میں فرمایا ہے اپنے نفسوں کے ساتھ نرمی کرو"

شاہ ولی اللہ کی اس عبارت سے معلوم ہوا کہ جہرِ متوسط جائز ہے اور حدیث

---

[1] فتاوی خیریہ علی ہامش تنقیح الفتاوی الحامدیہ ، ج ۲ ، ص ۲۸۱ ، ۲۸۲ ۔

[2] القول الجمیل ، ص ۴۹ ، ۵۰ ۔

WWW.NAFSEISLAM.COM

میں جس جہر سے منع فرمایا ہے وہ جہر مفرط ہے۔

مولانا عبدالحی لکھنوی نے اس حدیث کے تین جواب دیئے ہیں، دوسرا جواب یہ ہے :-

وثانیا بان جهرهم کان مفرطا کما یدل علیه سیاق بعض الروایات قال فی فتح الودود شرح سنن ابی داؤد فی قوله رفعوا اصواتهم دلالة علی انهم بالغوا فی الجهر فلا یلزم منه المنع مطلقا وقال علی القاری فی الحرز الثمین شرح الحصن الحصین فی شرح وان ذکرنی فی ملأ الحدیث هذا یحتمل ان یکون المراد به الذکر الخفی کما یشیر الیه حدیث ذاکر الله فی الغافلین بمنزلة الصابر فی الغاوین ویحتمل ان یکون المعنی مع الملأ وهو لا یفید جواز الجهر المخارج عن الحد فانه صلی الله علیه وسلم قال لبعض اصحابه حین رفعوا اصواتهم علی وجه المبالغة اربعوا علی انفسکم انتهی [1]

دوسرا جواب یہ ہے کہ صحابہ کرام جہر مفرط کر رہے تھے جیسا کہ اس پر بعض روایات دلالت کرتی ہیں اس سے آپ نے ان کو منع فرمایا چنانچہ صاحب فتح الودود نے شرح سنن ابی داؤد میں "رفعوا اصواتہم" کی شرح میں کہا کہ صحابہ کرام بہت زیادہ بلند آواز سے ذکر کر رہے تھے پس اس حدیث سے مطلقاً جہر کی نفی لازم نہیں آتی اور ملا علی قاری نے حرزِ ثمین شرح حصن حصین میں حدیث "وان ذکرنی فی ملأ" کی شرح میں فرمایا اس سے ذکرِ خفی

---

[1] سباحۃ الفکر فی الجہر بالذکر، ص ۵۷۔

بھی مراد ہو سکتا ہے جیسا کہ حدیث ' ذاکر اللہ فی الغافلین بمنزلۃ الصابر فی الفارین میں اشارہ ہے اور مع الملا کا یہ مطلب ہو سکتا ہے کہ حد سے زیادہ جہر نہ کیا جائے کیونکہ جب بعض صحابہ نے بے حد مبالغہ کے ساتھ ذکر کیا تو آپ نے فرمایا ' اربعوا علیٰ انفسکم '۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ مولانا عبدالحی، صاحب فتح الودود اور ملا علی قاری ' ان تینوں حضرات کے نزدیک اس حدیث میں نفی جہر مفرط اور علیٰ وجہ المبالغہ پر محمول ہے اور یہ حدیث جہر متوسط یا مطلقاً جہر کی نفی نہیں کرتی۔

اور اشرف علی تھانوی صاحب لکھتے ہیں :-

" اور حدیث کا جواب لمعات میں اس طرح دیا ہے المنع من الجھر للتیسیر والارفاق لا ان یکون الجھر غیر مشروع (نرمی اور سہولت کا حکم دیا ہے، مطلقاً جہر سے منع نہیں کیا گیا) [1]

اور مولوی شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں :-

واما حدیث انکم لا تدعون اصم ولا غائبا فمحمول عندی علی الافراط فی رفع الصوت [2]

" رہی حدیث انکم لا تدعون اصم ولا غائبا تو وہ میرے نزدیک جہر مفرط پر محمول ہے "

ہم نے جن حضرات کے حوالوں سے یہ ثابت کیا ہے کہ اس حدیث میں جس جہر کی نفی ہے اس سے مراد جہر مفرط علیٰ وجہ المبالغہ ہے ' ان پر ایک بار پھر اجمالاً نگاہ ڈال لیں ۔ علامہ آلوسی، علامہ خیرالدین رملی، الشیخ عبدالحق محدث دہلوی، ملا علی قاری، صاحب

---

[1] فتاوےٰ امدادیہ ، ج ۴ ، ص ۳۵ ۔

[2] فتح الملہم ، ج ۲ ، ص ۱۷۲ ۔

WWW.NAFSEISLAM.COM

فتح الودود، شاہ ولی اللہ، مولانا عبدالحی لکھنوی اور علماء دیوبند میں سے مولوی رشید احمد گنگوہی، مولوی اشرف علی تھانوی اور مولوی شبیر احمد عثمانی، کیا یہ سب لوگ غلط کہتے ہیں؟

رسالہ ذکر بالجہر میں اس حدیث کے سات جوابات پیش کئے گئے ہیں جن سے ایک جواب کی مزید وضاحت ہم نے ہدیۂ قارئین کر دی ہے، مولوی عبدالحی لکھنوی نے اس حدیث کے دو جواب اور لکھے ہیں، ہم تحقیقِ مقام اور تفصیلِ مزید کی خاطر ان دو جوابوں کو بھی پیش کر دیتے ہیں:۔

۱۔ ان الامر فی اربعوا لیس للوجوب حتی یکرہ الجہر او یحرم کیف ومعنی الربع ینبئ عن ان الامر انما ھو للتیسیر علیھم ولذا قال الشیخ الدھلوی فی اللمعات شرح المشکوٰۃ فی قولہ اربعوا اشارۃ الی ان المنع من الجہر للتیسیر والارفاق لا لکون الجہر غیر مشروع انتھی فلا یثبت من ذلک الا استحباب السر ولا کلام فیہ[1]

"اربعوا (نرمی کرو) کا حکم وجوب کے لئے نہیں ہے حتی کہ جہر کو مکروہ یا حرام قرار دیا جائے کیونکہ نرمی کا لفظ آسانی کا معنی دیتا ہے اس لئے شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے لمعات میں اس کی شرح میں فرمایا کہ جہر سے آسانی کی وجہ سے منع کیا گیا ہے نہ اس وجہ سے کہ جہر ناجائز ہو، پس اس حدیث سے زیادہ سے زیادہ آہستہ ذکر کا استحباب ثابت ہوتا ہے اور یہ اتفاقی چیز ہے"

مولانا عبدالحیٔ کے دو جواب آپ ملاحظہ فرما چکے، تیسرا جواب یہ ہے:۔

---

[1] سباحۃ الفکر فی الجہر بالذکر، ص ۵۷۔

ووجہ ثالث هو ان لو لم ینمنعهم رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وعلیٰ آله وسلم بل قررهم علیه لتوهموا ان رفع الصوت بالذکر فی السفر او عند صعود الثنیة مسنون فان السنة کما تثبت بالفعل والقول کذلک تثبت بالتقریر ولیس کذلک فلذلک نهیٰ رسول اللّٰه عنه لسد الذرائع وتیسیرا علی الامة ولا دلالة علی منع الجهر مطلقا کما لا یخفیٰ[1]

" تیسرا جواب یہ ہے کہ اگر حضور صلی اللّٰہ علیہ وسلم ان کو منع نہ فرماتے تو وہ یہ وہم کرتے کہ سفر میں یا کسی گھاٹی پر چڑھتے وقت خصوصیت کے ساتھ ذکر بالجہر کرنا مسنون ہے اور سنت جس طرح قول اور فعل سے ثابت ہوتی ہے یونہی کسی کام سے نہ روکنے سے بھی ثابت ہوتی ہے۔ اس وجہ سے حضور صلی اللّٰہ علیہ وسلم نے سدِ باب اور امت پر آسانی کرتے ہوئے ان کو جہر سے روکا اور اس وجہ سے ذکر بالجہر سے مطلقاً روکنا لازم نہیں آتا "

قارئینِ کرام نے ملاحظہ فرما لیا ہو گا کہ تمام مستند اور محقق علماءِ اسلام اس حدیث کو ذکر بالجہر کے مخالف نہیں سمجھتے البتہ جہرِ فاحش اور جہرِ مفرط کا معاملہ الگ ہے اور ہم اسے ثابت کرنے کے درپے نہیں ہیں۔

خیر الذکر الخفی

مانعینِ ذکر بالجہر ایک اور حدیث کو بھی زیادہ اہتمام سے پیش کرتے ہیں اور وہ یہ ہے: خیر الذکر الخفی (بہتر ذکر آہستہ ہے) یہ حدیث مسند امام احمد بن حنبل میں روایت کی گئی ہے، ہم آپ کے سامنے اسے اس کی پوری سند سے پیش کرتے ہیں :-

---

[1] مساحة الفکر ، ص ۵۷، ۵۸ -

حدثنا عبد اللّٰه حدثنی ابی ثنا وکیع ثنا اسامۃ بن زید عن محمد بن عبد الرحمٰن بن ابی لبیبۃ عن سعد بن ابی وقاص قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم خیر الذکر الخفی وخیر الرزق ما یکفی له

"عبد اللہ، ان کے والد، اسامہ بن زید، محمد بن عبد الرحمٰن، حضرت سعد بن ابی وقاص سے روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، بہتر ذکر آہستہ کرنا ہے اور بہتر رزق قدر کفایت ہے۔"

اس حدیث کی سند میں ایک راوی ہے اسامہ بن زید اور اسامہ بن زید نام کے دو راوی ہیں، اسامہ بن زید عدوی اور اسامہ بن زید لیثی دونوں کا حال ملاحظہ فرمائیے:-

(۱) اسامہ بن زید عدوی ، امامِ احمد خود فرماتے ہیں :-

"یہ شخص حدیث میں قوی نہیں، منکر الحدیث اور ضعیف ہے۔"

یحییٰ بن معین فرماتے ہیں کہ اس کی حدیث لیس بشیٔ ہے یعنی کسی پائے کی نہیں، جوزجانی نے کہا یہ ضعیف ہے۔

ابو حاتم نے کہا اس کی احادیث لائقِ استدلال نہیں، نسائی نے کہا یہ قوی نہیں۔ ابنِ سعد نے کہا اس کی احادیث حجت نہیں، ابنِ حبان نے کہا یہ شخص واہی اور ردی تھا، علی بن مدینی نے کہا زید بن اسلم کی اولاد میں سے کوئی ثقہ شخص نہیں ہے اور ابو داؤد نے کہا یہ شخص ضعیف ہے۔ ؎۲

(۲) اسامہ بن زید لیثی ، امامِ احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ یہ لیس بشیٔ ہے یعنی کچھ بھی نہیں، یحییٰ بن سعید کہتے ہیں کہ یہ ضعیف ہے، ابو حاتم کہتے ہیں کہ اس کی

؎۱ مسند احمد بن حنبل ، ج ۱ ، ص ۱۷۲۔

؎۲ تہذیب التہذیب ، ج ۱ ، ص ۲۰۷، ۲۰۸۔

احادیث لائقِ استدلال نہیں، امام نسائی فرماتے ہیں کہ یہ قوی نہیں، ابن معین کہتے ہیں کہ اس کی احادیث منکر ہیں، دارقطنی نے اس کی احادیث سننے کے بعد لوگوں کو گواہ کر کے کہا میں اس کی احادیث ترک کر دیتا ہوں اور مزید کہا، امام بخاری نے بھی اس سے روایت ترک کر دی تھی اور ابن حبان نے کہا یہ احادیث میں خطا کرتا تھا۔[1]

قارئینِ کرام! یہ ہے وہ واہی، وہمی اور ضعیف راوی جس کی روایت پر مانعین نے آہستہ ذکر کی فضیلت کی بنیاد رکھی ہے اور بزعم خویش جس کی روایت کو اصل قرار دے کر ذکر بالجہر کو مکروہ اور بدعت قرار دیتے ہیں، ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

اب ہم آپ کو یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اس روایت کے ضعف سے قطع نظر کر لیا جائے تو بھی یہ روایت ذکر بالجہر کی صحت اور استحباب کے مزاحم اور مخالف نہیں ہے چنانچہ مولانا عبدالحی لکھنوی تحریر فرماتے ہیں:۔

والجواب عنہ ان ھذا لا یدل علی منع الجھر بل علی افضلیۃ السر ولا کلام فیہ وذلک لان لفظ الخیر لہ استعمالان علی ما ذکرہ صاحب الصحاح وغیرہ احدھما ان یراد بہ معنی التفضیل لا الافضلیۃ وضدہ ح شر وثانیھما ان یراد بہ معنی الافضلیۃ وح فاصلہ اخیر حذفت ھمزتہ تخفیفا وقد سئل السیوطی عن حدیث حیاتی خیر لکم ومماتی خیر لکم من ان کیف یمکن ان یکون کل منھما خیرا من الآخر فاجاب بان للخیر استعمالان فالخیر فی ھذا الحدیث بالاستعمال الاول فیراد بہ التفضیل لا الافضلیۃ

---

[1] تہذیب التہذیب، ج ۱۲، ص ۲۰۹، ۲۱۰۔

والمقصود ان في كل من حياته وموته صلى الله
عليه خيرا اذا عرفت هذا فنقول الخير في قوله
خير الذكر الخفي ليس بالمعنى الاول بل بالمعنى
الثاني فيكون المطلوب ان في الذكر الخفي زيادة
خير وفي الجهر اقل منه لا ان الجهر شر كما فهم
المستدل والباعث على حمله على هذا المطلوب
ورود الاحاديث الصريحة في جواز الجهر [1]

"اس حدیث کا جواب یہ ہے کہ اس سے جہر کی ممنوعیت لازم نہیں آتی بلکہ یہ آہستہ ذکر کی فضیلت کو لازم کرتی ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کیونکہ لفظِ خیر کے دو استعمال ہیں جیسا کہ صاحبِ صحاح وغیرہ نے ذکر کیا، اول یہ کہ اس میں تفضیل یعنی نسبتۃً زیادتی کے معنٰی ہوں اور اس وقت اس کی ضد شر ہے، ثانی یہ کہ اس میں افضلیت کے معنٰی ہوں اور اس صورت میں خیر کا اصل اَخیر ہے پھر تخفیفاً ہمزہ حذف کر دیا گیا۔ علامہ سیوطی سے سوال کیا گیا کہ حدیث میں ہے کہ میری زندگی بھی تمہارے لئے خیر ہے اور میری موت بھی تمہارے لئے خیر ہے' پس اس میں ہر ایک دوسرے کی نسبت خیر کیسے ہو سکتی ہے، انہوں نے جواب دیا کہ خیر کے دو استعمال ہیں اور یہ حدیث استعمالِ اول پر ہے پس اس میں تفضیل مراد ہے اور مطلب اور مقصد یہ ہے کہ حضور کی حیات اور موت دونوں میں خیر ہے اور جب تم نے اس قاعدہ کو جان لیا تو ہم کہتے ہیں کہ خیر الذکر الخفی میں خیر استعمالِ ثانی پر ہے اور مطلب یہ ہے کہ آہستہ ذکر میں بلند آواز سے ذکر کی بہ نسبت زیادہ خیر ہے اور ذکر بالجہر میں نسبتۃً کم خیر ہے نہ یہ کہ ذکر بالجہر شر ہے جیسا کہ مانعین نے سمجھا ہے اور حدیث کو اس معنی پر حمل کرنے کی وجہ یہ ہے ذکر بالجہر کے جواز میں

WWW.NAFSEISLAM.COM

---

[1] سباحۃ الفکر فی الجہر بالذکر ، ص ۶۱ ، ۶۲۔

صراحتاً احادیث وارد ہوئی ہیں"۔

مولانا عبدالحی لکھنوی کے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ حدیث ممنوعیتِ جہر پر دلالت نہیں کرتی بلکہ اس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آہستہ ذکر میں ذکر بالجہر کی بہ نسبت زیادہ فضیلت ہے اور بعض صورتوں میں یقیناً ایسا ہی ہے یعنی جب ریاکاری یا تاذیِ مصلین کا خدشہ ہو لیکن علی العموم والاطلاق یہ بات درست نہیں ہے اس لئے یہ حدیث بر تقدیر صحت و تسلیم عام مخصوص عنہ البعض کے قبیل سے ہے اور یہ بات ہمارے موقف کے کسی طرح مخالف نہیں ہے نیز گذشتہ باب میں علامہ رملی کے حوالہ سے یہ بھی گزر چکا ہے کہ آہستہ ذکر کی فضیلت متوسط جہر کے اعتبار سے نہیں بلکہ جہرِ فاحش اور مضر کے اعتبار سے ہے۔

اثرِ ابنِ مسعود

بعض فقہاء نے اپنی تصانیف میں ایک روایت ذکر کی ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود نے مسجد میں ایک قوم کو ذکر بالجہر کرتے ہوئے دیکھا تو ناراض ہوئے اور ان لوگوں کو مسجد سے نکال دیا، اس روایت کو عام طور پر مانعینِ ذکرِ الٰہی، ذکر بالجہر کے خلاف بطورِ ہتھیار استعمال کرتے ہیں، چنانچہ سرفراز صاحب لکھتے ہیں:۔

"حضرت عبداللہ بن مسعود کی روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ ان کا گذر مسجد میں ذاکرین کی ایک جماعت پر ہوا جس میں ایک شخص کہتا تھا، سو مرتبہ اللہ اکبر پڑھو، تو حلقہ نشین لوگ کنکریوں پر سو تکبیر کہتے، پھر وہ کہتا سو بار لا الٰہ الا اللہ پڑھو، وہ سو بار تہلیل پڑھتے، وہ کہتا سو مرتبہ سبحان اللہ کہو، وہ سنگریزوں پر سو دفعہ تسبیح پڑھتے حضرت ابن مسعود نے فرمایا تم ان سنگریزوں اور کنکریوں پر کیا پڑھتے تھے، وہ کہنے لگے ہم تکبیر و تہلیل و تسبیح پڑھتے رہے ہیں، آپ نے فرمایا:۔

فقال فعدوا من سيئاتكم فانا ضامن من ان لا يضيع من حسناتكم شيئ ويحكم يا امة محمد صلى الله عليه وسلم ما اسرع هلكتكم هؤلاء صحابة بينكم متوافرون وهذه

شباب لم تبل وآنیتہ لم تکسر (الی ان قال) مفتحی باب ضلالۃ۔ (راہِ سنت ص ۱۱۸)

"تم ان کنکریوں پر اپنے گناہ شمار کرو میں اس کا ضامن ہوں کہ تمہاری نیکیوں میں سے کچھ بھی ضائع نہ ہوگا، تعجب ہے تم پر اے امتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کیا ہی جلدی ہلاکت میں پڑ گئے ہو، ابھی تک صحابہ کرام تم میں بکثرت موجود ہیں اور ابھی تک جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے پرانے نہیں ہوئے اور ابھی تک آپ کے برتن نہیں ٹوٹے، اندریں حالات تم بدعت اور گمراہی کا دروازہ کھولتے ہو؟"

الجواب

اس اثر کو ابو محمد عبداللہ بن عبدالرحمٰن دارمی (متوفی ۲۵۵ھ) نے اپنی مسند میں مذکورہ ذیل سند کے ساتھ روایت کیا ہے :-

اخبرنا الحکم بن المبارک انا عمر بن یحیی قال سمعت ابی یحدث عن ابیہ قال کنا الخ (مسند دارمی، ص ۳۸)

اس سند میں ایک راوی ہے عمر بن یحییٰ، حافظ ابو نعیم اس کے بارے میں لکھتے ہیں کہ یہ متروک الحدیث ہے، دار قطنی نے کہا یہ ضعیف ہے اور حافظ ابنِ حجر لکھتے ہیں کہ یہ شخص شعبہ سے مشابہ بالموضوعات، احادیث روایت کیا کرتا تھا [۱]

یہ روایت سند کے اعتبار سے بھی ضعیف اور مجروح ہے اور اصولِ دین سے بھی متصادم ہے اس لئے تمام محققین علماءِ کرام نے اسے رد کر دیا ہے چنانچہ علامہ آلوسی لکھتے ہیں :-

وما ذکر فی الواقعات عن ابن مسعود ...... (الی ان قال) لا یصح عند الحفاظ من الائمۃ المحدثین وعلی فرض

---

[۱] لسان المیزان، ج ۴، ص ۳۳۷۔

صحتہ ھو معارض بما یدل علی ثبوت الجھر منہ رضی اللہ عنہ مما رواہ غیر واحد من الحفاظ و محمول علی الجھر البالغ [1]

"واقعات میں جو اثرِ ابنِ مسعود ذکر کیا گیا ہے وہ ائمہ حدیث اور حفاظ کے نزدیک صحیح نہیں ہے اور بر تقدیرِ صحت، وہ ان آثار سے معارض ہے جن سے ثابت ہے کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ خود بآوازِ بلند ذکر کیا کرتے تھے کیونکہ اس بات کو متعدد حفاظِ حدیث نے ذکر کیا ہے یا پھر ان کا جہر سے منع کرنا جہرِ مفرط پر محمول ہے۔"

علامہ آلوسی نے تین باتیں فرمائی ہیں اور وہ تینوں درست ہیں، اول یہ کہ یہ اثر صحیح نہیں ہے جیسا کہ ہم عمر بن یحییٰ کے ضعف سے بتلا چکے ہیں، ثانی یہ کہ عبداللہ بن مسعود کا جہر سے منع کرنا درایۃً بھی صحیح نہیں کیونکہ وہ خود ذکر بالجہر کیا کرتے تھے، ثالث یہ کہ بر تقدیرِ صحت ان کا منع کرنا جہرِ مفرط پر محمول ہے۔

علامہ جلال الدین سیوطی اس اثر کے بارے میں لکھتے ہیں :-

وعلی تقدیر ثبوتہ فھو معارض بالاحادیث الکثیرۃ الثابتۃ المتقدمۃ وھی مقدمۃ علیہ عند التعارض ثم رأیت ما یقتضی انکار ذلک عن ابن مسعود قال الامام احمد بن حنبل فی کتاب الزھد ثنا حسین بن محمد ثنا المسعودی عن عامر بن شقیق عن ابی وائل قال ھؤلاء الذین یزعمون ان عبد اللہ کان ینھی عن الذکر ما جالست عبد اللہ قط الا ذکر اللہ فیہ [2]

---

[1] روح المعانی، ج ۱۶، ص ۱۶۳۔ [2] الحاوی للفتاوی، ج ۱، ص ۳۹۴۔

WWW.NAFSEISLAM.COM

"برتقدیرِ صحت و ثبوت یہ اثر، ان احادیثِ رسول سے معارض ہے جن میں ذکر بالجہر کا ثبوت ہے اور تعارض کے وقت وہ احادیث اس اثر پر مقدم ہیں، پھر میں نے امام احمد بن حنبل کی کتاب الزہد میں عبداللہ بن مسعود سے وہ روایت دیکھی ہے جو اس اثر کا ابطال کرتی ہے۔ ابووائل نے کہا لوگ کہتے ہیں کہ عبداللہ بن مسعود ذکر بالجہر سے منع کرتے تھے حالانکہ میں ان کے ساتھ کسی مجلس میں نہیں رہا مگر وہ اس میں (باآوازِ بلند) اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے تھے۔"

علامہ سیوطی نے اس عبارت میں دو باتیں فرمائی ہیں، ایک یہ کہ جب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیثِ صحیحہ سے ذکر بالجہر کا جواز اور استحسان ثابت ہو چکا تو برتقدیرِ صحتِ اثر حضرت عبداللہ بن مسعود کتنے ہی بزرگ صحابی کیوں نہ ہوں حضرتِ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے مقابلہ میں ان کی بات نہیں سنی جائے گی، دوسری بات یہ کہ یہ اثر اس لئے بھی مخدوش ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود خود ذکر بالجہر کیا کرتے تھے، معلوم ہوا کسی وضاع راوی نے بطور غلط ان کی طرف انکارِ جہر کی نسبت کر دی ہے۔

علامہ اسمٰعیل حقی حنفی اس اثر پر گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

WWW.NAFSEISLAM.COM

قلت اجاب عنه صاحب الرسالة التحقيقية في طريق الصوفية الشيخ سنبل الخلوتي قدس سره بانه كذب وافتراء على ابن مسعود لمخالفته النصوص القرآنية والاحاديث النبوية وافعال الملائكة قال الله تعالى ومن اظلم ممن منع مساجد الله ان يذكر فيها اسمه وسعى في خرابها اولئك ما كان لهم ان يدخلوها الا خائفين و لو سلمنا صحته ووقوعه فهو لا يعارض الادلة

المذکورة لان اثر والاثر لا یعارض الحدیث کما لا یخفی وابطلان الادلة یدل علی بطلان المدلولات [1]

" میں کہتا ہوں کہ شیخ سنبل غلوتی نے اپنے رسالہ میں اس اثر کے جواب میں فرمایا کہ یہ اثر حضرتِ ابنِ مسعود پر کذب اور افترا ہے کیونکہ یہ اثر نصوصِ قرآنیہ، احادیثِ نبویہ اور افعالِ ملائکہ کے مخالف ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اس شخص سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جو اللہ تعالیٰ کی مساجد میں اس کے ذکر سے منع کرے، اور اگر ہم اس کی صحت مان بھی لیں تب بھی یہ محض ایک صحابی کا قول ہے اور اس میں اتنی قوت نہیں کہ یہ احادیثِ نبویہ کا مزاحم ہو سکے اور جب یہ دلیل باطل ہو گئی تو مدلول یعنی جہر سے منع کرنا بھی باطل ہو گیا "

علامہ اسمٰعیل حقی نے شیخ سنبل کے حوالہ سے تقریباً وہی باتیں نقل فرمائی ہیں جو علامہ آلوسی اور علامہ سیوطی نے ذکر کی ہیں، البتہ یہ بات زائد بیان فرمائی ہے کہ یہ اثر نصوصِ قرآن کا بھی مخالف ہے۔ علامہ اسمٰعیل حقی حنفی صوفی المشرب سہی لیکن جو دلائل انہوں نے پیش کئے ہیں وہ بے وزن نہیں ہیں، ضد اور عناد ہو تو الگ بات ہے ورنہ ان دلائل کو قبول کئے بغیر چارہ نہیں ہے۔

فقہاءِ کرام میں سے علامہ ابن بزاز کردری اور علامہ خیر الدین رملی لکھتے ہیں :-

فان قلت المذکور فی الفتاوی ان الذکر بالجہر ولو فی المسجد لا یمنع احترازا عن الدخول تحت قولہ تعالیٰ ومن اظلم ممن منع مساجد اللہ ان یذکر فیہا اسمہ ومنع ابن مسعود یخالف قولکم قلت الاخراج عن المسجد لو نسب الیہ بطریق الحقیقۃ

---

[1] روح البیان ، ج ۶ ، ص ۲۴۳ -

یجوز ان یکون لاعتقادھم العبادة فیہ ولتعلیم الناس بانہ بدعة والفعل الجائز یجوز ان یکون غیر جائز لغرض یلحقہ [1]

"اگر تم اعتراض کرو کہ کتب فتاویٰ میں مذکور ہے کہ ذکر بالجہر سے، خواہ مسجد میں ہو، منع نہ کیا جائے تاکہ اللہ تعالیٰ کی وعید "اس سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جو اللہ کے ذکر سے منع کرے" میں دخول لازم نہ آئے اور عبداللہ بن مسعود کا ذکر کرنے والوں کو مسجد سے نکالنا اس کے مخالف ہے، تو میں کہوں گا کہ اگر جہر کرنے والوں کو مسجد سے نکالنے کی نسبت حضرت عبداللہ بن مسعود کی طرف حقیقۃً کی جائے تو اس کا سبب یہ ہے کہ ذکر کرنے والوں نے جہر میں عبادت کے انحصار کا اعتقاد کر لیا تھا اور یہ بدعت ہے، پس اگرچہ ذکر بالجہر فی نفسہ جائز ہے لیکن ان کے اس اعتقاد کی وجہ سے ناجائز ہو گیا اور یہ بات ممکن ہے کہ کوئی جائز کام کسی اور سبب سے ناجائز ہو جائے۔"

اس جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ مسجد میں بلند آواز سے ذکر کرنا کتب فتاوے کی تصریحات کے مطابق جائز ہے اور حضرت عبداللہ بن مسعود کا جہر کرنے والوں کو مسجد سے نکالنا اگر صحیح ہو تو اس کا سبب یہ ہے کہ حضرت ابن مسعود کے خیال میں ذکر کرنے والوں نے ذکر کی عبادت کا صرف جہر میں اعتقاد کر رکھا تھا اور یہ بدعت ہے، پس اگرچہ جہر فی نفسہ جائز ہے مگر ان کے اس اعتقاد کی وجہ سے ناجائز ہو گیا تھا لہٰذا حضرت عبداللہ بن مسعود نے اس بدعت کا سد باب کرنے کے لئے ان لوگوں کو مسجد سے نکال دیا۔

مولانا عبدالحی لکھنوی اس اثر کے متعدد جوابات دیتے ہوئے لکھتے ہیں:-

ثانیھا انہ علی تقدیر ثبوتہ معارض بالاحادیث الصحیحة

---

[1] فتاویٰ بزازیہ علی ہامش الہندیہ، ج ۶، ص ۳۷۸۔ فتاویٰ خیریہ علی ہامش تنقیح الفتاویٰ الحامدیہ ج ۲ ص ۲۸۲۔

الصريحة فى جواز الجهر الغير المفرط و هى مقدمة عليه عند التعارض [1]

"یہ اثر صحت اور ثبوت کی تقدیر پر ان احادیثِ صحیحہ سے معارض ہے جن میں متوسط جہر کو بیان کیا گیا ہے یعنی یہ جہر مفرط پر محمول ہے۔"

اس تمام بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ اس اثر کی سند میں عمر بن یحییٰ نام کا ایک مجروح اور ضعیف راوی ہے جس کی وجہ سے یہ اثر ناقابلِ اعتبار ہے اور ائمہ اور حفاظِ حدیث نے اس اثر کو رد کر دیا ہے، علاوہ ازیں بر تقدیرِ ثبوت علامہ سیوطی، علامہ آلوسی، علامہ اسمٰعیل حقی، علامہ ابن بزاز کردری، علامہ خیر الدین رملی اور مولانا عبد الحی وغیرہم نے اس اثر کو جہرِ فاحش اور مفرط پر محمول کر کے اس کو متوسط جہر کے خلاف نہیں سمجھا۔

احادیث کی روشنی میں ذکر بالجہر پر سیر حاصل بحث کرنے کے بعد اب ہم آپ کے سامنے اس مسئلہ پر ائمۂ مجتہدین اور فقہاءِ اسلام کے اقوال کی عبارات کے تحت اس مسئلہ پر گفتگو کرتے ہیں۔

---

[1] سباحۃ الفکر فی الجہر بالذکر ص ۶۱

WWW.NAFSEISLAM.COM

ذکر بالجہر اور فقہاء اسلام

قرآن اور حدیث کی روشنی میں مسئلہ ذکر بالجہر کو ہم دلائل سے پیش کر چکے اور مخالفین کے دلائل کا تجزیہ اور ان کے اعتراضات کے جوابات بھی رقم کئے۔ اب ہم اس مسئلہ کو فقہاء اسلام کے اقوال کی روشنی میں پیش کرتے ہیں اور سب سے پہلے اس مسئلہ میں امام اعظم کی رائے بیان کرتے ہیں۔

امام اعظم اور ذکر بالجہر

مانعین کا کہنا ہے کہ جن مواضع میں خصوصیت کے ساتھ ذکر بالجہر ثابت ہے (جیسے تلبیہ، اذان، خطبہ، تکبیرات تشریق وغیرہا) ان کے علاوہ دوسرے مواقع پر ذکر بالجہر کرنا امام اعظم کے نزدیک مکروہ اور بدعت ہے۔ اس بات کو ثابت کرنے کے لئے وہ امام اعظم کی اپنی عبارت تو کوئی پیش نہیں کر سکے البتہ ادھر ادھر کی بعض کتب فقہ سے اس قسم کی عبارت لائے ہیں کہ تکبیرات تشریق میں صاحبین کا مسلک یہ ہے کہ پانچ دن ہوں اور امام اعظم کا مسلک ہے کہ دو دن ہوں اور اس کی بنیاد یہی ہے کہ امام اعظم کے نزدیک مواضع مخصوصہ کے سوا ذکر بالجہر ثابت نہیں ہے۔

امام اعظم کا مسلک جواز جہر علی الاطلاق ہے

الجواب

جس طرح بعض لوگوں نے امام اعظم کے بارے میں یہ لکھا ہے کہ وہ علی العموم والاطلاق ذکر بالجہر کے قائل نہیں ہیں اسی طرح بعض لوگوں نے اس کے برعکس یہ بھی لکھا ہے کہ امام اعظم بالعموم ذکر بالجہر کے قائل ہیں چنانچہ علامہ آلوسی لکھتے ہیں :۔

والذی نص علیہ الامام النووی فی فتاواہ ان الجہر حیث لا محذور شرعیا مشروع مندوب الیہ بل ھو افضل من الاخفاء فی مذھب الامام الشافعی وھو ظاھر مذھب

الامام احمد و احدی الروایتین عن الامام مالک بنقل الحافظ ابن حجر فی فتح الباری و ھو قول لقاضی خان فی فتاواہ فی ترجمۃ مسائل کیفیۃ القراءۃ و قولہ فی باب غسل المیت و یکرہ رفع الصوت بالذکر فالظاھر انہ لمن یمشی مع الجنازۃ کما ھو مذھب الشافعیۃ لا مطلقا کما تفھمہ عبارۃ البحر الرائق وغیرہ و ھو قول الامامین فی تکبیر عید الفطر کالاضحی و روایۃ عن الامام ابی حنیفۃ نفسہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بل فی مسندہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ما ظاھرہ استحباب الجھر بالذکر مطلقا [1]

ترجمہ: امام نووی نے جس چیز پر اپنے فتاوے میں تصریح کی ہے وہ یہ ہے کہ جب کوئی مانعِ شرعی نہ ہو تو جہر بالذکر نہ صرف مستحسن ہے بلکہ وہ اخفاء سے افضل ہے جس طرح امام شافعی کا مذہب ہے اور یہی امام احمد کا مسلک ہے اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری میں امامِ مالک کا بھی یہی قول نقل کیا ہے اور قاضی خان نے بھی مسائلِ قرارت کے بیان میں اپنے فتاوے میں یہی قول کیا ہے البتہ باب غسل المیت میں کہا ہے ذکر بالجہر مکروہ ہے اور ان کا یہ قول صرف جنازہ کے ساتھ ذکر کرنے کے ساتھ مخصوص ہے جیسا کہ شافعیہ کا مذہب ہے اور انہوں نے مطلقاً ذکر بالجہر سے منع نہیں کیا جیسا کہ صاحبِ بحر الرائق نے سمجھا ہے اور عید الفطر کی تکبیرات بھی عید الاضحیٰ کی تکبیرات کی طرح ہیں، یہی امام ابو یوسف اور امام محمد

---

[1] روح المعانی، جز ۱۶، ص ۱۶۲۔

کا مسلک ہے اور امامِ اعظم سے بھی ایک روایت یہی ہے بلکہ مسندِ امامِ اعظم سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ذکر بالجہر کو مطلقاً مستحب قرار دیتے ہیں"۔

اسی طرح علامہ ابن عابدین شامی تحریر فرماتے ہیں :۔

ویوم الفطر یجھر عندہ وعندھما یجھر وھو روایۃ عنہ والخلاف فی الافضلیۃ اما الکراھیۃ فمنتفیۃ عن الطرفین ۱؎

"عید الفطر کے دن امام صاحب کے نزدیک تکبیرات جہراً نہیں پڑھی جائیں گی اور صاحبین کے نزدیک جہراً پڑھی جائیں گی اور یہ اختلاف صرف افضلیت میں ہے اور کراہیت کسی جانب میں نہیں ہے"

علامہ آلوسی اور علامہ شامی کی ان تصریحات سے ثابت ہو گیا کہ ایک روایت امام صاحب سے بھی عید الفطر کے دن تکبیرات میں جہر کی ہے بلکہ علامہ آلوسی فرماتے ہیں کہ مسندِ امامِ اعظم سے ظاہر ہوتا ہے کہ امامِ اعظم مطلقاً ذکر بالجہر کے استحباب کے قائل ہیں اور یہ کہ جس روایت میں امام صاحب کا جہر میں صاحبین سے اختلاف ہے وہ اختلاف صرف افضلیت میں ہے، کراہیت اور بدعت کا اختلاف نہیں ہے پس سرفراز صاحب نے جن بعض فقہاء سے جہر کے بارے میں امام صاحب کے مذہب پر کراہیت اور بدعت کے اقوال نقل کئے ہیں وہ صحیح نہیں ہیں مثلاً شرح منیۃ المصلی سے انہوں نے نقل کیا ہے :۔

"امامِ ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ ہماری گفتگو مطلق ذکر میں نہیں ہے کیونکہ وہ تو تمام اوقات میں ایک پسندیدہ امر ہے بلکہ ہماری گفتگو جہر کے بارے میں ہے اور ذکر بالجہر بدعت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اپنے رب کو پکارو عاجزی سے اور چپکے چپکے مگر وہاں جہاں شرع نے مستثنیٰ کیا ہے پس جب مستثنیٰ کی مقدار میں دلائل متعارض ہیں تو اقل لیا جائے گا اور اس کے علاوہ اصل پر عمل

۱؎ شامی، ج ۱، ص ۷۷۸۔

کیا جائے گا، احتیاط بھی یہی ہے اور اسی سے دلائل بھی آپس میں جمع ہوتے ہیں اور اس سے یہ بات بھی ظاہر ہوئی کہ جن حضرات نے صاحبین کے قول پر فتووں کی بنیاد رکھی ہے اس کی کوئی معقول وجہ نہیں ہے۔" لہ

شارح منیۃ المصلی نے یہ جو کچھ کہا ہے، خلافِ واقع ہے اور امامِ اعظم کی طرف غلط نسبت ہے، انہوں نے امامِ اعظم کی طرف جس قول کو منسوب کیا ہے اس کا کیا ثبوت ہے اور کونسا حوالہ ہے؟

علامہ آلوسی نے مسندِ امامِ اعظم کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ وہ مطلقاً ذکر بالجہر کے استحباب کے قائل ہیں اور یہی بات قرینِ قیاس ہے کیونکہ جب قرآنِ کریم کی نصوصِ صریحہ، احادیثِ صحیحہ اور آثارِ کثیرہ سے مطلقاً ذکر بالجہر کا استحباب ثابت ہے تو امامِ اعظم کس طرح اسے مکروہ یا بدعت فرما سکتے ہیں اور جب علامہ شامی اور علامہ آلوسی کی تصریحات کے مطابق اس بارے میں ان کا ایک قول صاحبین کی طرح موجود ہے تو کیوں نہ ان کے اس قول کو مختار قرار دیا جائے جو آیات اور احادیث کے موافق ہے اور اگر بالفرض ان کے دوسرے قول کی بنا پر جہر کی نفی بھی ہو تو وہ افضلیت پر محمول ہے جیسا کہ علامہ شامی نے ذکر فرمایا نہ یہ کہ جہر کرنا بدعت یا مکروہ ہے، جیسا کہ شارحِ منیہ نے کہا ہے۔

تکبیراتِ تشریق میں اختلاف، افضلیت کا ہے

صاحبین کے مذہب پر تکبیراتِ تشریق پانچ روز پڑھی جاتی ہیں اور امامِ اعظم کے مذہب پر دو روز، یہ اختلاف بھی اولویت اور افضلیت میں ہے نہ یہ کہ امامِ اعظم کے مذہب پر پانچ روز تکبیرات جہراً پڑھنا مکروہ یا بدعت ہے اور جن فقہاء نے امامِ اعظم کے مذہب پر اسے بدعت کہا ہے اس کا مفاد یہ ہے کہ امامِ اعظم کے نزدیک ان خاص دنوں میں یہ تکبیراتِ مخصوصہ سنت سے ثابت نہیں ہیں چنانچہ علامہ ابن بزاز

لہ حکم الذکر بالجہر ، ص ۲۰، ۲۱۔

کردری فرماتے ہیں :-

اما رفع الصوت بالذکر جائز کما فی الاذان والخطبة والاختلاف فی عدد تکبیرات التشریق جهرا لا یدل علی ان الجهر بدعة لان الخلاف بناء علی ان کونه سنة زائدة علی اصل الفعل فی کم صلوٰة کما اختلفوا فی ان سنة الاربع من الظهر بتسلیمة اولی ام بتسلیمتین وذالک لا یدل علی انها لو بتسلیمتین یکون بدعة او حراما [1]

"بہرحال بلند آواز سے ذکر کرنا جائز ہے جیسے اذان اور خطبہ میں ہے اور تکبیراتِ تشریق میں امامِ اعظم اور صاحبین کا اختلاف اس بات پر دلالت نہیں کرتا کہ جہر سے تکبیرات کہنا بدعت ہے کیونکہ اختلاف اس بات میں ہے کہ اصل نماز پر تکبیرات کی زیادتی کتنی نمازوں میں سنت ہے جیسے یہ اختلاف کہ ظہر کی چار سنتوں کو ایک سلام سے پڑھنا اولیٰ ہے یا دو سلاموں کے ساتھ اور یہ اختلاف اس پر دلالت نہیں کرتا کہ اگر ظہر کی سنتوں کو دو سلاموں سے پڑھا جائے تو وہ بدعت یا حرام ہوں گی۔"

خلاصہ یہ ہے کہ تکبیرات کے مسئلہ میں ایک قول کی بنا پر امامِ اعظم کا صاحبین سے دو جگہ اختلاف ہے، عید الفطر میں صاحبین کے نزدیک تکبیرات جہراً پڑھی جائیں گی اور امام اعظم کے نزدیک نہیں اور علامہ شامی کی تصریح کے مطابق یہ اختلاف بھی صرف افضلیت کا ہے کراہیت کا نہیں، دوسری جگہ تکبیراتِ تشریق کے عدد میں اختلاف ہے، امامِ اعظم کے نزدیک دو دن اور صاحبین کے نزدیک یہ تکبیرات پانچ دن پڑھی جائیں گی اور علامہ ابنِ بزاز کردری کی تحقیق کے مطابق یہ اختلاف بھی صرف اولویت میں ہے کراہت یا

---

[1] فتاوٰے بزازیہ علیٰ ہامش الہندیہ ، ج ۶ ، ص ۳۷۹ -

بدعت کا نہیں ہے اور جن فقہاء نے اس پر بدعت کا اطلاق کیا ہے اس کی غایت توجیہ یہ ہے کہ اس خاص جگہ ذکر بالجہر سنت سے ثابت نہیں ہے۔

بہرحال امام اعظم کے نزدیک ذکر بالجہر مکروہ یا حرام کسی طرح نہیں ہے اور صحیح بات یہی ہے کہ امام اعظم کے نزدیک مطلقاً ذکر بالجہر مستحب ہے جس طرح علامہ آلوسی نے مسند امام اعظم کے حوالہ سے بیان کیا ہے اور جب امام اعظم کے مذہب پر ذکر بالجہر کا استحباب ظاہر ہو چکا تو سرفراز صاحب کے اس قول کا باطل ہونا آشکارا ہو گیا، لکھتے ہیں:۔

"بات دراصل یہ ہے کہ صاحب بزازیہ حضرت امام ابو حنیفہ کے مسلک کو پیش نظر رکھتے ہوئے دیگر محققین علماء احناف کے مطابق جہاں شریعت میں ذکر بالجہر ثابت نہیں اس مقام میں ذکر بالجہر کو حرام کہتے ہیں کیونکہ ایسے موقع پر اصل ہی اخفاء ہے اور ذکر بالجہر کرنا اللہ تعالیٰ کے امر اور حکم کے مخالف بھی ہے اور بدعت بھی اور جہاں خود شریعت نے ذکر بالجہر کی اجازت دی ہے، اس موقع پر وہ ذکر بالجہر کو جائز قرار دیتے ہیں، مثلاً اذان، خطبہ اور تلبیہ وغیرہ میں" [۱]

(یاد رہے کہ ہم ابھی صاحب بزازیہ سے نقل کر چکے ہیں کہ غیر مواضع ثبوت میں ذکر بالجہر کرنے نہ کرنے کا اختلاف اولویت اور عدم اولویت کا ہے، نیز اثر ابن مسعود کی بحث میں ان سے ذکر بالجہر کا مطلقاً جواز اور انہوں نے عبد اللہ بن مسعود کے اثر کی جو توجیہ پیش کی ہے وہ بھی بیان کر چکے ہیں۔)

غیر مواضع مخصوصہ میں امام صاحب سے جہر کا ثبوت

اصل واقعہ یہ ہے کہ امام اعظم نے بطور خود کسی جگہ بھی اس بات کی تصریح نہیں فرمائی کہ علی العموم والاطلاق ذکر بالجہر بدعت ہے البتہ ایک قول میں ان کا عید الفطر میں جہراً تکبیرات پڑھنے سے منع فرمانا اور تکبیرات تشریق کو پانچ دن کی بجائے دو دن پڑھنے کی تلقین کرنا، یہ وہ دو امر ہیں جن کی وجہ سے بعض فقہاء نے یہ سمجھ لیا کہ امام اعظم صرف اسی جگہ ذکر بالجہر

---

[۱] حکم الذکر بالجہر، ص ۱۲۸۔

کی اجازت دیتے ہیں جہاں بالخصوص شارع علیہ السلام سے ذکر بالجہر ثابت ہو اور ان کے علاوہ دوسرے مواقع پر ان کے نزدیک ذکر بالجہر مکروہ اور بدعت ہے حالانکہ فی الواقع ایسا نہیں ہے، امامِ اعظم علی العموم والاطلاق ذکر بالجہر کے جواز کے قائل ہیں، زیادہ سے زیادہ کہا جا سکتا ہے کہ جس جگہ اور جس موقع پر شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام سے جہر ثابت نہ ہو اس جگہ جہر کرنے کو وہ سنت نہیں کہتے اور یہ بات کسی حد تک ٹھیک بھی ہے۔

ہمارے بیان کی تائید اس بات سے ہوتی ہے :-

فی المجتبی قیل لابی حنیفۃ ینبغی لاھل الکوفۃ وغیرھا ان یکبروا ایام العشر فی الاسواق والمسجد قال نعم [1]

" مجتبیٰ میں ہے کہ امام ابو حنیفہ سے کہا گیا کوفہ اور دوسری جگہ کے لوگوں کو چاہیئے کہ ایامِ عشر میں بازاروں اور مساجد میں تکبیر کہا کریں، آپ نے فرمایا ہاں "

اس سے معلوم ہوا کہ امامِ اعظم علی العموم ذکر بالجہر کو جائز رکھتے ہیں ورنہ اس طرح علی الاطلاق تکبیرات کی اجازت نہ دیتے۔ شروع میں ہم علامہ آلوسی کے حوالہ سے بیان کر چکے ہیں کہ امامِ اعظم کے نزدیک مطلقاً ذکر بالجہر مستحب ہے۔ علامہ آلوسی کو معتقدینِ دیوبند عموماً اور سرفراز صاحب خصوصاً بہت مانتے ہیں اس لئے امید ہے کہ یہ حوالہ ان کے لئے حجت ہوگا اور اگر بالفرض علامہ آلوسی اور مسند امامِ اعظم کے حوالے ان کے ہاں مقبول نہ ہوں تو یہ حوالہ تو بہر حال مقبول ہوگا۔

مولوی رشید احمد گنگوہی لکھتے ہیں :-

" سوال : ذکرِ جہر کرنا قرآن حدیث سے ثابت ہے یا صوفیاءِ کرام نے اپنی طرف سے مقرر کر لیا ہے؟ زید کہتا ہے کہ ذکرِ جہر امامِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک

---

[1] رد المحتار ، ج ۱ ، ص ۷۸۲۔

بدعت ہے۔ عمرو کہتا ہے کہ جب ذکرِ جہر امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بدعت ٹھیرا تو بڑے بڑے حنفی اس ذکر کرنے کی اجازت کیوں دیتے ہیں؟

جواب: ذکرِ جہر اور خفی دونوں حدیث سے جائز معلوم ہوتے ہیں امام صاحب نے جہر کو بدعت اس موقع پر فرمایا ہے جہاں ذکر کا موقع ہے اور آپ سے علیہ الصلوٰۃ وہاں جہر ثابت نہیں جیسا عید الفطر کی نماز کو جاتے ہوئے اور مطلقاً ذکرِ جہر کو منع نہیں فرمایا، ذکر ہر طرح درست ہے۔" لہ

یہ عبارت اپنے مفہوم اور مدلول کے لحاظ سے بالکل صاف اور واضح ہے، مکتبِ دیوبند کی نظریاتی عمارت جن ارکان پر قائم ہے گنگوہی صاحب اس کے رکنِ رکین ہیں اور انہوں نے دو ٹوک الفاظ میں لکھ دیا ہے کہ امامِ اعظم کے نزدیک مطلقاً ذکر بالجہر جائز ہے۔ اگر سرفراز صاحب کے ہاں اس حوالہ کی واقعی کچھ اہمیت ہے تو ان کو چاہیئے کہ اپنی کتاب حکم الذکر بالجہر کے کم از کم اتنے حصہ پر خطِ تنسیخ کھینچ دیں کیونکہ اس کتاب کا ایک ثلث اسی بنیاد پر لکھا گیا ہے کہ امامِ اعظم بالعموم ذکر بالجہر کو جائز نہیں رکھتے حالانکہ فی الواقع امامِ اعظم کا یہ مسلک نہیں ہے جیسا کہ مسند امامِ اعظم، روح المعانی اور فتاویٰ رشیدیہ کے حوالوں سے ثابت ہو چکا ہے۔

ذکر بالجہر اور صاحبین

امامِ اعظم نے تکبیراتِ تشریق کے مسئلہ میں فرمایا ہے کہ دو دن تکبیرات پڑھنی چاہئیں اور ایک قول میں عید الفطر میں جہراً تکبیرات پڑھنے سے منع فرمایا ہے، اس سے بعض فقہا نے یہ سمجھا ہے کہ امامِ اعظم بالعموم ذکر بالجہر سے منع کرتے ہیں تاہم اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے یہ بھی تصریح کی ہے کہ اس مسئلہ میں امامِ اعظم کے قول پر فتوےٰ نہیں ہے بلکہ صاحبین (امامِ محمد اور امام ابویوسف) کے قول پر فتوےٰ ہے چنانچہ علامہ ابنِ نجیم حنفی تکبیراتِ تشریق کی بحث میں فرماتے ہیں:۔

لہ فتاوےٰ رشیدیہ کامل مبوب، ص ۲۱۴۔

والعمل والفتوی فی عامۃ الامصار و کافۃ الاعصار علی قولھما [1]

" اس مسئلہ میں عمل اور فتوے ہر زمانہ کے تمام شہروں میں صاحبین کے قول پر رہا ہے۔"

اور اسی بنا پر مولوی رشید احمد گنگوہی لکھتے ہیں :۔

" سوال :۔ ذکر بالجہر اور دعا بہ جہر اور درود بہ جہر خواہ جہر خفیف ہو یا شدید جیسے نماز میں نزدیک حضرات محدثین اور حضرات ائمہ اربعہ رضی اللہ تعالے عنہم کے کیا حکم رکھتا ہے ؟

جواب :۔ ذکر خواہ کوئی ذکر ہووے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالے کے نزدیک سوائے ان مواقع کے کہ ثبوت جہر نص سے ہے وہاں مکروہ ہے اور صاحبین اور دیگر فقہاء و محدثین جائز کہتے ہیں اور مشرب ہمارے مشائخ کا اختیار مذہب صاحبین ہے علیہما الرحمہ [2]

علامہ ابن نجیم اور گنگوہی صاحب دونوں نے تصریح کر دی ہے کہ صاحبین کے نزدیک مطلقاً ذکر بالجہر جائز ہے اور مشائخ حنفیہ نے اس مسئلہ میں صاحبین کے قول پر ہی فتوے دیا ہے اس لئے اگر بالفرض یہ مان بھی لیا جائے کہ ایک قول کے مطابق امام اعظم بالعموم ذکر بالجہر کو جائز نہیں رکھتے تو یہ ہمارے مخالف نہیں ہے کیونکہ اس مسئلہ میں مشائخ حنفیہ نے صاحبین کے قول پر فتوے دیا ہے۔

صاحبین کے قول پر عمل کی تفصیل اور تحقیق

اہل علم کے نزدیک یہ ثابت اور مقرر ہے کہ فقہی مسائل کی بعض صورتوں میں امام اعظم کے قول پر فتوے نہیں ہوتا بلکہ صاحبین کے قول پر فتوے دیا جاتا ہے اور صاحبین

---

[1] بحر الرائق ، ج۲ ، ص ۱۷۸۔

[2] فتاوے رشیدیہ کامل مبوب ، ص ۲۱۶۔

کا وہ قول بھی درحقیقت امامِ اعظم ہی کا قول ہوتا ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ ایک مسئلہ میں امامِ اعظم کے متعدد اقوال ہوتے ہیں، امامِ اعظم ان اقوال میں سے کسی ایک قول کو ترجیح دیکر اختیار کر لیتے ہیں۔ عام طور پر صاحبین بھی امامِ اعظم سے اتفاق کرتے ہیں اور بعض دفعہ صاحبین امامِ اعظم سے اختلاف کر کے ان کے اختیار کردہ قول کی بجائے ان کے دوسرے قول کو ترجیح دیکر اختیار کر لیتے ہیں اور وہ صاحبین کا مسلک کہلاتا ہے۔

عام طور پر امامِ اعظم کے قول پر فتوےٰ دیا جاتا ہے لیکن بعض مقامات میں صاحبین کے قول کو اختیار کر کے اس پر فتوےٰ دیا جاتا ہے اور یہ عمل حنفیت سے خروج نہیں ہے جیسا کہ بعض کوتاہ فہم لوگوں نے سمجھا ہوا ہے، فقہ حنفی میں اس کی متعدد مثالیں ہیں جو اہلِ علم پر مخفی نہیں ہیں۔

غور فرمائیے وضو کا مستعمل پانی امامِ اعظم ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک نجس ہے اور امامِ محمد کے نزدیک وہ طاہر غیر مطہر ہے اور ہمارے مشائخ نے امامِ محمد کے قول پر ہی فتوےٰ دیا ہے، اسی طرح زمین کو بٹائی پر دینا امامِ اعظم کے نزدیک جائز نہیں اور اگر ان کے قول پر عمل کیا جائے تو زراعت کا تمام کاروبار معطل ہو کر رہ جائے اور صاحبین کے نزدیک زمین کو بٹائی پر دینا جائز ہے اور یہاں بھی فتوےٰ صاحبین کے قول پر ہے، اسی طرح امامِ اعظم وقف کو لازم قرار نہیں دیتے اور صاحبین کے نزدیک وقف لازم ہے اور فتوےٰ انہیں کے قول پر ہے۔

علامہ شامی لکھتے ہیں :-

"سترہ مسائل میں ہمارے مشائخ نے امامِ اعظم کے مقابلہ میں امامِ زفر کے قول پر فتوےٰ دیا ہے۔"

نیز لکھتے ہیں :-

"مشائخ حنفیہ نے تصریح کی ہے کہ ذوی الارحام کے تمام مسائل میں امامِ محمد کے قول پر فتوےٰ ہے اور قضاء کے تمام مسائل میں امام ابو یوسف کے قول پر فتویٰ ہے۔" (ردالمحتار، ج ۱، ص ۶۶)

WWW.NAFSEISLAM.COM

ان چند مثالوں سے قارئین کرام نے اندازہ لگا لیا ہوگا کہ کسی مختلف فیہ اور مجتہد فیہ مسئلہ میں امام اعظم کے قول کی جگہ صاحبین کے قول کو اختیار کر لینا جائز ہے اور معمول بھی جبکہ مشائخ حنفیہ نے صاحبین کے قول کو ترجیح دی ہو اور جس صورت میں ہم گفتگو کر رہے ہیں وہ ایسی ہی ہے کیونکہ علامہ ابن نجیم نے لکھا ہے کہ عدد تکبیرات تشریق میں ہر زمانے کے مشائخ نے صاحبین کے قول پر فتوے دیا ہے اور گنگوہی صاحب نے لکھا ہے کہ صاحبین کے نزدیک مطلقاً ذکر بالجہر جائز ہے اور ہمارے مشائخ نے انہی کے قول پر فتوے دیا ہے۔

غور فرمایئے! امام اعظم کا ایک قول ذکر بالجہر کے مطلقاً جواز اور استحباب کا بھی ہے جیسا کہ ہم روح المعانی اور فتاویٰ رشیدیہ کے حوالوں سے بیان کر چکے ہیں اور دوسرے قول کی بنا پر ہم گنگوہی صاحب کے حوالے سے بتلا چکے ہیں کہ صاحبین کے نزدیک مطلقاً ذکر بالجہر جائز ہے اور مفتی بہ انہیں کا قول ہے، اس کے باوجود جب ہم ذکر بالجہر کے مطلقاً جواز اور استحسان کی بات کرتے ہیں تو سرفراز صاحب ہم کو مسلکِ حنفیت سے بے بہرہ اور احناف سے خارج قرار دیتے ہیں، چنانچہ لکھتے ہیں:۔

"مؤلف مذکور کو اصل مسئلہ کی نوعیت اور اس کی تفصیل اور حضرات فقہاء کرام حنفی کے حضرت امام ابوحنیفہ کے صحیح مسلک سے بالکل بے خبری ہے اور وہ بیچارے اس مسئلہ کے سلسلہ میں قرآنِ کریم، حدیث شریف اور فقہ حنفی سے سراسر ناواقف ہیں، انہوں نے اپنی کم فہمی کی وجہ سے عمومی طور پر ذکر بالجہر کو حضراتِ احناف رحمہم اللہ تعالیٰ کا مسلک سمجھ رکھا ہے۔" [1]

ہم نے جو کچھ سمجھ رکھا ہے وہ ٹھوس بنیادوں پر قائم ہے اور اس سلسلہ میں

[1] حکم الذکر بالجہر، ص ۱۳۔

نفس اسلام
WWW.NAFSEISLAM.COM

ہمارا دامن کن کن حضرات سے وابستہ ہے، یہ قارئین کرام ملاحظہ فرما چکے ہیں، آیئے اب ہم آپ کو ایک مثال دے کر بتلائیں کہ سرفراز صاحب خود کتنا امام اعظم کے مسلک کا احترام کرتے ہیں۔

تنخواہ کے مسئلہ میں مخالفین امام اعظم و صاحبین کسی کی پرواہ نہیں کرتے

عبادہ بن صامت سے روایت ہے کہ انہوں نے اصحابِ صُفّہ میں سے بعض حضرات کو قرآنِ کریم کی تعلیم دی، ان میں سے کسی شخص نے ان کو بطور ہدیہ ایک کمان پیش کی، عبادہ بن صامت نے سوچا کہ میں اس کمان کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کے موقع پر استعمال کروں گا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں مشورہ کیا تو آپ نے فرمایا اگر تم دوزخ کی آگ کا طوق اپنے گلے میں ڈالنا چاہتے ہو تو یہ کمان لے لو۔

یہ حدیث ابوداؤد اور ابن ماجہ نے روایت کی ہے اور حاکم نے مستدرک میں اسے درج کر کے فرمایا، یہ حدیث صحیح الاسناد ہے۔ (بحوالہ رسائلِ ابنِ عابدین، ج ۱، ص ۱۵۴)

عبدالرحمٰن بن شبل سے روایت ہے کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا:

اقرءوا القرآن ولا تاكلوا به ولا تجفوا عنه ولا تغلوا فيه ولا تستكثروا به۔

"قرآنِ کریم پڑھا کرو اور اس کو اپنا کاروبار نہ بناؤ، نہ اس پر ظلم کرو، نہ اس میں غلو کرو، نہ اس کے سبب سے کثرت حاصل کرو۔"

WWW.NAFSEISLAM.COM

اس حدیث کو امام عبدالرزاق نے اپنی مصنف میں بیان کیا ہے۔ (بحوالہ رسائلِ ابنِ عابدین، ج ۱، ص ۱۵۴)

ان احادیث کے پیشِ نظر حضرت امام الائمہ سراج الامہ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے تعلیمِ قرآن، درسِ حدیث اور امامت و خطابت پر اجرت لینے کو حرام قرار دیا ہے اور اس جگہ صاحبین کے دامن میں بھی پناہ نہیں ملتی کیونکہ وہ اس مسئلہ میں امام اعظم کے ساتھ ہیں اور تعلیمِ قرآن اور امامت وغیرہ پر اجرت لینے کو حرام قرار دیتے ہیں صرف یہی نہیں بلکہ تمام متقدمین علماءِ احناف تعلیمِ قرآن وغیرہ پر اجرت لینے کو حرام قرار دیتے ہیں البتہ متاخرین نے اس کے جواز

کا فتوے دیا ہے :-

فافتوا باخذ الاجرة علی التعلیم وکذا علی الامامة والاذان مع ان ذلک مخالف لما اتفق علیہ ابوحنیفة وابو یوسف ومحمد من عدم جواز الاستئجار واخذ الاجرة علیہ[1]

"متأخرین علماء نے تعلیم قرآن و حدیث اور اذان و امامت پر اجرت لینے کو جائز رکھا ہے حالانکہ ان کا یہ فتوے امام ابو حنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد کے متفق علیہ مسلک کے خلاف ہے کیونکہ وہ ان امور پر اجرت لینے کو جائز اور حرام قرار دیتے ہیں"

اور صاحب ہدایہ فرماتے ہیں :-

ولا الاستئجار علی الاذان والحج وکذا الامامة وتعلیم القرآن والفقہ والاصل ان کل طاعة یختص بھا المسلم لا یجوز الاستئجار علیہ عندنا الی ان قال ولنا قولہ علیہ الصلوٰة والسلام اقرءوا القرآن ولا تأکلوا بہ وفی اخر ما عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی عثمان بن ابی العاص وان اتخذت مؤذنا فلا تأخذ علی الاذان اجرا[2]

" اذان، حج، امامت، تعلیم قرآن اور تعلیم فقہ پر اُجرت لینا ناجائز ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ جس عبادت کے ساتھ مسلمان خود مکلف ہو اس پر اُجرت لینا

---

[1] رسائل ابن عابدین ، ج ۲ ، ص ۱۲۶ -

[2] بحوالہ فتح القدیر ، ج ۷ ، ص ۱۷۹ -

WWW.NAFSEISLAM.COM

جائز نہیں ہے ۔۔۔۔۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قرآن پڑھو اور اسے روزگار نہ بناؤ اور رحلت کے قریب آپ نے حضرتِ عثمان بن ابی العاص سے فرمایا کہ اگر تم مؤذن ہو تو اذان پر اجرت نہ لینا ۔"

یہ بات آپ کے سامنے آچکی ہے کہ احادیثِ صریحہ میں تعلیمِ قرآن سے ممانعت کی گئی ہے اور امامِ اعظم ابو حنیفہ، امام ابو یوسف، امام محمد اور تمام متقدمین فقہا تعلیم پر اجرت لینے کو حرام قرار دیتے ہیں ۔۔۔۔ اب دیکھئے ! سرفراز صاحب اس مسئلہ میں کیا لکھتے ہیں :

" جن بعض ائمہ نے تعلیمِ قرآن وغیرہ پر اجرت لینے کو مکروہ کہا ہے ان کا مستدل بھی حدیثیں ہیں جو جمہور کے نزدیک صحیح نہیں یا منسوخ ہیں اور بظاہر ان کو خلفاءِ راشدین کے یہ آثار نہیں پہنچے اور یا انہوں نے کمالِ ورع اور تقوے کی بنا پر اجرت کو پسند نہیں کیا (والعلم عند اللہ) بہر حال تعلیمِ قرآن وغیرہ پر اجرت لینے کے جواز پر خلفاءِ راشدین کے عمل اور حکم سے بڑھ کر اور کیا ثبوت درکار ہے؟ اور اب یہ اتفاقی امر ہے ۔" [۱]

اللہ کی شان ہے ہم اگر ایک قول کی بنا پر امامِ اعظم کے مسلک اور دوسرے قول کی بنا پر صاحبین کے مفتیٰ بہ قول کے مطابق مطلقاً ذکر بالجہر کے استحباب کی بات کریں تو حنفیت سے بے بہرہ اور احناف سے خارج اور آپ محض تنخواہ کے شوق میں نہ صرف امام ابو حنیفہ بلکہ صاحبین و تمام متقدمین احناف اور احادیثِ صریحہ کے خلاف تعلیمِ قرآن پر اجرت لینے کا فتوے دیں تو مزاج شناسِ رسول اور حنفی کے حنفی ! ع

جو چاہے آپ کا حسنِ کرشمہ ساز کرے

اور اگر احادیثِ صریحہ کی ممانعت اور امامِ اعظم اور صاحبین کے منع کرنے کے باوجود دینی امور پر تنخواہ لینی درست ہے کہ متاخرین نے جواز کا فتوے دیا ہے تو (ایک قول میں) امام صاحب کے منع کرنے کے باوجود ہم مطلقاً ذکر بالجہر کے استحباب کا اس لئے

---

[۱] راہِ سنت ، ص ۲۴۰ ۔

قول کریں کہ مشائخ حنفیہ نے اس مسئلہ میں صاحبین کے قول پر فتوے دیا ہے۔ (بحوالہ فتاویٰ رشیدیہ، ص ۲۱۶)

اور آیات، احادیث، آثار اور اجماع علماء سے بھی اس بات کی تصدیق ہوتی ہے تو ہمیں کیوں گردن زدنی قرار دیا جاتا ہے ؎

کوئی بتلائیں کہ ہم بتلائیں کیا؟

امام قاضی خان اور ذکر بالجہر

امام فخرالدین حسن بن منصور الاوزجندی المعروف بہ قاضی خان (المتوفی ۵۹۲ھ) فقہاء احناف میں بہت بلند مقام رکھتے ہیں، علامہ ابن عابدین شامی نے ان کا ذکر فقہاء کے طبقہ ثالثہ میں کیا ہے اور بتلایا ہے کہ وہ مجتہد فی المسائل تھے، انہوں نے بھی ذکر بالجہر کے مسئلہ پر روشنی ڈالی ہے چنانچہ لکھتے ہیں :-

ولا بأس بالتسبیح والتهليل وان رفع صوته بذلك [1]

"کلمہ اور تسبیح کو بآواز بلند پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔"

اور جب قاضی خان علی الاطلاق والعموم ذکر بالجہر کے جواز کی تصریح فرما چکے ہیں تو نمازِ جنازہ میں ان کا "یکرہ رفع الصوت بالذکر" فرمانا توجہ یا جہرِ فاحش پر محمول کیا جائے گا یا اس کی وہ تاویل کی جائے گی جو علامہ آلوسی نے روح المعانی میں بیان فرمائی ہے۔

امام کردری اور ذکر بالجہر

امام محمد بن محمد شہاب المعروف با بن بزاز الکردری الحنفی (المتوفی ۸۲۷ھ) ایک عظیم فقیہ اور بلند پایہ محقق ہیں، مؤلف حکم الذکر بالجہر نے ان کی ایک طویل عبارت سے اپنی پسند کا ایک جملہ لے لیا ہے اور اسے اپنی کتاب کے صفحہ ۷۰ میں ذکر کیا ہے (اما رفع الصوت بالذكر فجائز كما في الاذان والخطبة)

اور اس جملہ سے یہ تاثر دیا ہے کہ امام کردری صرف مواضع مخصوصہ میں ذکر بالجہر کو جائز رکھتے

---

[1] فتاوے قاضی خان علی ہامش الہندیہ ج ۱ جز ۳، ص ۱۶۲ (طبع مصر)

میں انہوں نے دوسری خیانت یہ کی ہے کہ مسئلہ دعا میں انہوں نے یہ تو ذکر کر دیا کہ امام کردری بلند آواز سے دعا کو منع کرتے ہیں اور یہ ذکر نہیں کیا کہ امام کردری فرائض کے بعد نفسِ دعا سے بھی منع کرتے ہیں۔

بہرحال یہ ان کی دیانتِ قلم اور عصمتِ تحریر کا ذکر تھا، اب ہم آپ کے سامنے امام کردری کی ذکر بالجہر سے متعلق پوری عبارت ذکر کرتے ہیں، اسے پڑھ کر آپ خود اندازہ فرمالیں کہ امام کردری علی الاطلاق والعموم ذکر بالجہر کے مؤید ہیں یا مخالف؟ لکھتے ہیں:۔

وفی فتاوی القاضی رفع الصوت بالذکر حرام وقد صح عن ابن مسعود انہ سمع قوما اجتمعوا فی مسجد یھللون ویصلون علیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام جھرا فراح الیھم فقال ماعھدنا ذلک علی عھدہ علیہ السلام وما اراکم الا مبتدعین فما ذلک یذکر ذلک حتی اخرجھم عن المسجد فان قلت المذکور فی الفتاوی ان الذکر بالجھر ولو فی المسجد لا یمنع احترازا عن الدخول تحت قولہ تعالی ومن اظلم ممن منع مساجد اللہ ان یذکر فیھا اسمہ وصنع ابن مسعود رضی اللہ عنہ یخالف قولکم قلت الاخراج عن المسجد لو نسب الیہ بطریق الحقیقۃ یجوز ان یکون لاعتقادھم العبادۃ فیہ ولتعلیم الناس بانہ بدعۃ والفعل الجائز یجوز ان یکون غیر جائز لغرض یلحقہ فکذا غیر الجائز یجوز ان یجوز لغرض کما ترک رسول اللہ علیہ السلام الافضل تعلیما للجواز وفی الاعراف فی قولہ

WWW.NAFSEISLAM.COM

تعالى ادعوا ربكم تضرعا وخفية اى اعبدوه
وارفعوا حوائجكم والضراعة الذلة والخفية
ان لا يدخله الرياء انه لا يحب المعتدين
اى المشركين الذين يدعون غير الله تعالى
وما روى فى الصحيح انه عليه السلام قال لرافعى
اصواتهم بالتكبير اربعوا على انفسكم انكم
لا تدعون اصم ولا غائبا انكم تدعون سميعا
قريبا انه معكم الحديث يحتمل انه لم يكن
فى الرفع مصلحة فقد روى انه كان فى غزاة ولعل
رفع الصوت فى نحو بلاد الحرب خدعة ولهذا
نهى عن الجرس فى المغازى واما رفع الصوت بالذكر
فجائز كما فى الاذان والخطبة والحج والاختلاف
فى عدد تكبيرات التشريق جهرا لا يدل على ان
الجهر به بدعة لان الخلاف بناء على ان كونه
سنة زائدة على اصل الفعل فى كم صلوة كما
اختلفوا فى ان سنة الاربع من الظهر بتسليمة اولى
ام بتسليمتين وذلك لا يدل على انها لو بتسليمتين
يكون بدعة او حراما ما [1]

WWW.NAFSEISLAM.COM

"فتاوے قاضی خاں میں لکھا ہے کہ ذکر بالجہر حرام ہے اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک قوم کو بلند آواز سے کلمہ اور درود شریف پڑھتے دیکھا تو ان سے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یہ طریقہ نہ تھا اور میرا خیال ہے

---

[1] فتاوے بزازیہ علی ہامش الہندیہ ، ج ٦ ، ص ٣٧٨ ، ٣٧٩ ۔

کہ تم لوگ بدعتی ہو، انہوں نے بار بار یہی کہا حتیٰ کہ ان لوگوں کو مسجد سے نکال دیا
اگر تم یہ کہو کہ کتبِ فتاوے میں لکھا ہے کہ کسی شخص کو مسجد میں ذکر بالجہر سے
نہ روکا جائے تاکہ وہ ومن اظلم ممن منع مسٰجد اللّٰہ کی وعید
میں نہ آجائے اور حضرتِ ابن مسعود کا ان لوگوں کو نکالنا اس بات کے مخالف
ہے تو میں کہوں گا کہ حضرتِ ابن مسعود کا ان لوگوں کو نکالنا اگر صحیح ہے تو
اس کی وجہ یہ ہے کہ ان لوگوں نے اس جہر میں عبادت کو منحصر سمجھ لیا تھا اور
یہ بات بدعت ہے اور یہ ممکن ہے کہ جائز کام کسی خارجی سبب سے ناجائز
ہوجائے جس طرح ناجائز کام کسی خارجی سبب سے جائز ہوجاتا ہے جس طرح
حضور کا بیانِ جواز کے لئے افضل امور کو ترک کرنا اور سورۂ اعراف میں جو اللہ
تعالیٰ کا قول ہے ' ادعوا ربکم ' اس کا معنی عبادت ہے، تضرع کا معنیٰ عاجزی
اور خفیہ کا مطلب ہے بے ریا طاعت کرنا اور ' لایحب المعتدین ' میں
معتدین سے مشرکین مراد ہیں اور وہ جو حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ و
سلم نے بآوازِ بلند تکبیر پڑھنے والوں سے فرمایا اپنے ساتھ نرمی کرو کیونکہ
تم کسی بہرے اور غائب کو نہیں پکار رہے تم تو سمیع و قریب کو پکارتے ہو'
حضور کے اس منع فرمانے کی وجہ یہ تھی کہ یہاں جہر میں کوئی فائدہ نہ تھا یا اس لئے
کہ یہ جنگ کا موقع تھا اور ایسی جگہ جہر کسی مصیبت کا پیش خیمہ ہوسکتا ہے اسی وجہ
سے غزوات میں گھنٹی بجانے سے منع کیا گیا ہے۔ بہر حال ذکر بالجہر جائز ہے
جس طرح اذان، خطبہ اور حج وغیرہ میں ہے اور تکبیراتِ تشریق کے جہراً پڑھنے
میں جو عدد کا اختلاف ہے وہ اس بات پر دلالت نہیں کرتا کہ ان کو جہراً پڑھنا
بدعت ہے کیونکہ اصل اختلاف اس بات میں ہے کہ نماز کے اصل افعال پر
تکبیرات کی زیادتی کتنی نمازوں میں سنت ہے جیسے اس میں اختلاف ہے کہ
ظہر کی چار سنتیں ایک سلام سے اولیٰ ہیں یا دو سلاموں سے اور یہ اختلاف
اس پر دلالت نہیں کرتا کہ اگر یہ سنتیں دو سلاموں سے پڑھی جائیں تو وہ بدعت

WWW.NAFSEISLAM.COM

یا حرام ہے۔"

ذکر بالجہر کے علی العموم والاطلاق کے جواز کے خلاف جس قدر دلائل کشید کئے جاتے ہیں، امام ابن بزاز کردری نے چن چن کر اس عبارت میں ان سب کے جواب پیش کر دیئے ہیں، "اثر ابن مسعود کا جواب دیا کہ' ان لوگوں کو منع فرمایا جو جہر میں عبادت کو منحصر سمجھیں'۔ حدیث 'اربعوا علیٰ انفسکم' کا جواب دیا کہ' وہ منع کرنا اس لئے تھا کہ وہاں جہر میں مصلحت نہیں تھی'، قرآن کریم کی آیت' ادعوا ربکم تضرعا وخفیہ' کا جواب دیا کہ' ادعوا کا مطلب عبادت ہے اور خفیہ کا مطلب ہے ریا'، تکبیرات تشریق کا جواب دیا کہ' اس میں امام وصاحبین کا اختلاف جہر کی کراہت کو مستلزم نہیں'، پھر ذکر بالجہر کے عموم واطلاق پر قرآن کریم کی آیت ومن اظلم ممن منع مسٰجد اللہ ان یذکر فیہا اسمہ اور کتب فتاوی کی تصریحات سے استدلال کیا اور تائید میں اذان، خطبہ اور تلبیہ کے جہر کو پیش کیا۔

فتاوے عالمگیری اور ذکر بالجہر

رسالہ ذکر بالجہر میں عالمگیری سے ایک حوالہ پیش کیا گیا تھا:۔

جمع عظیم یرفعون اصواتہم بالتسبیح والتہلیل جملۃ لا بأس بہ[1]

"جماعت عظیمہ مل کر لا الٰہ الا اللہ اور سبحان اللہ آواز بلند پڑھے تو کوئی حرج نہیں ہے۔"

اس عبارت کے ساتھ ہی عالمگیری میں لکھا ہوا ہے والاخفاء افضل یعنی ذکر بالجہر اگرچہ جائز ہے لیکن اخفاء افضل ہے اور چونکہ اخفاء کی افضلیت ہمارے موضوع سے خارج تھی اور نہ ہی اس کی افضلیت سے ذکر بالجہر کے جواز پر کوئی اثر پڑتا تھا اس لئے ہم نے اسے ذکر نہیں کیا۔ سرفراز صاحب اس پر غیظ وغضب میں آ کر لکھتے ہیں:۔

"اور مؤلف ذکر بالجہر نے جمع عظیم سے لے کر' لا بأس بہ' تک مفید مطلب

---

[1] عالمگیری، ج ۴، ص ۹۰ (طبع ہند)۔

عبارت نقل کر دی ہے اور اول و آخر کی عبارت گیارہویں شریف کا لذیذ حلوہ سمجھ کر ہڑپ کر لی ہے" [1]

یہ سوقیانہ اندازِ تحریر اور بازاری گفتگو تو خیر سے آپ کو مبارک ہو، ہم تو صرف اتنا ہی کہہ سکتے ہیں کہ والاخفاء افضل کا ذکر کسی طرح ہمارے موقف کے مخالف نہیں ہے کیونکہ ہم کئی بار لکھ چکے ہیں کہ بعض صورتوں میں آہستہ ذکر بھی افضل ہوتا ہے، نیز عالمگیری کے آدابِ مسجد میں ہے :۔

ان لا یرفع فیہ الصوت من غیر ذکر اللہ [2]

" مساجد میں اللہ تعالیٰ کے ذکر کے سوا اور کوئی آواز نہ بلند کی جائے۔"

فتاویٰ عالمگیری فقہ حنفی کی وہ مستند کتاب ہے جس کو ہندوستان کے تین سو جید علماء نے ملا نظام الدین کی قیادت میں مرتب کیا اور اس میں ذکر بالجہر کے جواز کی تصریح کا مطلب یہ ہے کہ یہ تین سو علماء احناف کا متفقہ فیصلہ ہے جسے رد کرنا آسان نہیں ہے۔

علامہ سیوطی اور ذکر بالجہر

علامہ جلال الدین سیوطی نے نتیجۃ الفکر فی الجہر فی الذکر کے نام سے ذکر بالجہر کے جواز اور استحسان پر ایک رسالہ تحریر فرمایا ہے، اس رسالہ میں علامہ سیوطی نے ۲۵ احادیث سے ذکر بالجہر کے جواز اور استحسان پر استدلال کیا ہے جن میں سے بعض احادیث کی دلالت ذکر بالجہر پر صراحتہً ہے اور بعض کی دلالت التزاماً ہے اور اس کے بعد منکرین کی پیش کردہ آیات اور احادیث کے متعدد جواب ارقام فرمائے ہیں، دلائل اور بحث کو چھوڑ کر ہم آپ کے سامنے صرف ذکر بالجہر سے متعلق سوال اور علامہ سیوطی کا جواب پیش کرتے ہیں :۔

---

[1] حکم الذکر بالجہر ، ص ۱۴-۱۶۔

[2] فتاویٰ عالمگیری ، ج ۴ ، ص ۹۴ (طبع ہند)

الحمد لله وكفى و سلام على عباده الذين اصطفى
سألت اكرمك الله عما اعتاده السادة الصوفية
من عقد حلق الذكر والجهر به فى المساجد
و رفع الصوت بالتهليل وهل ذلك مكروه ام لا
الجواب انه لاكراهة فى شيئ من ذلك و قد
وردت احاديث تقتضى استحباب الجهر بالذكر
و احاديث تقتضى استحباب الاسرار به و الجمع
بينهما ان ذلك يختلف باختلاف الاحوال والاشخاص
كما جمع النووى بمثل ذلك بين الاحاديث الواردة
باستحباب الجهر بقراءة القرآن والاحاديث الواردة
باستحباب الاسرار بهما [1]

" حمد و صلوٰۃ کے بعد واضح ہو کہ آپ سے سوال یہ ہے کہ صوفیاء کرام کا معمول یہ ہے کہ وہ مساجد میں حلقہ بنا کر بلند آواز سے کلمہ وغیرہ کا ذکر کرتے ہیں ، کیا یہ مکروہ ہے یا نہیں ؟

الجواب : ذکر بالجہر میں کسی قسم کی کراہت نہیں ہے کیونکہ بعض احادیث ذکر بالجہر کی مقتضی ہیں اور بعض ذکر بالسر کی اور ان میں تطبیق یہ ہے کہ مختلف احوال اور اشخاص کے لحاظ سے حکم مختلف ہوتا ہے جس طرح علامہ نووی نے قرآن کریم کے سر اور جہر سے پڑھنے کے احکام میں تطبیق دی ہے ۔"

علامہ آلوسی اور ذکر بالجہر

متاخرین میں علمی اور تحقیقی اعتبار سے علامہ آلوسی صاحب روح المعانی کا مقام بہت بلند ہے ، مخالفین بھی ان کی علمی وجاہت کے قائل ہیں اس لئے اب ہم آپ کے سامنے

---

[1] الحاوی للفتاوی ، ج ۱ ، ص ۳۸۹ ۔

اس مسئلہ میں علامہ آلوسی کا نظریہ پیش کرتے ہیں :-

واختار بعض المحققین ان المراد دون الجھر البالغ او الزائد علی قدر الحاجۃ فیکون الجھر المعتدل و الجھر بقدر الحاجۃ داخلا فی المامور بہ فقد صح ما یزید علی عشرین حدیثا فی انہ صلی اللہ علیہ و سلم کثیرا ما کان یجھر بالذکر [1]

"اور بعض محققین کا مسلک یہ ہے کہ قرآن کریم میں جہر مفرط یا ضرورت سے زیادہ جہر سے منع کیا ہے پس جہر متوسط اور بقدر ضرورت جہر شرعاً مامور ہے کیونکہ بیس سے زیادہ احادیث سے ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ذکر بالجہر کیا کرتے تھے۔"

سرفراز صاحب نے متوسط ذکر بالجہر کے خلاف علامہ آلوسی کی ایک عبارت پیش کی ہے :-

وتری کثیرا من اھل زمانک یعتمدون الصراخ فی الدعاء خصوصا فی الجوامع حتی یعظم اللغط ویشتد و تستک المسامع وتستد ولا یدرون انھم جمعوا بین بدعتین رفع الصوت وکون ذلک فی المسجد [2]

"تم اپنے زمانہ میں بہت سے لوگوں کو دیکھو گے جو دعا کے وقت چلانے کو اپنا شعار بنائے ہوئے ہیں خصوصیت سے جامع مسجدوں میں حتیٰ کہ ان میں

---

[1] روح المعانی ، ج ۱۶ ، ص ۱۶۳ -

[2] حکم الذکر بالجہر ، ص ۱۹۶ بحوالہ روح المعانی ، ج ۸ ، ص ۱۳۹ -

اس قدر شدت سے شور و غل ہوتا ہے کہ کان بند ہو جاتے ہیں اور وہ نہیں جانتے کہ انہوں نے دو بدعتیں جمع کر لی ہیں، ایک دعا کے وقت آواز بلند کرنا اور دوسری مسجد میں آواز بلند کرنا۔"

الجواب

سرفراز صاحب نے علامہ آلوسی کی جو یہ عبارت پیش کی ہے یہ ان کو قطعاً سود مند نہیں ہے کیونکہ اولاً تو علامہ آلوسی نے دعا کے بارے میں یہ گفتگو کی ہے، ثانیاً گفتگو جہر متوسط میں ہے اور علامہ آلوسی اس جہر کا رد فرما رہے ہیں جس میں اس قدر شور و غل ہو جس سے کان بند ہو جائیں اور ظاہر ہے کہ وہ جہر مفرط ہے جس کے اثبات کے ہم درپے نہیں ہیں۔

ایک اور جگہ سرفراز صاحب علامہ آلوسی کے حوالے سے لکھتے ہیں :۔

"ایک دوسرے حضرات نے یہ تفصیل کی ہے اور کہا ہے اخفاء اس مقام میں افضل ہے جہاں ریا کا خوف ہو یا جہر کرنے کی وجہ سے مثلاً نمازی یا سونے والے یا تلاوت کرنے والے یا علم شرعی میں مشغول ہونے والے کو تشویش ہوتی ہو اور جہر اخفاء پر مقدم ہو گا جو مقام ان خرابیوں سے خالی ہو اور اس میں کسی جاہل کی تعلیم یا کسی گھبرائے ہوئے کی وحشت کو یا اونگھنے والے کی اونگھ کو یا خود دعا کرنے والے کی اپنے نفس سے سستی کو دور کرنا مقصود ہو یا کسی مومن کے دل میں خوشی داخل کرنے یا کسی بدعتی کو اس کی بدعت سے روکنے کے لئے جہر کیا جائے یا اس جیسی کوئی اور وجہ ہو تو بہتر ہے"[1]

الجواب

علامہ آلوسی نے یہ عبارت ادعوا ربکم تضرعا وخفیۃ کی تفسیر میں ذکر فرمائی ہے، سرفراز صاحب نے اس عبارت کا اول آخر ذکر نہیں کیا جس سے یہ متعین ہوتا کہ یہ گفتگو

---

[1] حکم الذکر بالجہر ، ص ۱۸۱۔

دعا میں ہے، ذکر میں نہیں؛ اس لئے عبارت سے پہلے علامہ آلوسی نے سعد بن ابی وقاص کی روایت ذکر کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عنقریب ایک قوم دعا مانگنے میں حد سے تجاوز کرے گی (الحدیث) اور آخر میں دعا مانگنے کی چند صورتیں ذکر کی ہیں۔ بہرحال یہ گفتگو دعا میں ہے مبحوث فیہ ذکر میں نہیں ہے۔

ثانیاً اس عبارت میں جہر متوسط سے منع نہیں کیا بلکہ اس جہر سے منع کیا ہے جو کسی کے مطالعہ یا نیند میں خلل انداز ہو اور ظاہر ہے ایسا جہر، جہر مفرط ہی ہوتا ہے۔

ثالثاً جن مواقع پر علامہ آلوسی نے اخفاء کو افضل قرار دیا ہے وہاں اخفاء کا افضل ہونا ہی اس بات کو ظاہر کر رہا ہے کہ اس جگہ جہر بھی فی نفسہ جائز ہے۔

اس کے علاوہ بھی علامہ آلوسی نے ذکر بالجہر کے جواز اور استحباب کے متعلق بہت کچھ لکھا ہے جن میں سے بعض عبارات ہم نے اس کتاب کے مختلف مباحث میں پیش کر دی ہیں۔

مولٰنا عبدالحی اور ذکر بالجہر

متأخرین فقہاء میں مولانا عبدالحی لکھنوی خاصی شہرت رکھتے ہیں اور منکرین و مانعین کے ہاں بھی ان کی شخصیت مقبول اور مسلم ہے خصوصاً حکم الذکر بالجہر کے مؤلف نے بھی قطع و برید کے باوجود اپنی کتاب میں ان کے کافی حوالے پیش کئے ہیں اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس مسئلہ میں ان کی تحقیق بھی پیش کر دی جائے۔

مولانا عبدالحی لکھنوی نے سباحۃ الفکر فی الجہر بالذکر کے نام سے ایک رسالہ لکھا ہے جس کے شروع میں یہ بیان کیا ہے کہ مسئلۂ ذکر بالجہر میں احناف کا اختلاف ہے بعض ذکر بالجہر کو مکروہ اور بدعت کہتے ہیں اور بعض جائز قرار دیتے ہیں۔ پھر مجوزین کے دلائل تفصیل سے پیش کئے ہیں اور مانعین جن آیات و احادیث سے ذکر بالجہر کی کراہت پر استدلال کرتے ہیں، ان تمام کا بالتفصیل جواب لکھا ہے۔ اس کے بعد مولانا عبدالحی نے بطور خود ذکر بالجہر کے ثبوت میں ۴۸ احادیث پیش کی ہیں اور آفتاب سے زیادہ روشن طریقہ سے ذکر بالجہر کا جواز ثابت کر دیا ہے۔

چنانچہ مسئلہ ذکر بالجہر میں فقہاء کا اختلاف ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں :-

فانظر فیہا کیف اضطربت آرائہم واختلفت اقوالہم فمن مجوز ومن محرم ومن قائل انہ بدعۃ ومن قائل انہ مکروہ والاصح ھو الجواز مالم یجاوز الحد کما اختارہ الخیر الرملی ولنذکر اولا ما استدلوا بہ علی المنع مع ذکر ما یدفعہ ثم نحرر ادلۃ الجواز ونعقبہ بدفع الاضطراب الواقع بین کلماتہم سلہ

"پس دیکھو کہ ان فقہاء کے اقوال کس طرح مختلف اور مضطرب ہیں، بعض جہر کو جائز کہتے ہیں اور بعض حرام، بعض مکروہ اور بدعت اور صحیح بات یہ ہے کہ ذکر بالجہر جائز ہے جب کہ مفرط نہ ہو جیسا کہ علامہ رملی نے فرمایا ہے، پس پہلے ہم مانعین کے دلائل اور ان کے جواب ذکر کریں گے پھر جہر کے جواز پر دلائل لائیں گے، اس کے بعد فقہاء کے مختلف اقوال میں تطبیق ذکر کریں گے۔"

نیز اثبات ذکر بالجہر پر ۴۸ احادیث پیش کرنے کے بعد لکھتے ہیں :-

فہذہ احادیث صحیحۃ یظہر منہا ومن نظائرہا صراحۃ او اشارۃ ان لا کراہۃ فی الجہر بالذکر بل فیہا ما یدل علی جوازہ او استحبابہ کیف لا والجہر بالذکر لہ اثر فی ترقیق القلوب ما لیس فی السر نعم الجہر المضر ممنوع شرعا وکذا الجہر الغیر المفرط اذا کان فیہ ایذاء لاحد من نائم او مصل او حصلت فیہ شبہۃ بالریاء او لوحظت فیہ خصوصیات

سلہ سباحۃ الفکر، ص ۵۳۔

غیر مشروعة او الالتزام کالتزام الملتزمات فکم من مباح یصیر بالالتزام من غیر لزوم والتخصیص بغیر مخصص مکروہا ۱؎

" یہ احادیث صحیحہ ہیں جن میں سے بعض صراحۃً اور بعض اشارۃً اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ ذکر بالجہر میں کسی قسم کی کراہت نہیں ہے بلکہ بعض احادیث ذکر بالجہر کے جواز و استحباب پر دلالت کرتی ہیں اور کیوں نہ ہو جبکہ ذکر بالجہر سے دل میں جو نرمی پیدا ہوتی ہے وہ آہستہ ذکر سے نہیں ہوتی البتہ جو جہر نقصان دے مثلاً کسی کی نیند یا نماز میں خلل ڈالے یا ریاکاری پر مشتمل ہو ایسا جہر ممنوع ہے خواہ مفرط ہو یا غیر مفرط یا جس جہر میں ایسی قیود کو داخل کر لیا جائے جو شرعاً ثابت نہ ہوں کیونکہ التزام سے مباح بھی مکروہ ہو جاتا ہے۔ "

آگے چل کر لکھتے ہیں :-

وخلاصة المرام فی ہذا المقام ان لا ریب فی کون السر افضل من الجہر للتضرع والخیفة وکذا لا ریب فی کون الجہر المفرط ممنوعا لحدیث اربعوا علی انفسکم واما الجہر الغیر المفرط فالاحادیث متظاہرة والآثار متوافقة علی جوازہ ولم نجد دلیلا یدل صراحة علی حرمة او کراہة وقد نص المحدثون والفقہاء الشافعیة وبعض اصحابنا علی جوازہ ایضا ویدل علیہ قول صاحب النہایة فی کتاب الحج المستحب عندنا فی الاذکار الخفیة الا فی ما تعلق باعلان مقصود کالاذان

۱؎ سباحة الفکر ، ص ۲۲ ۔

WWW.NAFSEISLAM.COM

والتلبية والخطبة كذا فی المبسوط انتهی۔

والظاهر ان مراد من قال الجهر حرام هو الجهر المفرط بدليل انهم يستدلون عليه بقوله عليه الصلوٰة والسلام اربعوا علی انفسكم الحديث۔

وقد عرفت فی شان وروده ان وروده انما كان فی الجهر المفرط لا فی الجهر مطلقا مع انه كيف تثبت الحرمة الحقيقية بخبر الاحاد الذی هو من الادلة الظنية ومن قال انه بدعة اراد به ان ايقاعه علی وجه مخصوص والتزام ملتزم لم يعهد فی الشرع بدليل انهم اطلقوا البدعة عليه فی بحث التكبير فی طريق صلوٰة عيد الفطر وقالوا الجهر به فی الطريق علی الوجه المخصوص انما ورد فی عيد الاضحیٰ واما فی عيد الفطر فهو بدعة [1]

”خلاصہ یہ ہے کہ حصولِ خوف اور عجز کی وجہ سے سِرّ کے افضل ہونے اور حدیث ”اربعوا علیٰ انفسکم“ کی وجہ سے جہرِ مفرط کے ممنوع ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے اور رہا جہرِ متوسط تو وہ بکثرت احادیث اور آثار سے ثابت ہے اور جہرِ متوسط کی کراہت یا حرمت پر کوئی دلیل نہیں، بلا ریب محدثین، فقہاءِ شافعیہ اور بعض فقہاءِ احناف نے بھی جہرِ متوسط کے جواز کی تصریح کی ہے اور صاحبِ نہایہ نے مبسوط کے حوالہ سے کہا ہے کہ اذکار میں سِرّ مستحب ہے سوا ان اذکار کے جن میں اعلان مقصود ہو جیسے اذان، تلبیہ اور خطبہ اور جنہوں نے جہر کو حرام

---

[1] سباحۃ الفکر فی الجہر بالذکر ، ص ۷۶۔

قرار دیا ہے، ان کی مراد اس جہر سے جہرِ مفرط ہے کیونکہ وہ حدیث 'اربعوا علیٰ انفسکم' سے استدلال کرتے ہیں اور اس حدیث میں حضور نے جہرِ مفرط سے روکا تھا، علاوہ ازیں یہ کہ جہر کی حرمت پر ان اخبارِ آحاد سے کیسے استدلال کیا جاسکتا ہے جب کہ یہ ظنی ہیں اور جن لوگوں نے جہر کو بدعت کہا ہے ان کی مراد یہ ہے جہر کی ہیئت میں کسی خصوصیت کو داخل کرنا بدعت ہے کیونکہ انہوں نے عید الفطر کے دن راستہ میں جاتے ہوئے بلند آواز سے تکبیر پڑھنے کو بدعت قرار دیا اور کہا اس خصوصیت کے ساتھ صرف عید الاضحیٰ کے دن راستہ میں تکبیریں کہنا ثابت ہے اور عید الفطر کے دن بدعت ہے۔"

مولانا عبدالحی کی اس عبارت سے اگرچہ ہم کو کلیۃً اتفاق نہیں ہے تاہم منکرین اور مبتدعین کی عبرت کے لئے اس میں کافی مواد موجود ہے کیونکہ مولانا عبدالحی نے اس عبارت میں تصریح کر دی ہے کہ متوسط ذکر بالجہر کے جواز میں کوئی شبہ نہیں ہے اور یہ کہ کتاب وسنت اور آثارِ صحابہ میں متوسط ذکر بالجہر کی حرمت پر کوئی دلیل نہیں ہے اور جس شخص نے بھی جہر سے منع کیا ہے اس کی مراد اس جہر سے جہرِ مفرط ہے اسی طرح اس میں یہ بھی تصریح ہے کہ حدیث 'اربعوا علیٰ انفسکم' میں بھی جہرِ مفرط سے روکا گیا ہے نیز مولانا نے جہر کو بدعت کہنے والوں کے قول کی بھی تاویل کی ہے۔

گنگوہی صاحب اور ذکر بالجہر

مولوی رشید احمد گنگوہی فریقِ مخالف کے مسلم پیشوا اور تمام اکابر علماءِ دیوبند مثلاً مولوی قاسم نانوتوی اور مولوی اشرف علی تھانوی وغیرہما کے استاذ ہیں، اب ہم آپ کے سامنے مسئلۂ ذکر بالجہر میں ان کی تحقیق پیش کرتے ہیں۔

مولوی رشید احمد گنگوہی ذکر بالجہر کے زبردست حامی ہیں اور محققینِ احناف کی تحقیق کے مطابق وہ متوسط آواز کے ساتھ ذکر بالجہر کے قائل ہیں چنانچہ وہ فتاویٰ رشیدیہ میں لکھتے ہیں:۔

" سوال : ذکرِ جہر مذہبِ حنفیہ میں جائز ہے یا نہیں؟ مدلل ارقام فرمائیے۔

جواب :- ذکرِ جہر میں حنفیہ کی کتب میں روایات مختلف ہیں، کسی سے کراہت ثابت ہوتی ہے بغیر محلِ ثبوت میں اور بعض سے جواز ثابت ہوتا ہے اور یہی راجح ہے اور اس کی دلیل طلب کرنا بے سود ہے کیونکہ مجتہدین کا خلاف ہے سو اب کون فیصلہ کر سکتا ہے مگر جواز کی دلیل یہ ہے کہ قال اللہ تعالیٰ اذکر ربک فی نفسک تضرعا وخفیۃ ودون الجہر من القول الآیۃ، دون الجہر بھی جہر ہی ہے کہ ادنیٰ درجہ ہے قال علیہ السلام اربعوا علی انفسکم، اور یہ بھی ذکرِ جہر ہی ہے، رفق کو فرمایا ہے، گلو پھاڑنے سے منع کیا ہے اور مطلق آیات واحادیث بہت جواز پر دال ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم [1]

گنگوہی صاحب کی اس عبارت سے ظاہر ہوا کہ :-

- علماءِ احناف کا ذکر بالجہر میں اختلاف ہے اور گنگوہی صاحب کے نزدیک جواز راجح ہے۔
- آیات اور احادیث میں ذکر کا عموم اور اطلاق ذکر بالجہر کے جواز کی دلیل ہے اور ان کی تعداد بہت زیادہ ہے۔
- واذکر ربک فی نفسک الآیۃ بھی ذکر بالجہر کی دلیل ہے۔
- حدیث اربعوا علی انفسکم میں جس جہر سے روکا گیا ہے وہ جہرِ مفرط پر محمول ہے کیونکہ گنگوہی صاحب لکھتے ہیں: "گلو پھاڑنے سے منع کیا ہے" اور گلو پھاڑنا جہرِ مفرط ہوتا ہے نہ کہ جہرِ متوسط۔

رسالہ ذکر بالجہر میں ہم نے گنگوہی صاحب کے اسی حوالہ سے بتلایا تھا کہ اس حدیث میں جہرِ مفرط سے منع کیا گیا ہے مگر ہمیں اس وقت سخت حیرت ہوئی جب ہم نے سرفراز صاحب کا یہ تعاقب پڑھا :-

---

[1] فتاوےٰ رشیدیہ کامل مبوب ، ص ۲۱۳۔

WWW.NAFSEISLAM.COM

"اس حدیث سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جہرِ مفرط سے نہی نہیں فرمائی بلکہ مطلق جہر سے نہی فرمائی ہے (الیٰ ان قال) اور اس جہر میں جہرِ متوسط بھی شامل ہے اس سے جہرِ متوسط کو خارج کرنا اور وہم سے بیان کا مطالبہ کرنا بے سود ہے بلکہ قطعی طور پر جہرِ متوسط ثابت کرنے والے پر اس کا بیان لازم ہے (ومن ادعیٰ فعلیہ البیان بالبرہان) [1]

سرفراز صاحب نے یہ جو کچھ لکھا ہے یہ ان کے ناقص مطالعہ اور قلتِ تدبر کی بدترین مثال ہے۔ ہم گذشتہ صفحات میں اس حدیث کی بحث میں بکثرت حوالوں سے یہ ثابت کر چکے ہیں کہ اس حدیث میں جہرِ مفرط سے نہی فرمائی ہے نیز گنگوہی صاحب نے بھی اس حدیث کا معنیٰ "گلا پھاڑنے" سے کر کے یہ بتلا دیا ہے کہ یہاں جہرِ مفرط سے منع فرمایا گیا ہے کیونکہ یہ بات اجلیٰ بدیہیات میں سے ہے کہ گلو پھاڑنا جہرِ متوسط نہیں ہے، جہرِ مفرط ہے۔

سرفراز صاحب نے اس بات پر برہان مانگی ہے کہ اس حدیث میں جہرِ مفرط سے منع کیا ہے اور جہرِ متوسط جائز ہے تو جناب! برہان یہ ہے کہ گنگوہی صاحب نے کہا ہے کہ گلو پھاڑنے یعنی جہرِ مفرط سے منع کیا ہے لہٰذا ثابت ہو گیا کہ ممنوع جہرِ مفرط ہے نہ کہ جہرِ متوسط۔

نیز گنگوہی صاحب نے اس آیتِ کریمہ میں "دون الجہر" سے بھی ذکر بالجہر کا استنباط کیا ہے اور اسے ادنیٰ درجہ سے تعبیر کیا ہے۔ ان کی اس عبارت میں ادنیٰ درجہ سے جہرِ متوسط مراد ہے کیونکہ وہ اسے گلو پھاڑنے کے مقابلہ میں ذکر کر رہے ہیں۔

جہر کے ادنیٰ درجہ کی بحث

سرفراز صاحب ادنیٰ درجہ پر گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

---

[1] حکم الذکر بالجہر، ص ۵۳، ۵۴۔

" جہر اور سر کے معنی کی تعیین کے بارے میں خود خاصا اختلاف ہے کچھ ضروری باتیں عنقریب آرہی ہیں ان شاء اللہ تعالیٰ، مشہور امام ابوالحسن عبیداللہ بن حسین الکرخی المتوفی ۳۴۰ھ فرماتے ہیں:" ادنیٰ جہر یہ ہے کہ بولنے والا اپنے آپ کو سنا سکے" اس عبارت سے صاف ظاہر ہوا کہ ادنیٰ جہر کا یہ معنیٰ ہے کہ آدمی خود اپنے آپ کو سنا سکے، فرمائیے اس جہر کا جہر مفرط اور جہر متوسط سے کیا تعلق ہے؟ اور اس معنیٰ میں اس آیت کو ذکر بالجہر کی دلیل بنائیں جیسا کہ حضرت مولانا گنگوہی نے کیا ہے یا اس کو سر کی دلیل بنائیں جیسا کہ سراج الامت امام ابوحنیفہ نے فرمایا ہے ان میں کیا فرق نکلے گا اور اس سے کیا تفاوت پڑے گا

کیونکہ مآل دونوں کا ایک ہی ہے، اس میں اگر نزاع ہے تو صرف لفظی ہے اور فرق صرف تعبیر کا ہے"۔ [1]

آگے چل کر جوش میں آکر لکھتے ہیں:۔

" ادنیٰ جہر وغیرہ کے الفاظ سے دھوکہ کھانے یا دینے والوں کی آنکھیں کھل جانی چاہئیں کیونکہ حضرات فقہائے کرام جس کو ادنیٰ درجہ سے تعبیر کرتے ہیں وہی آہستہ اور سر کا معنیٰ ہے"۔ [2]

سطور سابقہ میں ہم مستحکم قرائن سے ثابت کر چکے ہیں کہ گنگوہی صاحب کی اس عبارت میں ادنیٰ جہر سے جہر متوسط مراد ہے کیونکہ وہ ادنیٰ جہر کو گلو پھاڑنے کے مقابلہ میں ذکر کر رہے ہیں اس لئے ادنیٰ درجہ کو سر سے تعبیر کر کے خیر سے دھوکا آپ ہی نے کھایا ہے اور گنگوہی صاحب کی عبارت کے معنی متعین کرنے کے لئے کرخی کی عبارت سے قرائن لا کر دھوکہ دینے کا نامحمود کام بھی آپ ہی سے سرزد ہوا ہے۔

---

[1] حکم الذکر بالجہر، ص ۵۵۔

[2] ایضاً، ص ۵۶۔

اسی بحث میں سرفراز صاحب ترنگ میں آکر لکھتے ہیں :۔

"حضرت مولانا گنگوہی کی عبارت میں جہاں بھی ذکر بالجہر کے جواز کا ثبوت آتا ہے اس سے ان کی اس صریح عبارت کے پیشِ نظر ادنیٰ درجہ جہر کا ہی مراد ہے، ان کی مرضی کے خلاف کوئی شخص جہر مطلق یا جہر متوسط پہ حمل کرے گا تو یہ توجیہ القول بما لا یرضی بہ قائلہ کا مصداق ہوگا جو اہلِ علم اور اہلِ انصاف کے نزدیک قابلِ التفات نہیں ہے۔" سلہ

متوسط جہر کا گنگوہی صاحب سے ثبوت

آئیے اب دیکھیں کہ گنگوہی صاحب کی مرضی جہر مطلق اور جہرِ متوسط ہے یا جہر کا وہ ادنیٰ درجہ جس کو سرفراز صاحب آہستہ ذکر سے تعبیر کرتے ہیں، گنگوہی صاحب فتاویٰ رشیدیہ میں لکھتے ہیں :۔

" سوال :۔ ذکر بجہر اور دعا بجہر اور درود بجہر خواہ بجہر خفیف ہو یا شدید جیسے نماز میں نزدیک حضرات محدثین اور حضرات ائمہ اربعہ وغیرہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے کیا حکم رکھتا ہے اور وہ جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب :۔ ذکر خواہ کوئی ذکر ہو وے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سوائے ان مواقع کے کہ ثبوتِ جہر نص سے ہے وہاں مکروہ ہے اور صاحبین اور دیگر فقہاء و محدثین جائز کہتے ہیں اور مشرب ہمارے مشائخ کا اختیار مذہب صاحبین علیہما الرحمہ ہے انتہیٰ " سلہ

گنگوہی صاحب نے اس جواب میں تصریح کردی ہے کہ ذکر بالجہر جائز ہے خواہ جہر خفیف ہو یا جہرِ شدید ہے، جہرِ متوسط تو الگ رہا، گنگوہی صاحب نے اس عبارت میں جہرِ شدید کا جواز بھی بیان کر دیا ہے۔ بشرطِ انصاف اب سرفراز صاحب خود ہی سوچ لیں کہ

سلہ حکم الذکر بالجہر ، ص ۵۶۔

سلہ فتاوےٰ رشیدیہ کامل بوب ، ص ۲۱۶۔

گنگوہی صاحب کی عبارت میں جہر کو آہستہ ذکر پر محمول کرنا توجیہ الکلام بما لا یرضی بہ قائلہ کا مصداق ہے یا جہر کو جہرِ متوسط پر محمول کرنا؟

ایک فتوے ملاحظہ فرمائیے :-

" سوال :- ذکرِ جہر میں ضرب اللہ کس قدر جہر سے قلب پر مارنا چاہیے؟ کیا ایسی شدت ہو کہ آواز بیٹھ جائے؟

الجواب :- ایسی شدت کی ضرورت نہیں۔ فقط " [1]

یعنی جہر میں شدت تو ہو لیکن اس حد تک نہیں کہ آواز ہی بیٹھ جائے گویا جہرِ مفرط نہ ہو بلکہ جہرِ متوسط ہو۔

ایک اور فتوے بھی ملاحظہ فرمالیں :-

" سوال :- ذکر سے یہ بات دل میں پیدا ہوتی ہے کہ اب تجھ کو ہر شخص عابد و زاہد جانے گا، اس ریا کے دفع کی کیا تدبیر ہو؟ آج کل آواز بیٹھ گئی ہے اگر حکم ہو تو آہستہ شروع کر دوں جب کہ آواز کو نفع ہو گا پھر جہر ہی کردوں گا فقط۔

الجواب :- اگر ذکر جہر سے ریا پیدا ہوتا ہے تو اس کے واسطے 'لاحول' بکثرت پڑھا کریں مگر اس کے لئے ترکِ جہر مناسب نہیں البتہ عذر مرض کی وجہ سے تا زوال مرض ترک رکھنا اور اخفاء پر اکتفاء کرنا مناسب ہے۔ فقط
رشید احمد گنگوہی عفی عنہ " [2]

اس جواب سے معلوم ہوا کہ گنگوہی صاحب اپنے مریدین کو اس قدر شدید جہر کے ساتھ ذکر کی تلقین کرتے تھے کہ ان کی آواز بیٹھ جاتی تھی اور ریاکاری کے خوف کے باوجود وہ آہستہ ذکر کی بجائے ذکر بالجہر ہی کی تلقین کیا کرتے تھے۔

---

[1] فتاوی رشیدیہ کامل مبوب ، ص ۲۱۷۔

[2] ایضاً ، ایضاً۔

کیا اب بھی یہ کہنا صحیح ہوگا کہ گنگوہی صاحب کی عبارات میں جہاں بھی جہر آیا ہے اس سے مراد جہر کا ادنیٰ درجہ یعنی آہستہ ذکر مراد ہے؟

ریاکاری کا شبہ جہر سے روکنے کا سبب نہیں ہے

مولوی اشرفعلی تھانوی اسی بحث میں گنگوہی صاحب کے ملفوظات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"فرمایا کہ حضرت مولانا گنگوہی نے ایک ذاکر کے اس شبہ پر کہ اس ذکرِ جہر میں ریا ہے، یہ جواب فرمایا تھا کہ ذکر جہر میں تو سب دیکھ رہے ہیں کہ اللہ اللہ کر رہے ہیں اور ذکرِ خفی میں گردن جھکائے بیٹھے ہیں، دیکھنے والے سمجھتے ہیں کہ نہ معلوم لوح و قلم، عرش و کرسی کی سیر کر رہے ہیں تو اس حساب سے ذکرِ خفی میں ذکر جہر سے زیادہ ریا ہے۔" [۱]

ایک اور جگہ بیان کرتے ہیں:۔

"حضرت مولانا گنگوہی نے ایک شخص کو ذکرِ جہر تعلیم فرمایا تو اس نے یہی کہا کہ اس میں ریا ہوگی، خفی کر لیا کروں، مولانا نے فرمایا جی ہاں اس میں تو ریا ہوگی اور خفی میں نہ ہوگی، ارے بیٹا ذکرِ خفی میں تو اس سے زیادہ ریا ہوگی کیونکہ ذکرِ جہر میں تو لوگ یہی جانیں گے کہ بس لا الٰہ الا اللہ کر رہے ہیں اور جب گردن جھکا کر بیٹھو گے تو لوگ سمجھیں گے کہ نہ معلوم کہاں کہاں کی سیر کر رہا ہے، عرش کی، کرسی کی، چاہے میاں سوتے ہی رہیں چنانچہ مولانا نے فرمایا کہ جس زمانہ میں ہم تھانہ بھون حاجی صاحب کی خدمت میں تھے اس وقت ایک نقشبندی بزرگ بھی آئے ہوئے تھے، رات کو ہم ذکرِ جہر کرتے تھے اور وہ ذکرِ خفی، مگر صبح کو وہ شکایت کرتے تھے کہ آدھا ذکر ہوا، تھوڑی دیر کے بعد نیند آگئی تھی اور میں سر جھکائے سو رہا اور ہم سب اپنا معمول پورا

---

[۱] الافاضات الیومیہ، ج ۲، ص ۱۱۲ بحوالہ معارفِ گنگوہی، ص ۴۳۔

کر لیتے تھے تو حضرت ذکرِ خفی میں بعض دفعہ آپ سو نفسے ہی رہیں گے اور لوگ سمجھیں گے کہ شیخ صاحب آپ مراقب ہیں تو یہ اچھا انسداد ریا ہوا کہ ذکر ہی سے رہ گئے، پس یہ وسوسہ لغو ہے۔" سلہ

گنگوہی صاحب کے ان جوابات سے یہ حقیقت آفتاب سے زیادہ روشن ہوگئی کہ گنگوہی صاحب جہر کو صرف اسماعِ نفس کے معنیٰ میں نہیں لیتے بلکہ جہر کو خفی کا مقابل قرار دیتے ہیں جس سے سننے والوں کو واضح طور پر معلوم ہو جائے کہ وہ اللہ اللہ کا ذکر کر رہا ہے اس لئے سرفراز صاحب کا گنگوہی صاحب کی عبارت میں جہر کو صرف اسماعِ نفس کے معنیٰ پر محمول کر کے اس کو خفی کا غیرِ منافی قرار دینا خود فریبی یا مغالطہ آفرینی سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتا۔

دوسری بات جو ان جوابات سے معلوم ہوئی وہ یہ ہے کہ ریا کا شبہ جہر کو ترک کر دینے کا موجب نہیں ہے اس لئے دفعِ ریا کے سبب ذکرِ خفی کی جہر سے فضیلت صحیح نہ رہی۔

تیسری بات یہ ہے کہ ذکرِ خفی میں ذکرِ جہر کی نسبت زیادہ ریا کاری کا شبہ ہے اور چوتھی بات یہ ہے کہ آہستہ ذکر میں لبا اوقات نیند آجاتی ہے اور نفسِ ذکر ہی ہاتھ سے جاتا رہتا ہے۔ گنگوہی صاحب کے ان جوابات سے بہر حال یہ تاثر ملتا ہے کہ ذکرِ جہر ذکرِ خفی سے افضل ہے۔

گنگوہی صاحب کے فتاوے اور ملفوظات سے ظاہر ہوگیا کہ گنگوہی صاحب مسئلہ ذکر بالجہر میں دیگر مشائخ حنفیہ کی طرح صاحبین کے قول پر فتوے دیتے ہیں اور جہر متوسط کے قائل ہیں جو لوگ مسلکِ دیوبند سے متعلق ہیں انہیں غور کر لینا چاہیئے کہ اکابر علماءِ دیوبند کے مسلم استاذ کی اس مسئلہ میں کیا رائے ہے اور وہ ذکر بالجہر سے منع کر کے اپنی منزل سے کس قدر بھٹک چکے ہیں۔

سلہ ارشاد الحق حصہ دوم، ص ۶۷، ذم بہا، ص ۱۹ بحوالہ معارف گنگوہی، ص ۶۴، ۶۵۔

تھانوی صاحب اور ذکر بالجہر

مسئلہ ذکر بالجہر میں گنگوہی صاحب کی تحقیق پیش کرنے کے بعد اب ہم اس مسئلہ میں مولوی اشرفعلی صاحب تھانوی کی تحقیق پیش کر رہے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ متوسط آواز کے ساتھ ذکر بالجہر جائز ہے اور اس مسئلہ میں اگرچہ احناف کا اختلاف ہے مگر مختار اور راجح مذہب ذکر بالجہر کا جواز ہی ہے، تھانوی صاحب کا جو فتویٰ ہم پیش کر رہے ہیں اس میں عربی عبارات کا ترجمہ نہیں ہے، افادۂ عامہ کی خاطر ہم عربی عبارات کا ترجمہ قوسین میں کر رہے ہیں :-

"سوال :- طریقۂ شاذلیہ میں ذکر جلی بافراط لوگوں کو لے کر کھڑے ہو کر کرتے ہیں، جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- ذکر دو قسم پر ہے، ماثور و غیر ماثور، ماثور تو وہ ہے جس کو شارع علیہ السلام نے بالجہر یا بالخفاء معین کر دیا مثل اذان و اقامت و تکبیراتِ انتقالات، قراءۃ فی الصلوٰۃ و تشہد و تسبیحات وغیرہا اس کا حکم تو اتفاقاً یہ ہے کہ جس طور معین کر دیا اسی طرح چاہیے۔ غیر ماثور دو نوع ہے جہر و خفی، خفی بالاتفاق جائز ہے، جہر میں دو قول ہیں، بعض علماء کے نزدیک مشروع، بعض کے نزدیک غیر مشروع ہے، غیر مشروع کہنے والوں کے دو قول ہیں بعض کے نزدیک حرام، بعض کے نزدیک مکروہ، مشروع کہنے والوں کے تین قول ہیں، بعض کے نزدیک جہر اصل و افضل ہے، خفی مباح، بعض کے نزدیک خفی مباح، بعض کے نزدیک خفی عزیمت اور افضل، جہر رخصت بعض کے نزدیک دونوں فی نفسہ مساوی لیکن بعض وجوہ سے بعض مواقع پر جہر افضل ہے اور بعض وجوہ سے بعض مواقع پر خفا اولیٰ ہے، دلائل قائلینِ حرمت و کراہت کے یہ ہیں قال اللہ تعالیٰ ادعوا ربکم تضرعا و خفیۃ (اپنے رب سے آہستہ اور چپکے چپکے دعا کرو) و عن ابی موسی الاشعری قال کنا مع رسول اللہ صلی

WWW.NAFSEISLAM.COM

اللہ علیہ وسلم فی سفر فجعل الناس یجہرون بالتکبیر فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا ایہا الناس اربعوا علی انفسکم انکم لا تدعون اصم و لا غائبا متفق علیہ (ابو موسےٰ اشعری بیان کرتے ہیں کہ ایک بار ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے لوگ (بہت زیادہ) بلند آواز کے ساتھ تکبیر پڑھنے لگے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے لوگو! اپنے نفسوں پر نرمی کرو کیونکہ تم کسی بہرے اور غائب کو نہیں پکار رہے ہو) آیت و حدیث میں صیغۂ امر وارد ہے اور مطلق امر وجوب کے لئے ہے اور ضد واجب حرام یا مکروہ ہوتی ہے علی اختلاف الاصل الاول فی الدر المختار فی بحث الجہر بالتکبیر و عدمہ یوم الفطر ھکذا وجب الاول ان رفع الصوت بالذکر بدعۃ فیقتصر علی مورد الشرع، یہ عبارت مشعر حرمت ہے وایضا فیہ ویکرہ رفع الصوت بذکر (ای فی المسجد) الا للمتفقہۃ انتہی۔ یہ عبارت مشعر کراہت ہے۔

دلائل مجوزین کے یہ ہیں قال اللہ تعالیٰ ومن اظلم ممن منع مساجد اللہ ان یذکر فیہا اسمہ وسعیٰ فی خرابہا (اس شخص سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جو مساجد میں اللہ تعالیٰ کے ذکر کو روکے اور ان کو ویران کرنے کی کوشش کرے) ظاہر ہے کہ منع ذکر بدون اطلاع ذکر ممکن نہیں اور اطلاع بدون جہر غیر متصور ہے۔ وعن عبداللہ بن الزبیر قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا سلم من صلوٰتہ یقول بصوتہ الاعلیٰ لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علیٰ کل شیئ

قدیر الی اخر الحدیث، رواہ مسلم (عبداللہ بن زبیر بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سلام پھیرنے کے بعد باآواز بلند فرماتے تھے لا الٰہ الا اللہ الحدیث، بحوالہ مسلم شریف) وعن ابی بن کعب قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا سلم فی الوتر قال سبحان الملک القدوس رواہ ابوداؤد والنسائی وزاد ثلث مرات یطیل وفی روایۃ النسائی عن عبدالرحمن بن البزی عن ابیہ قال کان یقول اذا سلم سبحان الملک القدوس ویرفع صوتہ بالثالثۃ، مشکوٰۃ۔ (ابی بن کعب بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم وتر سے سلام پھیرنے کے بعد تین مرتبہ "سبحان الملک القدوس" فرماتے اور نسائی کی روایت میں یوں ہے کہ تیسری بار باآواز بلند "سبحان الملک القدوس" فرماتے، بحوالہ مشکوٰۃ) وعن ابن عباس ان رفع الصوت بالذکر حین ینصرف الناس من المکتوبۃ کان علی عھد النبی صلی اللہ علیہ وسلم رواہ البخاری (حضرت ابن عباس بیان کرتے ہیں کہ عہدِ رسالت میں فرض نمازوں کے بعد بلند آواز سے ذکر کرنے کا معمول تھا، بحوالہ بخاری)۔

ان احادیث سے مشروعیتِ جہر واضح ولائح ہے، پھر بناءً علی اختلاف الاصولیین فی ان ادنی مراتب فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الاباحۃ اوالاستحباب اس میں مختلف ہو سکتے کہ افضل کیا ہے، بعض نے ثبوت عن الشارع کو دلیلِ اباحت ٹھیرایا اور بوجہ حدیث خیر الذکر الخفی خفی کو افضل کہا بعض نے نفسِ ثبوت عن الشارع کو دلیلِ استحباب وافضلیت قرار دیا، عبارات

ان علماء کی یہ ہیں قال المظہر ھذا ای حدیث رفع الصوت بسبحان الملک القدوس یدل علی جواز الذکر برفع الصوت بل علی الاستحباب اذا اجتنب الریاء اظہار اللدین و تعلیما للسامعین و ایقاظا لھم من رقدۃ الغفلۃ وایصالا لبرکۃ الذکر الی مقدار ما یبلغ الصوت الیہ من الحیوان و الشجر و الحجر و المدر وطلبا لاقتداء الغیر بالخیر و یشھد لہ کل رطب و یابس سمع صوتہ بعض المشائخ یختار اخفاء الذکر لانہ ابعد من الریاء وھذا متعلق بالنیۃ ذکرہ مولانا علی القاری وقال الشیخ المحدث الدھلوی فی الحدیث دلیل علی شرعیۃ الجھر بالذکر وھو ثابت فی الشرع بلا شبھۃ لکن الخفی منہ افضل فی غیر الماثور انتھی۔ حاشیہ مشکوٰۃ ص ۱۰۴ ۔ (حدیث میں ہے کہ حضور نے نماز کے بعد با آواز بلند سبحان الملک القدوس فرمایا، علامہ مظہر فرماتے ہیں کہ یہ حدیث ذکر بالجہر کے جواز بلکہ استحباب پر دلالت کرتی ہے بشرط عدم خوف ریا کیونکہ اس میں دین کا اظہار سامعین کو تعلیم، غافلین کو تنبیہ اور جہاں تک ذکر کی آواز جائے وہاں تک اس کی برکتوں کو پہنچانا ہے، ذکر نہ کرنے والوں کو ذکر کی طرف راغب کرنا اور ہر خشک و تر کو ذکر پر گواہ بنانا ہے، بعض مشائخ ذکر میں اخفاء کو پسند کرتے ہیں کیونکہ یہ ریا سے زیادہ بعید ہے اور اصل میں اس بات کا تعلق نیت کے ساتھ ہے (بحوالہ مرقات) اور اس حدیث کے تحت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے فرمایا کہ اس حدیث میں

ذکر بالجہر کی مشروعیت کی دلیل ہے اور وہ شرع میں بلا شبہ ثابت ہے لیکن جہاں ذکر منقول نہیں وہاں ذکر خفی افضل ہے)

اور قائلین بالتفصیل کے دلائل یہ ہیں: قال اللہ تعالیٰ ولا تجہر بصلٰوتک ولا تخافت بہا وابتغ بین ذلک سبیلا قیل معنی بصلٰوتک بدعائک احمدی عن المدارک (اپنی صلٰوۃ میں نہ زیادہ جہر کیجئے نہ بالکل پست آواز رکھئے بلکہ درمیانی آواز رکھئے تفسیر مدارک میں ہے کہ یہاں صلٰوۃ بمعنی دعا ہے) وعن عقبۃ بن عامر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الجاہر بالقرآن کالجاہر بالصدقۃ والمسر بالقرآن کالمسر بالصدقۃ رواہ الترمذی (ترمذی شریف میں ہے عقبہ بن عامر بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قرآنِ کریم کو بلند آواز سے پڑھنے والا علی الاعلان صدقہ کرنے والے کی طرح ہے اور آہستہ پڑھنے والا چھپا کر صدقہ کرنے والے کی طرح ہے) وفی الحاشیۃ الشامیۃ اقول اضطرب کلام البزازیۃ فی ذلک ای رفع الصوت بالذکر فتارۃ قال انہ حرام وتارۃ قال انہ جائز وفی الفتاوی الخیریۃ من الکراہۃ والاستحسان جاء فی الحدیث ما اقتضی طلب الجہر بہ نحو وان ذکرنی فی ملأ ذکرتہ فی ملأ خیر منہم رواہ الشیخان وہناک احادیث ما اقتضی طلب الاسرار والجمع بینہما بان ذلک یختلف باختلاف الاشخاص والاحوال کما جمع بذلک بین احادیث الجہر والاخفاء ولا یعارض ذلک حدیث

خیر الذکر الخفی لانه حیث خیف الریاء و تاذی
المسلمین او النیام فان خلا مما ذکر فقال بعض اهل
العلم ان الجهر افضل لانه اکثر عملا و لتعدی
فائدته الی السامعین و یوقظ قلب الذاکر فیجمع
همه الی الفکر و یصرف سمعه الیه و یطرد النوم و
یزید النشاط ملخصا و تمام الکلام هناک فراجعه
و فی حاشیة الحموی عن الامام الشعرانی اجمع
العلماء سلفا و خلفا علی استحباب ذکر الجماعة
فی المساجد و غیرها الا ان یشوش جهرهم علی
نائم او مصل او قاری الخ انتہی۔ (علامہ شامی فرماتے ہیں
کہ ذکر بالجہر کے بارے میں صاحب بزازیہ کا کلام مضطرب ہے، ایک جگہ
حرام لکھتے ہیں اور دوسری جگہ جائز اور علامہ خیر الدین رملی لکھتے ہیں کہ بعض احادیث
جہر کا تقاضا کرتی ہیں جیسے ان ذکرنی فی ملأ ذکرته فی ملأ خیر
منهم اور بعض احادیث سر کا تقاضا کرتی ہیں اور اس میں تطبیق یہ ہے
کہ بعض احوال میں جہر بہتر ہے اور بعض میں سر، اور حدیث خیر الذکر
الخفی اس کے معارض نہیں کیونکہ یہ اس وقت ہے جب جہر سے ریاکاری
یا مسلمانوں کی ایذاء کا خوف ہو اور جب ان چیزوں سے خالی ہو تو بعض اہل علم
نے کہا کہ جہر افضل ہے کیونکہ اس میں عمل زیادہ ہے اس کا فائدہ سامعین کو
پہنچتا ہے یہ ذاکر کے دل کو بیدار اور اس کی سماعت اور غور و فکر کو ذکر کی
طرف متوجہ رکھتا ہے، نیند دور کرتا ہے اور اس کی طبیعت میں تازگی پیدا
کرتا ہے اور اس بحث کی پوری تفصیل خیریہ میں ہے اور حاشیہ حموی میں امام شعرانی
سے منقول ہے کہ تمام اگلے پچھلے علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ مساجد میں
جماعت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا مستحب ہے الا یہ کہ جہر سے کسی کی

WWW.NAFSEISLAM.COM

نیند، نماز یا قراءت میں خلل واقع ہو)

اور دلائلِ مانعین کے جواب یہ ہیں: آیت کا جواب اول تو یہ ہے کہ خفیہ مشترک ہے درمیان اعلان اور اسرار کے چنانچہ منتہی الارب میں ہے خفاہ خفیا پنہاں کرد و آشکارا کرد از لغاتِ اضداد است انتہیٰ، پس آیت محتمل ہوئی واذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال ولو سلمنا کہ خفیہ بمعنی اسرار ہے لیکن بوجہ تعارضِ ادلہ جمعاً بینہما امر کو اباحت یا استحباب پر حمل کرنا ضرور ہے، حدیث کا جواب لمعات میں یوں دیا ہے المنع من الجهر للتيسير والارفاق لا لان يكون الجهر غير مشروع انتهى (یعنی نرمی کے لئے جہر سے منع فرمایا نہ اس وجہ سے کہ جہر نامشروع ہے) اور اقوال بعض فقہاء کے بعض پر حجت نہیں ہو سکتے یہ خلاصہ ہے اختلافِ اقوال کا و البسط فی المطولات۔ راقم کی رائے ناقص میں قولِ مجوزین کا صحیح اور ان میں سے مفصلین کا قول راجح معلوم ہوتا ہے کہ سب آیات واحادیث واقوال علماء کے جمع ہو جاتے ہیں ان خیر الامور اعدلها۔ (نوٹ:- اس جگہ تھانوی صاحب نے ایک منہیہ لکھا ہے جس میں وہ لکھتے ہیں " مگر اس میں شرط یہ ہے کہ کسی نائم یا مصلی کو اذیت نہ ہو اور اگر کسی شیخ نے جہرِ مفرط بتلایا ہے تو علاوہ شرط عدم تاذی جیران کے ایک شرط اس میں یہ بھی ہے کہ جہر کے اس افراط کو قربتِ مقصودہ نہ سمجھے بلکہ مبنی بر مصالحِ خاصہ معتبرہ عند المشائخ سمجھے ۱۲ منہ)

پس بعد ثبوت مشروعیت جہر کسی طور وہیئت کے ساتھ مقید نہیں بلکہ بوجہ اطلاقِ ادلہ مطلق ہے خواہ منفرد ہو یا مجتمع، حلقہ باندھ کر ہو یا صف باندھ کر یا کسی اور صورت سے، کھڑے ہو کر ہو یا بیٹھ کر، ہر طور سے جائز ہے۔ عن ابی هريرة وابی سعيد قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا يقعد قوم يذكرون الله الا

حفتهم الملائكة رواه مسلم وعن ابی هریرة انه
قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول الله
تعالیٰ انا عند ظن عبدی بی وانا معه اذا ذکرنی
فان ذکرنی فی نفسه ذکرته فی نفسی وان ذکرنی
فی ملأ ذکرته فی ملأ خیر منهم متفق علیه وعن
انس قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم اذا
مررتم بریاض الجنة فارتعوا قالوا وما ریاض
الجنة قال حلق الذکر رواه الترمذی وقال الله تعالیٰ
یذکرون الله قیاما وقعودا وعلی جنوبهم الآیة و
فی التفسیر الاحمدی فی بحث الجهر والاخفاء وهذا
بحث مختلف فیه بین الانام فی زماننا ولا طائل
تحته اذ المقصود للکل الوصول الی الله بای طریق کان

(مسلم شریف میں ابوہریرہ اور ابوسعید سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا کوئی قوم اللہ تعالیٰ کا ذکر نہیں کرتی مگر فرشتے اس کو گھیر لیتے ہیں، بخاری
اور مسلم میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں اپنے
بندے کے گمان کے موافق اور اس کے ساتھ ہوں، جب وہ میرا ذکر تنہا کرتا ہے
تو میں اس کا ذکر تنہا کرتا ہوں اور جب وہ جماعت کے ساتھ مل کر میرا ذکر کرتا
ہے تو میں اس سے بہتر جماعت میں اس کا ذکر کرتا ہوں۔ ابوداؤد میں ہے
حضرت انس بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں کسی جماعت
کے ساتھ بیٹھ کر عصر سے مغرب تک اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا رہوں تو یہ مجھ کو چار
غلاموں کے آزاد کرنے سے زیادہ پسند ہے، اور ترمذی میں حضرت انس
سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم جنت کے باغوں
سے گزرا کرو تو کچھ کھا لیا کرو، پوچھا حضور جنت کے باغ کونسے ہیں؟ فرمایا

WWW.NAFSEISLAM.COM

ذکر کے حلقے۔ اور قرآنِ کریم میں ہے لوگ اللہ تعالے کا ذکر کرتے ہیں کھڑے ہوئے، بیٹھے ہوئے اور کروٹوں کے بل، اور تفسیرِ احمدی میں اخفاء اور جہر کی بحث میں مرقوم ہے کہ ہمارے زمانہ میں جہر اور اخفاء میں کافی اختلاف ہے اور اس بحث میں پڑنے سے کوئی فائدہ نہیں کیونکہ ہر فریق کا مقصود اللہ تعالٰی تک پہنچنا ہے خواہ کسی طریقہ سے ہو)

پس ثابت ہوا کہ ذکرِ جہر ہر طور سے جائز ہے کسی کو کسی طور سے منع نہ کریں، یہی ارجح واصح ہے بلکہ اگر عدمِ مشروعیت کو بھی ترجیح دی جاوے تب بھی عوام کو منع نہ کریں کہ اسی بہانہ کچھ خیر کر گزرتے ہیں چنانچہ خود مانعین نے اس امر کی تصریح کردی ہے قال فی الدر المختار بعد المنع من الجهر وهذا للخواص اما العوام فلا يمنعون من تكبير ولا تنفل اصلا لقلة رغبتهم فی الخيرات بحر قوله فلا يمنعون لا تحسن المقابلة الا لو قال فلا يكره فی حقهم وقد يقال ما ذكره لازم عدم الكراهة وقوله اصلا ای لا سرا ولا جهرا فی التكبير، شامی ۱۲ هذا ما عندی والله عليم بما عنده۔" [1]

تھانوی صاحب نے اپنے اس فتوے میں ذکر بالجہر کے جواز پہ وہی دلائل پیش کئے ہیں جن کو ہم نے بھی رسالہ ذکر بالجہر میں پیش کیا تھا۔ اب سرفراز صاحب کو یہ سوچنا چاہیئے کہ ان دلائل پر انہوں نے جو تبرا کیا ہے آیا وہ صرف ہمارے ساتھ خاص ہے یا اس میں سے کچھ حصہ تھانوی صاحب کو بھی ملے گا۔

اب ہم تھانوی صاحب کے اس طویل فتوے سے چند اہم فوائد پیش کرتے ہیں :۔

---

[1] امداد الفتاوے ، ج ۴ ، ص ۴۲ تا ۴۶۔

تھانوی صاحب کے فتوے کے فوائد

۱۔ جن مخصوص مواقع پر شارع علیہ السلام سے ذکر ثابت ہے ان کے علاوہ ذکر بالجہر کرنے میں علماء حنفیہ کا اختلاف ہے بعض اس جہر کو مکروہ کہتے ہیں اور بعض جائز لیکن صحیح قول انہیں لوگوں کا ہے جو علی العموم ذکر بالجہر کو جائز کہتے ہیں۔

۲۔ جن بعض فقہاء نے جہر سے منع کیا ہے ان کے اقوال حجت نہیں ہو سکتے کیونکہ دوسرے فقہاء اسے جائز کہتے ہیں اور بعض کے اقوال بعض پر حجت نہیں۔

۳۔ جن فقہاء نے منع کیا ہے ان کا منع کرنا افراط یا تأذی پر محمول ہے۔

۴۔ جب کسی کی عبادت یا نیند میں خلل نہ ہو اس وقت جہرِ مفرط بھی جائز ہے جبکہ جہر کے اس افراط کو خاص عبادت خیال نہ کرے۔

۵۔ ذکر بالجہر بوجہ اطلاقِ ادلہ علی الاطلاق مشروع ہے اور کسی قید کے ساتھ مقید نہیں ہے۔

۶۔ ارجح و اصح یہی ہے کہ ذکر بالجہر ہر طرح جائز ہے، کسی کو منع نہیں کرنا چاہیئے۔

۷۔ جن فقہاء نے ذکر بالجہر کو مکروہ کہا ہے ان کا یہ کہنا بھی خواص کے لئے ہے، عوام کو ذکر بالجہر کرنے سے وہ لوگ منع نہیں کرتے اور نہ ان کے حق میں وہ مکروہ ہے اور اس بات کی ان حضرات نے تصریح بھی کر دی ہے۔

WWW.NAFSEISLAM.COM

جہرِ مفرط کی اجازت

یہی تھانوی صاحب "واذکر ربک فی نفسک تضرعاً و خیفۃً" کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"حاصل ادب کا یہ ہے کہ دل اور ہیئت میں تذلل اور خوف ہو اور آواز کے اعتبار سے جہرِ مفرط نہ ہو یا تو بالکل آہستہ ہو یعنی مع حرکت لسانی کے اور یا جہر معتدل ہو اور جہر فی نفسہ ممنوع نہیں ہے، جن حدیثوں میں اس کی ممانعت آئی ہے مراد اس سے مفرط ہے البتہ اگر کسی عارض کی وجہ سے مثل دفع خطرات یا دفع قساوت و تحصیلِ رقت وغیرہ ان شرائط کے ساتھ ہو کہ کسی

شیخ محقق نے تجویز کیا ہو کسی نائم یا مصلی کو تشویش نہ ہو ورنہ بستی سے باہر چلا جاوے، اس جہر کو قربت نہ جانتا ہو بلکہ علاج سمجھتا ہو تو اجازت ہے کیونکہ جو مفاسد علت نہی کے تھے وہ اس میں نہیں ہیں۔" لہ

الا اللہ کی ضرب

بوادر نوادر میں جہر کے ساتھ "لا الٰہ الا اللہ" کی ضرب پر گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

"حدیث عن البراء قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم ینقل التراب یوم الخندق حتی اغمر بطنہ او اغبر بطنہ یقول واللہ لولا اللہ ما اھتدینا ولا تصدقنا ولا صلینا فانزلن سکینۃ علینا وثبت الاقدام ان لاقینا ان الاولی قد بغوا علینا اذا ارادوا فتنۃ ابینا ورفع بھا صوتہ ابینا ابینا وبطریق اخر قال ثم یمد صوتہ باخرھا ای ابینا رواھما البخاری فی باب غزوۃ الخندق

ترجمہ کا حاصل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ خندق میں یہ رجز پڑھ رہے تھے واللہ لولا اللہ ما اھتدینا اور اس کے ختم پر جو کلمہ ہے 'ابینا' اس کو مکرر اور آواز کو دراز اور بلند کر کے فرماتے تھے، اس حدیث کی دلالت ضرب کی مشروعیت پر اس طرح ہے کہ بعض کلمات میں ضرب سے مقصود اثر خاص کا اہتمام ہے اور یہی اہتمام اثر خاص کا مقصود تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا 'ابینا' کے تکرار اور جہر و مد صوت سے، پس علت کے اشتراک سے حکم بھی متعدی ہو جاوے گا اور یہ حدیث جس طرح مشروعیت جہر ضرب پر بمعنی دال ہے اسی طرح جہر بالذکر و مد صوت بعض کلمات و تکرار بعض اجزاء کلام

لہ بیان القرآن، ج ۱، ص ۳۶۴۔

جیسے "الا اللہ" بدون تکمیل جملہ پر بھی نصًا دال ہے، اولین پر دلالت ظاہر ہے ثالث پر دلالت کی تقریر یہ ہے کہ پورا کلام مقصود مجموعہ ہے عامل و معمول یعنی شرط و جزا کا یعنی اذا ارادو افتنتنا ابینا مگر آپ نے صرف ایک جزو یعنی جزا کا جو کہ معمول ہے، تکرار فرمایا بدون شرط کے جو کہ عامل ہے اسی کے مشابہ ہے تکرار "الا اللہ" معمول کا بدون "لا الٰہ" عامل کے تو اس سے مضمون آئندہ یعنی سوم کی بھی ایک زائد دلیل حاصل ہوئی۔" [1]

مولوی اشرف علی صاحب تھانوی کی ان عبارات سے ظاہر ہو گیا کہ متوسط آواز کے ساتھ ذکر بالجہر بالعموم جائز ہے کیونکہ نبذا در عبادت میں خلل جہر مفرط کی صورت میں ہوتا ہے اور اس کا ناجائز ہونا ایک اتفاقی چیز ہے، علاوہ ازیں "لا الٰہ الا اللہ" کے جہر میں "الا اللہ" کی ضرب کو بھی انہوں نے حدیث سے ثابت کیا ہے، مسلک دیوبند سے تعلق رکھنے والے حضرات پر ان کی یہ عبارات حجت قاطعہ کا درجہ رکھتی ہیں، اللہ تعالےٰ انہیں ہدایت عطا فرمائے۔

---

[1] بوادر النوادر ، ص ۵۰۴۔

الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ

بعض مساجد میں لوگ اجتماعی طور سے جہراً "الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ" پڑھتے ہیں ذکر کے عموم اور اطلاق میں درود شریف بھی داخل ہے اور جن دلائل سے دیگر اذکار جائز ہیں وہی دلائل درود شریف کے لئے بھی مجوز ہیں اور جس طرح جہرِ فاحش سے دیگر اذکار ممنوع ہیں اسی طرح درود شریف میں بھی جہرِ فاحش ممنوع ہے اور متوسط جہر کے ساتھ درود شریف پڑھنا بہر حال جائز اور مستحسن ہے، امام نووی لکھتے ہیں :-

یستحب لقارئ الحدیث و غیرہ ممن فی معناہ اذا ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یرفع صوتہ بالصلوٰۃ علیہ و التسلیم ولا یبالغ فی الرفع مبالغۃ فاحشۃ و ممن نص علی رفع الصوت الامام الحافظ ابوبکر الخطیب البغدادی و اٰخرون وقد نقلتہ الی علوم الحدیث وقد نص العلماء من اصحابنا و غیرھم انہ یستحب ان یرفع صوتہ بالصلوٰۃ علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی التلبیۃ و اللہ تعالٰی اعلم [1]

"حدیث شریف اور اس کے ہم معنی کلام پڑھنے والے کے لئے مستحب ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک آئے تو بلند آواز سے آپ پر صلوٰۃ و سلام پڑھے اور بلند آواز کرنے میں زیادہ مبالغہ نہ کرے، جن حضرات نے آواز بلند کرنے کی تصریح کی ہے ان میں حافظ ابوبکر الخطیب اور دوسرے اکابر شامل ہیں اور میں نے اسے علوم الحدیث میں نقل کیا ہے نیز شوافع و غیر شوافع علماء نے تلبیہ کے موقع پر بلند آواز سے درود شریف پڑھنے کے استحباب کی تصریح فرمائی ہے۔"

---

[1] کتاب الاذکار ، ص ۱۰۷۔

درود شریف کو بالعموم جہر سے پڑھنے کا ثبوت

امام ابن الہمام نے تلبیہ کے وقت آہستہ درود شریف پڑھنے کے لئے کہا ہے اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ تمام اوقات میں درود شریف آہستہ ہی پڑھنا چاہیئے بالعموم درود شریف پڑھنے کا حکم وہی ہے جس کو علامہ نووی نے بیان کر دیا ہے چنانچہ گنگوہی صاحب لکھتے ہیں :-

"سوال :- ذکر بجہر اور دعا بجہر اور درود بجہر خواہ بجہر خفیف ہو یا شدید جیسے نماز میں نزدیک حضرات محدثین اور حضرات ائمہ اربعہ وغیرہم رضی اللہ تعالےٰ عنہم کے کیا حکم رکھتا ہے اور وہ جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب :- ذکر خواہ کوئی ذکر ہو وے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالےٰ کے نزدیک سوائے ان مواقع کے کہ ثبوت جہر نص سے ہے وہاں مکروہ ہے اور صاحبین اور دیگر فقہاء و محدثین جائز کہتے ہیں اور مشرب ہمارے مشائخ کا اختیار مذہب صاحبین ہے علیہما الرحمۃ انتہیٰ" [1]

اس عبارت میں گنگوہی صاحب نے تصریح کر دی ہے کہ احناف کے مفتیٰ بہ قول پر درود شریف کو دیگر اذکار کی طرح جہر سے پڑھنا جائز ہے۔

---

[1] فتاویٰ رشیدیہ کامل مبوب ، ص ۲۱۶ -

الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ کی تحقیق

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ پڑھنا کلمۂ ندا کی وجہ سے ناجائز ہے اور درود شریف پڑھنے کے لیئے درودِ ابراہیمی ہی کے صیغوں کو استعمال کرنا چاہیئے۔ جواباً گذارش ہے کہ قرآنِ کریم میں دو حکم ہیں "صلوا علیہ وسلموا" (حضور پر صلوٰۃ وسلام پڑھو) درودِ ابراہیمی میں صرف صلوٰۃ کا ذکر ہے سلام کا نہیں لہٰذا درودِ ابراہیمی پڑھنے سے قرآنِ کریم کے اس حکم پر عمل نہیں ہوگا، البتہ جب الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ پڑھیں گے تو صلوٰۃ اور سلام دونوں پر عمل ہوجائیگا۔

نیز علامہ نووی فرماتے ہیں :۔

وقد نص العلماء علی کراھۃ الاقتصار علی الصلوٰۃ علیہ صلی اللہ علیہ وسلم من غیر تسلیم [1]

"علماء نے تصریح کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر بغیر سلام کے صرف صلوٰۃ پڑھنا مکروہ ہے"

اس وجہ سے درودِ ابراہیمی پر اقتصار کرکے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر صرف صلوٰۃ پڑھنا کراہت سے خالی نہیں ہے۔

باقی رہا یہ امر کہ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے درودِ ابراہیمی کی تعلیم کیوں دی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضور نے درودِ ابراہیمی نماز میں پڑھنے کا حکم دیا تھا اور نماز میں چونکہ تشہد کے دوران "السلام علیک ایہا النبی" کے ساتھ پہلے سلام پڑھ لیا جاتا ہے لہٰذا وہاں فقط صلوٰۃ پر اقتصار لازم نہیں آتا چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے :۔

اقبل رجل حتی جلس بین یدی النبی صلی اللہ علیہ وسلم و نحن عندہ فقال یارسول صلی اللہ

---

[1] شرح نووی علی ہامش مسلم ، ج ۱ ، ص ۲ ۔

علیہ وسلم اما السلام علیک فقد عرفناہ فکیف نصلی علیک اذا نحن صلینا فی صلوٰتنا صلی اللہ علیک قال فصمت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حتی احببنا ان الرجل لم یسئلہ فقال اذا انتم صلیتم علی فقولوا اللّٰھم صل علی محمد الخ [1]

"ایک شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور سامنے آکر بیٹھ گیا اور کہنے لگا یا رسول اللہ! اسلام کو تو ہم نے سمجھ لیا ہے، اب فرمایئے کہ ہم نماز میں آپ پر صلوٰۃ کیسے پڑھیں؟ حضور خاموش ہوئے یہاں تک کہ ہم نے سوچا کہ وہ سوال ہی نہ کرتا، پھر حضور نے فرمایا جب نماز میں تم صلوٰۃ پڑھو تو یوں پڑھنا اللّٰھم صل علی محمد الخ"

صحابہ کرام سے الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ کا ثبوت

بعض لوگ یہ کہہ دیتے ہیں کہ یہ ٹھیک ہے کہ اس درود شریف میں صلوٰۃ وسلام دونوں جمع ہو جاتے ہیں لیکن یہ درود شریف صحابہ کرام سے ثابت نہیں ہے اس لئے بدعت ہے، اس کے جواب میں گذارش ہے کہ یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ یہ درود شریف صحابہ سے غیر ثابت ہے بلکہ اصل واقعہ یہ ہے کہ صحابہ کرام بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حضور الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ پڑھا کرتے تھے، علامہ شہاب الدین خفاجی حنفی فرماتے ہیں :-

والمنقول انھم کانوا یقولون فی تحیۃ الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ [2]

"منقول ہے کہ صحابہ کرام حضور پر تحیت پیش کرتے ہوئے کہتے تھے "الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ"۔"

---

[1] مسند امام احمد، ج۴، ص ۱۱۹۔
[2] نسیم الریاض، ج ۳، ص ۴۵۴۔

نداء غیر اللہ کی تحقیق

اس سلسلہ میں ایک اعتراض نداء کا بھی اٹھایا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ چونکہ اس درود میں ندائے غیر اللہ ہے اس لئے یہ ناجائز ہے۔ نداء غیر اللہ کے مسئلہ میں مانعین کے کلمات مضطرب ہیں اس لئے ہم چاہتے ہیں کہ اس مسئلہ پر تمام پہلوؤں سے گفتگو کر لی جائے، مطلقاً نداء کو ممنوع نہیں کہا جا سکتا کیونکہ قرآن میں انبیاء علیہم الصلوٰۃ و السلام کا اپنی امتوں کو نداء کرنا مثلاً قل یا ایہا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا اور امتوں کا اپنے انبیاء کو نداء کرنا مثلاً یا عیسیٰ ھل یستطیع ربک وارد ہے اس لئے نداء غیر اللہ کو ممنوع قرار دینے کے لئے لامحالہ کسی قید کا اضافہ کرنا ہوگا۔

امورِ مافوق الاسباب میں نداء

بعض لوگ کہتے ہیں کہ امورِ مافوق الاسباب میں غیر اللہ سے استمداد کے طور پر نداء کرنا منع ہے لیکن یہ قول صریح قرآن کے خلاف ہے، تختِ بلقیس تین ماہ کی مسافت پر واقع تھا اور حضرتِ سلیمان چاہتے تھے کہ بلقیس اور ان کے ساتھیوں کے پہنچنے سے پہلے وہ تخت ان کے پاس پہنچ جائے اور یہ امر خارقِ عادت تھا چنانچہ انہوں نے اپنے درباریوں سے فرمایا :۔

ایہا الملأ ایکم یاتینی بعرشہا قبل ان یأتونی مسلمین۔

"اے درباریو! تم میں سے کون شخص تختِ بلقیس کو ان لوگوں کے پہنچنے سے پہلے لا سکتا ہے۔"

اس آیت میں امورِ مافوق الاسباب میں علیٰ وجہ الاستعانت کا ثبوت واضح ہے۔

دُور سے نداء کا ثبوت

بعض لوگ کہتے ہیں کہ غائب اور بعید کو نداء کرنا ناجائز ہے لیکن یہ بات آثارِ صحابہ سے مردود ہے، صاحبِ مشکوٰۃ روایت کرتے ہیں :۔

عن ابن عمر ان عمر بعث جیشا و امر علیہم رجلا یدعی ساریۃ فبینما عمر یخطب فجعل یصیح یا ساری الجبل فقدم رسول من الجیش فقال یا امیر المؤمنین لقینا عدونا فھزمونا فاذا بصائح یصیح یا ساری الجبل فاسندنا ظھورنا الی الجبل فھزمھم اللہ تعالیٰ رواہ البیہقی فی دلائل النبوۃ [1]

"حضرت عبداللہ بن عمر بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر نے ایک لشکر بھیجا اور ان پر ساریہ نام کے ایک شخص کو امیر بنایا۔ ایک دن حضرت عمر نے اثنائِ خطبہ میں بآوازِ بلند فرمایا اے ساریہ! پہاڑ کی اوٹ میں ہو جا، جب لشکر سے ایک شخص آیا اور کہنے لگا اے امیر المؤمنین! دشمن سے ہمارا مقابلہ ہوا، اس نے ہم کو شکست دے دی، اچانک ایک آواز آئی، اے ساریہ پہاڑ کی اوٹ میں ہو جا! ہم پہاڑ کی اوٹ میں ہو گئے اور اللہ تعالیٰ نے ہم کو ان پر غالب فرما دیا"

حضرتِ عمر رضی اللہ عنہ کے اس اثر میں غائب اور بعید کی ندا کے جواز کا آفتاب سے زیادہ روشن ثبوت موجود ہے۔

اموات کو ندا کا ثبوت

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ فوت شدہ لوگوں کو ندا کرنا ناجائز ہے لیکن یہ کہنا بھی حدیثِ صریح کے خلاف ہے، امامِ ترمذی روایت فرماتے ہیں:-

عن ابن عباس قال مر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بقبور المدینۃ فاقبل علیھم بوجھہ فقال السلام علیکم یا اھل القبور یغفر اللہ لنا ولکم

---

[1] مشکوٰۃ شریف، ص ۵۴۶۔

انتم سلفنا ونحن بالاثر [1]

"حضرت ابن عباس بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ کی قبروں پر گزرے تو اپنا رُخِ انور اہلِ قبور کی طرف متوجہ کر کے فرمایا اے اہلِ قبور السلام علیکم! اللہ تعالیٰ تمہاری اور ہماری مغفرت فرمائے تم ہمارے پیش رو ہو اور ہم تمہارے بعد آنے والے ہیں"

اس حدیث شریف میں اس بات کا صریح ثبوت موجود ہے کہ فوت شدہ حضرات کو نداء سے خطاب کرنا جائز ہے۔

فوت شدہ بزرگوں کو بطورِ استمداد نداء کرنا

بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ فوت شدہ حضرات کو استمداد اور استغاثہ کے طور پر نداء کرنا ناجائز ہے لیکن یہ کہنا بھی احادیث، آثار اور اقوالِ ائمہ کے سراسر خلاف ہے مولوی اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں :-

"پہلی روایت : سنن ابن ماجہ باب صلوٰۃ الحاجۃ میں عثمان بن حنیف سے روایت ہے کہ ایک شخص نابینا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ دعا کیجئے اللہ تعالیٰ مجھ کو عافیت دے، آپ نے فرمایا اگر تو چاہے اس کو ملتوی رکھوں اور یہ زیادہ بہتر ہے اور اگر تو چاہے تو دعا کر دوں، اس نے عرض کیا کہ دعا ہی کر دیجئے، آپ نے اس کو حکم دیا کہ وضو کرے اور اچھی طرح وضو کرے اور یہ دعا کرے" اے اللہ! میں آپ سے درخواست کرتا ہوں اور آپ کی طرف متوجہ ہوں بوسیلہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نبی رحمت کے، اے محمد! میں آپ کے وسیلہ سے اپنی اس حاجت میں اپنے رب کی طرف متوجہ ہوں تاکہ وہ پوری ہو دے، اے اللہ! آپ کی شفاعت میرے حق میں قبول کیجئے* [2]

---

[1] جامع ترمذی ، ص ۱۲۱۔

[2] نشر الطیب ، ص ۳۰۰۔

* متنِ حدیث اس طرح ہے اللّٰھم انی اسئلک واتوجہ الیک بمحمد نبی الرحمۃ یا محمد انی قد توجھت بک الی ربی فی حاجتی ھذہ لتقضی لی اللّٰھم فشفعہ فی،

اس کے بعد تھانوی صاحب لکھتے ہیں :۔

"دوسری روایت : انجاح الحاجہ میں بعد تصحیح حدیث مذکور کے کہا ہے کہ طبرانی نے کبیر میں عثمان بن حنیف سابق الذکر سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص حضرت عثمان بن عفان کے پاس کسی کام کو جایا کرتا اور وہ اس کی طرف التفات نہ فرماتے، اس نے عثمان بن حنیف سے کہا انہوں نے فرمایا تو وضو کر کے مسجد میں جا اور وہی دعا اوپر والی سکھلا کر کہا کہ یہ پڑھ[عسہ] ! چنانچہ اس نے یہی کیا اور حضرت عثمان کے پاس جو پھر گیا تو انہوں نے بڑی تعظیم و تکریم کی اور کام پورا کر دیا الحدیث۔ بیہقی نے اس کو دو طریق سے بیان کیا اور طبرانی نے کبیر اور اوسط میں ایسی سند سے نقل کیا ہے جس میں روح بن صلاح بھی ہے اور ابن حبان و حاکم نے اس کی توثیق کی ہے اور اس میں ایک گونہ ضعف ہے (جو کہ ایسے ابواب میں مضر نہیں ہے)" [له]

اس حدیث میں اس بات کی تصریح ہے کہ وصال کے بعد بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو استمداد اور استغاثہ کے طور پر پکارا جا سکتا ہے کیونکہ عثمان بن حنیف نے شخص مذکور کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت عثمان کے زمانہ میں اس دعا کی تلقین کی جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو لفظ 'یا' سے ندا کر کے آپ سے درخواست کی گئی ہے کہ آپ استجابتِ دعا کے لئے اللہ تعالیٰ کے حضور شفاعت فرمائیں۔

ندائے غائب پر تھانوی صاحب کے شبہات اور انکے جوابات

تھانوی صاحب کو اس حدیث کا ثبوت تو تسلیم ہے لیکن ندار بعد الوفات پر اس کی دلالت سے اختلاف کرتے ہیں چنانچہ دوسری روایت ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں :۔

قال ابو اسحٰق ھذا حدیث صحیح۔ ابن ماجہ، ص ۹۹ (سعیدی غفرلہ)

عسہ یہی اوپر والی دعا جو اللھم انی اسئلک الخ سے شروع ہوتی ہے ۱۲ (سعیدی غفرلہ)

له نشر الطیب، ص ۳۰۱۔

" اس سے توسل بعد الوفات بھی ثابت ہوا اور علاوہ ثبوت بالروایت کے درایت بھی ثابت ہے کیونکہ روایتِ اول کے ذیل میں جو توسل کا حاصل بیان کیا گیا ہے، وہ دونوں حالتوں میں مشترک ہے اور ندار کا شبہ یہاں بھی نہ کیا جاوے دو وجہ سے، ایک تو تنہا در قصہ سے یہ ہے کہ مسجد نبوی میں جانے کو فرمایا ہے سو وہاں حضور قریب ہی تشریف رکھتے ہیں؛ ندار غائب لازم نہیں آئی، دوسرے سلف صالح خوش اعتقاد تھے، ندار بقصد تبلیغ ملائکہ ان کے حال سے ظاہر تھا بخلاف اس وقت کے عوام کے کہ عقیدہ میں غلو رکھتے ہیں اسی سلئے ان کو منع کیا جاتا ہے بلکہ ان کی حفاظت کے لئے خواص کو بھی روکا جاتا ہے' دوسرے وہ حضرات یہ ندار حاجت روا نہ سمجھ کر کرتے تھے اب اس میں بھی غلو ہے، پس ان کا فعل ان ناقصین کے فعل کا مقیس علیہ نہیں ہو سکتا ع

کارِ پاکاں از قیاسِ خود مگیر " ؎

تھانوی صاحب کا یہ کہنا حضور مسجدِ نبوی میں تشریف رکھتے تھے اس لئے ندارِ غائب لازم نہیں آئی، سخت قسم کے تغافل یا مغالطہ آفرینی پر مبنی ہے کیونکہ یہ بات تو صرف پہلی روایت کے بارے میں کہی جاسکتی ہے اور دوسری وہ روایت جس کے تحت تھانوی صاحب فائدہ لکھ رہے ہیں، اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد ندا کی تصریح ہے جو ندار غائب بھی ہے اور ندار بعد الوفاۃ بھی۔

رہا یہ کہنا کہ تبلیغ ملائکہ کے قصد سے ندا کرنا جائز ہے، تو یہ درست ہے لیکن اس میں حصر نہیں ہے جیسا کہ ہم عنقریب ان شاء اللہ العزیز بادلائل بیان کردیں گے۔

صحابہ کرام سے ندار بطورِ استمداد بعد از وصال کا ثبوت

امام بخاری اور قاضی عیاض شفار شریف میں روایت کرتے ہیں :۔

؎ نشر الطیب ، ص ۳۰۱ ، ۳۰۲ ۔

خدرت رجل ابن عمر فقال لہ رجل اذکر احب الناس الیک فقال یا محمد وفی روایۃ فصاح یا محمداہ فانتشرت رجلہ [1]

"حضرت عبداللہ بن عمر کا پاؤں سُن ہو گیا تو کسی نے ان سے کہا کہ اس کو یاد کرو جو تمہیں سب لوگوں سے زیادہ پیارا ہے تو عبداللہ بن عمر نے بلند آواز سے پکارا یا محمداہ! تو ان کا پاؤں اسی وقت ٹھیک ہو گیا۔"

حضرت ملا علی قاری شرح شفاء میں 'یا محمداہ' کے تحت لکھتے ہیں:۔

قصد بہ اظہار المحبۃ فی ضمن الاستغاثۃ [2]

"حضرت عبداللہ بن عمر نے اظہار محبت کے لئے بطور استمداد و استغاثہ یا محمداہ پکارا۔"

متن حدیث اور حضرت ملا علی قاری کی وضاحت سے یہ بالکل روز روشن کی طرح واضح ہو گئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت عبداللہ بن عمر نے آپ کو بطور استغاثہ پکارا تھا اور یہ ندا لئے غائب بھی ہے، ندا سے بعد از وصال بھی اور ندا بطور استغاثہ بھی۔

فقہائے کرام سے ندا بطور استمداد بعد از وفات کا ثبوت

یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً للہ کے بارے میں علامہ خیرالدین رملی حنفی لکھتے ہیں:۔

واما قولھم یا شیخ عبدالقادر فھو نداء واذا اضیف الیہ شیئ للہ فھو طلب شیئ اکراما للہ فما الموجب لحرمتہ [3]

WWW.NAFSEISLAM.COM

"یا شیخ عبدالقادر ندا ہے اور جب اس کے ساتھ شیئاً للہ ملا دیا جائے تو یہ کسی شئے کو اللہ تعالیٰ کے اکرام کے لئے طلب کرنا ہے تو اس کو حرام کہنے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے۔"

---

[1] الادب المفرد، ص ۱۴۲، شفاء، ج ۲، ص ۱۸۔

[2] شرح شفاء علی ہامش نسیم الریاض، ج ۳، ص ۳۵۵۔

[3] فتاوے خیریہ، ج ۲، ص ۲۸۲۔

علامہ خیر الدین رملی علامہ علاؤ الدین حصکفی کے استاذ ہیں اور فقہائے احناف میں بہت بلند مقام رکھتے ہیں انہوں نے اپنے اس فتویٰ میں اس بات کی تصریح کر دی ہے کہ وصال کے بعد بزرگانِ دین کو بطورِ استغاثہ ندا کرنا جائز ہے۔

اسی بحث میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی اپنے شیخ، شیخ عبدالوہاب متقی سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

و قد یکون خاطر الشیخ فھو امداد ھمۃ الشیخ یصل الی قلب المرید الطالب مشتملا علی کشف معضل و حل مشکل حصل للمرید فی الواقعات والواردات الربانیۃ وھذا الخاطر انما یرد علی قلب المرید عند استکشافہ ذٰلک باستمداد من ضمیر الشیخ فینکشف و یتبین الحال سواء کان الشیخ حاضرا او غائبا حیا او میتا یدل علیہ ما قال الشیخ العارف باللہ علی بن حسام الدین المتقی اسکنہ اللہ بحبوبۃ جنتہ و تغمدہ بلطفہ و رحمتہ یا عبد الوھاب اذا اشکل علیک شیئ من الواقعات والواردات فاعرضھا علی بقلبک و استکشف ذٰلک باستمداد لہ منی و لو بعد موتی فجربت ذٰلک فوجدتہ کما قال وھذا الخاطر ایضا فی الحقیقۃ داخل تحت خاطر الحق سبحانہ لان قلب الشیخ بمثابۃ باب مفتوح الی عالم الغیب و ھو واسطۃ بین المرید و بین الحق سبحانہ فیصل امداد فیضہ علی قلب المرید بواسطتہ انتھی کلامہ قدس سرہ [1]

---

[1] لمعات ، ج۱ ، ص ۱۴۱-

"کبھی شیخ کا خیال در اصل شیخ کی توجہ کی امداد ہوتی ہے، یہ توجہ مرید اور طالب کے دل میں اس کی ان مشکلات اور دشواریوں کے حل کے لئے حاصل ہوتی ہے جو اس کو وارداتِ ربانیہ میں حاصل ہوتی ہیں اور یہ توجہ مرید کو اس وقت حاصل ہوتی ہے جب وہ شیخ کے ضمیر سے مدد طلب کرتا ہے پھر اس کی گرہیں کھل جاتی ہیں خواہ شیخ حاضر ہو یا غائب، زندہ ہو میت، اس کی دلیل یہ ہے کہ شیخ عارف باللہ علی بن حسام الدین متقی رحمۃ اللہ نے فرمایا اے عبدالوہاب جب تم کو وارداتِ ربانیہ میں کوئی مشکل پیش آئے تو ان کو میرے قلب پر پیش کرنا اور مجھ سے مدد طلب کرنا خواہ میں فوت ہو چکا ہوں۔ میں نے اس بات کا تجربہ کیا ہے اور اس کو ایسا ہی پایا ہے اور یہ خیال شیخ بھی اللہ سبحانہ کے خیال میں داخل ہے کیونکہ قلب شیخ ایک ایسا دروازہ ہے جو عالمِ غیب کی طرف کھلا ہوا ہے اور شیخ، اللہ سبحانہ اور مرید کے درمیان واسطہ ہے اس سے مرید کے قلب پر اللہ تعالےٰ کے فیض کی امداد شیخ کی وساطت سے پہنچتی ہے۔"

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ کی علمیت اور بزرگی فریقین میں مسلم ہے، ہندوستان میں علمِ حدیث کی اشاعت کا سہرا انہی کے سر ہے، ندا بغیر اللہ کے جواز میں ان کی یہ تحریر ہر اس شخص پر حجت ہے جو اپنے آپ کو حضرتِ شیخ کے فیضانِ حدیث سے مستفیض سمجھتا ہے۔

اسی طرح حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی بھی دورِ آخر کے نابغۂ روزگار علماء میں سے تھے، خاص طور پر فریقِ مخالف ان کی شخصیت پر بہت اعتماد کرتا ہے اور تقریباً ہر مسئلہ میں ان کی تحاریر سے استناد کرتا ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب 'جواہر خمسہ' (حضرت شیخ محمد گوالیاری رحمۃ اللہ علیہ کے تمام اعمال) کا ورد و وظیفہ کرتے تھے چنانچہ انہوں نے اپنے استاذِ علمِ حدیث مولانا ابوطاہر مدنی و شیخ محمد سعید لاہوری رحمہا اللہ تعالیٰ سے ان وظائف کی اجازت حاصل کی سلہ اور جواہرِ خمسہ میں یہ عمل بھی مذکور ہے۔

سلہ الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ ، ص ۱۳۸۔

نادِ علیًا مظہر العجائب تجدہ عونًا لک

فی النوائب کل ہم و غم سینجلی بولایتک

یا علی یا علی یا علی۔

"حضرتِ علی کو پکارو جن کی ذات مظہرِ عجائب ہے، تم جب مصائب میں ان کو پکارو گے تو ان کو اپنا مددگار پاؤ گے اور بسرعت تمہاری پریشانی دور ہو جائے گی یا علی یا علی یا علی۔"

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی شخصیت بھی مسلم بین الفریقین ہے بلکہ فریقِ مخالف کے یہاں ان کی شخصیت پر زیادہ تکیہ کیا جاتا ہے، شاہ عبدالعزیز نے بستان المحدثین میں علماء اور ائمہ حدیث کے احوال و کوائف جمع کیے ہیں، ان میں آپ نے شیخ سیدی زرّوق فاسی (متوفی ۸۹۹ھ) کا بھی تذکرہ لکھا ہے اور بتلایا ہے کہ وہ بلاد طرابلس کے ابدال میں سے تھے، شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ شیخ سیدی زروق نے قصیدہ جیلانیہ کی طرز کا ایک قصیدہ لکھا ہے جس کے بعض اشعار یہ ہیں ؎

انا لمریدی جامع لشتاتہ

اذا ما سطا جور الزمان بنکبتہ

"میں اپنے مرید کی پریشان حالی کو تسلی دینے والا ہوں جب زمانہ نکبت و ادبار سے اس پر حملہ آور ہو۔"

وان کنت فی ضیق و کرب و وحشۃ

فناد بیا زروق ات بسرعۃ

"اگر تو کسی تنگی بے چینی اور وحشت میں ہو تو یا زروق کہہ کر پکار، میں فوراً آموجود ہوں گا۔" [1]

نوٹ:۔ یہ ترجمہ مولوی عبدالسمیع دیوبندی کا کیا ہوا ہے۔

---

[1] بستان المحدثین ؛ ص ۳۲۲۔

WWW.NAFSEISLAM.COM

ندائے غیر اللہ کے عدم جواز کا محمل

گذشتہ صفحات میں جو بحث کی ہے اس سے واضح ہو گیا کہ ندائے غیر اللہ نہ مطلقاً ممنوع ہے نہ بُعد اور دوری کے سبب سے، نہ استمداد اور استغاثہ کے طور سے اور نہ اموات کو ندا کرنے کے سبب سے، ندائے غیر اللہ کے ناجائز ہونے کی صرف ایک ہی وجہ ہے اور وہ یہ کہ کسی شخص کو مستقل فی التصرف یا مستحق عبادت سمجھ کر پکارا جائے اور یہ پکارنا بے شک ناجائز اور شرک ہے خواہ جسے پکارا جائے وہ زندہ ہو یا مردہ، قریب ہو یا بعید اور استمداد و استغاثہ کے طور پر اس کو ندا کی جائے یا محض شوق و محبت سے۔

ندائے یا رسول اللہ

صفحات سابقہ میں مطلقاً ندائے غیر اللہ کی تحقیق پیش کی جا چکی ہے۔ اب ہم بالخصوص ندائے "یا رسول اللہ" کے سلسلہ میں کچھ دلائل پیش کرنا چاہتے ہیں۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

لاتجعلوا دعاء الرسول بینکم کدعاء بعضکم بعضا[1]

"جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے کو پکارتے ہو اس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ پکارا کرو"

WWW.NAFSEISLAM.COM

علامہ آلوسی حنفی اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں:-

اخرج ابن ابی حاتم و ابن مردویہ و ابو نعیم فی الدلائل عن ابن عباس قال کانوا یقولون یا محمد یا ابا القاسم فنہاہم اللہ تعالیٰ عن ذلک بقولہ سبحانہ لاتجعلوا الآیۃ اعظاما

---

[1] سورۂ نور، آیت ۶۳۔

للنبی صلی اللہ علیہ وسلم فقالوا یا نبی اللہ
یا رسول اللہ و روی نحو ھذا عن قتادۃ والحسن
والسعید بن جبیر ومجاھد وفی احکام القرآن
للسیوطی ان فی ھذا النھی تحریم نداءہ صلی
اللہ علیہ وسلم باسمہ ۔ والظاھر استمرار
ذلک بعد وفاتہ الی الآن [1]

"ابن ابی حاتم، ابن مردویہ اور ابونعیم نے اپنی اپنی اسانید کے ساتھ حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بلانے کے وقت یا محمد اور یا ابا القاسم کہہ کر پکارا کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے اس حکم سے ان کو اس طرح پکارنے سے منع کر دیا پھر صحابہ حضور کو یا نبی اللہ اور یا رسول اللہ کہہ کر پکارنے لگے، علامہ سیوطی لکھتے ہیں کہ اس حکم کے ذریعہ حضور صلی اللہ علیہ کو نام سے کر بلانا حرام ہو گیا (علامہ آلوسی فرماتے ہیں) یہ حکم حضور کی وفات سے لے کر اب تک عام ہے۔"

علامہ آلوسی کے اس بیان سے واضح ہو گیا کہ حضور کو عامیانہ انداز میں ندا نہیں کرنی چاہیے بلکہ عزت و شرف کے ساتھ یا نبی اللہ اور یا رسول اللہ کے ساتھ ندا کرنا چاہیے اور یہ حکم عہد رسالت سے لیکر اب تک جاری ہے لہٰذا اب بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ندا کے وقت یا نبی اللہ اور یا رسول اللہ کہا جائے گا۔

ملا علی قاری حنفی اسی بحث میں لکھتے ہیں :۔

بان تقولوا یا رسول اللہ یا نبی اللہ ای وامثالھما
من نحو یا حبیب اللہ وھذا فی حیوتہ وکذا بعد وفاتہ
فی جمیع مخاطباتہ [2]

WWW.NAFSEISLAM.COM

---

[1] روح المعانی، ج ۱۸، ص ۲۲۵۔
[2] شرح شفاء، ج ۳، ص ۳۸۶۔

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ندا کے وقت یا نبی اللہ یا رسول اللہ اور اسی طرح یا حبیب اللہ کہو حضور کی زندگی میں بھی اور آپ کی وفات کے بعد بھی ہر قسم کے خطابات ہیں۔"

حضرتِ ملا علی قاری کی یہ عبارت محتاج تبصرہ نہیں ہے، انہوں نے واشگاف الفاظ میں بیان کر دیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد بھی آپ کو یا رسول اللہ اور یا حبیب اللہ کے صیغوں کے ساتھ ندا کی جائے گی۔

نوٹ :۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسمِ مبارک محمد کی دو حیثیتیں ہیں، ایک یہ کہ یہ آپ کا نام ہے اور اس لفظ سے آپ کی شخصیتِ مبارکہ کا ارادہ کیا جائے، اس لحاظ سے یا محمد کہنا ممنوع اور سوء ادبی ہے۔ دوسری حیثیت یہ ہے کہ یہ آپ کی صفت ہے جب اس لفظ سے اس کے لغوی معنی یعنی "بے حد تعریف کئے ہوئے" کا ارادہ کیا جائے اس لحاظ سے آپ کو یا محمد کہنا جائز ہے اور جبریل علیہ السلام کا آپ کو یا محمد کے ساتھ ندا کرنا اسی شق پر محمول ہے چنانچہ ملا علی قاری نے مرقات شرح مشکوٰۃ میں اور مولوی شبیر احمد عثمانی نے فتح الملہم شرح مسلم میں حدیث جبریل کے تحت یہی تقریر کی ہے۔

نماز میں السلام علیک ایہا النبی کہنا انشاء ہے

نماز کے تشہد میں ہر شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں متوجہ ہو کر کہتا ہے السلام علیک ایہا النبی (سلام ہو آپ پر اے نبی) اور تمام فقہاءِ اسلام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ سلام انشائی کہا جائے یعنی آپ کو سلام کرنے کے قصد سے السلام علیک کہا جائے نہ یہ کہ واقعۂ معراج میں جو اللہ تعالیٰ نے حضور کو سلام فرمایا تھا اس کی نقل اور حکایت کے طور سے السلام علیک کہا جائے چنانچہ علامہ علائی فرماتے ہیں :۔

ویقصد بالفاظ التشہد معانیہا مرادۃ لہ علی وجہ انشاء کانہ یحی اللہ و یسلم علی

نبیہ وعلی نفسہ واولیائہ لا الاخبار عن ذلک ذکرہ فی المجتبیٰ [1]

"الفاظِ تشہد سے ان کے معانی کا ارادہ کرے گویا وہ بالقصد اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنی عبادات کے تحفے پیش کر رہا ہے اور اللہ تعالیٰ کے نبی کو سلام کر رہا ہے اور اپنے آپ کو اور دیگر انبیاء کو بھی سلام کر رہا ہے لہٰذا اس لفظ سے سلام کی نقل کا ارادہ نہ کرے"

علامہ شامی اس کے حاشیہ میں لکھتے ہیں :-

ای لا یقصد الاخبار والحکایۃ عما وقع فی المعراج منہ صلی اللہ علیہ وسلم ومن ربہ سبحٰنہ ومن الملائکۃ علیہم السلام [2]

"حضور کو سلام کرتے وقت واقعۂ معراج میں اللہ تعالیٰ کے کیے ہوئے سلام کی حکایت اور نقل کا ارادہ نہ کرے"

مخالفین بالعموم یہ کہتے ہیں کہ حضور کو سلام کرتے وقت واقعۂ معراج کی حکایت کا قصد کرے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو از خود سلام کرنے کا قصد نہ کرے۔ ہمیں سخت افسوس ہوتا ہے کہ جب نماز کو وہ اللہ اکبر سے شروع کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی تعظیم کا قصد کرتے ہیں، تکبیر ملائکہ کی حکایت نہیں کرتے، اسی طرح رکوع و سجود کی تسبیحات میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح کا قصد کرتے ہیں، تسبیح ملائکہ کی حکایت نہیں کرتے اور جب آخر میں "السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ" کہتے ہیں تو دائیں بائیں مقتدیوں کو سلام کا قصد کرتے ہیں کسی کے سلام کی حکایت نہیں کرتے۔

الغرض نماز میں اول سے آخر تک یہ لوگ انشاء اور قصد کرتے ہیں صرف

---

[1] در المختار علی ہامش رد المختار ، ج ۱ ، ص ۴۷۶ ۔

[2] رد المحتار ، ج ۱ ، ص ۴۷۶ ۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کرنے کے وقت انشار کی جگہ سلام کی حکایت کرتے ہیں۔ غور فرمایئے جن لوگوں سے دنیا کے چند سکے ملتے ہیں جب نماز میں انہیں سلام کرتے ہیں تو قصداً کرتے ہیں اور جن کا کلمہ پڑھنے کی بنا پر مسلمان کہلاتے ہیں جب انہیں سلام کرنے کا وقت آئے تو انہیں قصداً سلام نہیں کرتے، کیا یہ ظلم اور زیادتی کی انتہا نہیں کرتے۔

قارئین کرام پر اس تفصیل سے ظاہر ہو گیا ہو گا کہ روایت اور درایت ہر دو طریقہ سے ثابت ہے کہ نماز میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قصداً ندا کر کے سلام پڑھا جاتا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر خطاب کے صیغہ اور ندا کے ساتھ صلوٰۃ وسلام پڑھنے کے لئے یہ بہترین اصل ہے کیونکہ عہد رسالت میں بھی صحابہ کرام مختلف اطراف اور جہات میں پھیلے ہوئے تھے اور دور و نزدیک سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ندا کر کے خطاب کے صیغہ سے سلام پڑھتے تھے اور حضور کے وصال کے بعد تمام امت کا یہی معمول ہے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ندا اور خطاب سے سلام پڑھتی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا درود شریف سننا

ایک بحث یہ بھی کی جاتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جو ندا کی جاتی ہے آیا حضور اسے سن سکتے ہیں یا نہیں؟ اس سلسلہ میں گزارش یہ ہے کہ بُعدِ مسافت کا سماع سے مانع ہونا اس جہان کے احکام سے ہے، عالم برزخ میں حدود و قیود کا لحاظ نہیں ہوتا، چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:۔

العبد اذا وضع فی قبرہ و تولی اصحابہ حتی انہ لیسمع قرع نعالھم [1]

"جب انسان کو قبر میں رکھ دیا جاتا ہے اور اس کے اصحاب اس کو دفن

---

[1] صحیح بخاری، ج ۱، ص ۱۷۸۔

کرکے پیچھے جاتے ہیں تو وہ ان کی جوتیوں کی آواز کو بھی سنتا ہے۔"
علامہ سیوطی، ابنِ عبداللہ کے حوالے سے ذکر کرتے ہیں :۔

عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما من احد یمر بقبر اخیہ المؤمن کان یعرف فی الدنیا فیسلم علیہ الاعرفہ ورد علیہ السلام صححہ عبدالحق لہ

"حضرت ابنِ عباس روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی شخص اپنے مسلمان بھائی کی قبر سے گزر کر اس کو سلام نہیں کرتا مگر صاحبِ قبر اسے پہچان کر اس کے سلام کا جواب دیتا ہے۔ عبدالحق نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا۔"

غور فرمائیے! عام مسلمانوں کا حال یہ ہے کہ وفات کے بعد ان کے ادراک کے لئے حدود و قیود کی پابندی نہیں رہتی تو جن کا زندگی میں بھی یہ عالم تھا کہ زمین پر رہتے ہوئے عرش و فرش کی آوازیں سنتے تھے تو وصال کے بعد جب ان کے قوائے مدرکہ مزید بڑھ گئے ہوں گے، ان کی سماعت کا کیا عالم ہو گا۔
علامہ ابنِ قیم طبرانی کے حوالہ سے ذکر کرتے ہیں :۔

حدثنا یحیی بن ایوب العلاف حدثنا سعید بن ابی مریم حدثنا یحیی بن ایوب عن خالد بن زید عن سعید بن ھلال عن ابی الدرداء قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکثروا الصلوٰۃ علی یوم الجمعۃ فانہ یوم مشھود تشھدہ الملائکۃ لیس من عبد یصلی علی الا بلغنی صوتہ حیث

لہ شرح الصدور ، ص ۸۴

فکان قلنا ای بعد وفاتک قال و بعد وفاتی ان
اللّٰہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء ۔ [1]

حضرت ابو درداء بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جمعہ کے دن مجھ پر بکثرت درود پڑھا کرو کیونکہ اس دن فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔ کوئی شخص مجھ پر درود نہیں پڑھتا مگر مجھ تک اس کی آواز پہنچتی ہے۔ ہم نے پوچھا آپ کی وفات کے بعد بھی؟ فرمایا وفات کے بعد بھی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر اجساد انبیاء کے کھانے کو حرام کر دیا ہے "

جلاء الافہام کی حدیث پر تھانوی صاحب کی بحث اور اسکا جواب

تھانوی صاحب اس حدیث کی سند پر جرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

" اس سند میں ایک راوی یحیی بن ایوب بلا نسب مذکور ہیں جو کئی راویوں کا نام ہے جن میں سے ایک غافقی ہیں جن کے بارے میں ربما اخطأ لکھا ہے، یہاں احتمال ہے کہ وہ ہوں، دوسرے ایک راوی خالد بن زید ہیں، یہ بھی غیر منسوب ہیں، اس نام کے رواۃ میں سے ایک کی عادت ارسال کی ہے اور یہاں عنعنہ ہے جس میں راوی کے متروک ہونے کا اور اس متروک کے غیر ثقہ ہونے کا احتمال ہے۔ تیسرے ایک راوی سعید بن ابی ہلال ہیں جن کو ابن حزم نے ضعیف اور امام احمد نے مختلط لکھا ہے و ھذا کلہ من التقریب [2]

الجواب

حدیث مذکور کی پوری سند اس طرح ہے:۔

قال الطبرانی حدثنا یحیی بن ایوب العلاف

---

[1] جلاء الافہام ، ص ۶۳ ۔

[2] بوادر النوادر ، ص ۲۷۲ ۔

حدثنا سعید بن ابی مریم عن خالد بن زید عن سعید بن ابی ھلال عن ابی الدرداء قال الخ"

تھانوی صاحب لکھتے ہیں کہ یحییٰ بن ایوب بلانسب مذکور ہیں جو کئی راویوں کا نام ہے جس میں سے ایک غافقی ہیں جن کے بارے میں " ربما اخطأ " لکھا ہے، یہاں احتمال ہے کہ وہ ہوں انتھیٰ۔

معلوم ہوتا ہے کہ تھانوی صاحب کو مشترک ناموں کے درمیان امتیاز کرنے کا سلیقہ نہیں ہے ورنہ یہاں یحییٰ بن ایوب کی صفت "علاف" لکھی ہوئی ہے اور ان کے مشائخ میں سعید بن ابی مریم کا نام بھی سند لکھا ہوا ہے اور یحییٰ بن ایوب غافقی کے نام کے ساتھ ان کی صفت غافقی لکھی ہے۔

خلاصہ یہ کہ کتبِ اسماء الرجال میں یحییٰ بن ایوب علاف اور یحییٰ بن ایوب غافقی دونوں کو علاف اور غافقی کے الفاظ میں ممتاز کر کے الگ الگ لکھا گیا ہے۔

(دیکھئے تہذیب التہذیب، ج ۱۱، ص ۱۸۵، ۱۸۶) اور ان کے مشائخ میں سعید بن ابی مریم بھی نہیں ہیں پھر یہ احتمال کیسے پیدا ہو گیا کہ ہو سکتا ہے یہاں غافقی مراد ہوں۔ اور حدیث مذکور کے راوی یحییٰ بن ایوب علاف جن کے شیخ سعید بن ابی مریم ہیں، ان کے بارے میں حافظ ابن حجر عسقلانی نے جرح کا کوئی کلمہ نقل نہیں کیا اور بتلایا ہے کہ ان سے نسائی اور طحاوی روایت کرتے ہیں اور نسائی نے ان کو صالح قرار دیا ہے [۱]

اب لوگ کیا سوچیں گے کہ جس حدیث سے حضور کا کامل سماع ثابت ہوتا ہے اس کی سند کو مجروح ثابت کرنے کے لئے تھانوی صاحب نے یحییٰ بن ایوب علاف کو خیانتاً یحییٰ بن ایوب غافقی سے کیوں تعبیر کیا ہے؟ کیا تھانوی صاحب کی یہ خیانت رسول اللہ کے خلاف ان کے دل میں چھپے ہوئے بغض کو ظاہر نہیں کرتی؟

سندِ مذکور کے ایک راوی خالد بن زید کے بارے میں تھانوی صاحب لکھتے ہیں:۔

---

[۱] تہذیب التہذیب، ج ۱۱، ص ۱۸۵۔

"دوسرے ایک خالد بن زید ہیں، یہ بھی غیر منسوب ہیں، اس نام کے رُواۃ میں سے ایک کی عادت ارسال ہے اور یہاں عنعنہ ہے جس میں راوی کے متروک ہونے کا اور متروک کے غیر ثقہ ہونے کا احتمال ہے۔"

سبحان اللہ! کیا مدلل جرح فرمائی ہے! اگر خالد بن زید کی عادت ارسال ہے تو کیا حدیث مرسل مقبول نہیں ہوتی؟ تعجب ہے کہ تھانوی صاحب اپنے آپ کو حنفی کہلا کر ایسی رکیک بات کہتے ہیں جب کہ اصولِ حدیث میں تصریح ہے کہ احناف اور مالکیہ کے نزدیک حدیث مرسل مطلقاً مقبول ہوتی ہے۔ رہا عنعنہ کی وجہ سے خالد بن زید کو ساقط الاعتبار قرار دینا تو انہیں چاہئیے صحاح کی تمام معنعن احادیث سے ہاتھ اٹھالیں، اس لئے کہ معنعن حدیث میں راوی کے متروک ہونے اور متروک کے غیر ثقہ ہونے کا احتمال موجود ہے۔

کاش تھانوی صاحب کو معلوم ہوتا کہ محض بے سند احتمالات سے کوئی مدعیٰ کبھی ثابت نہیں ہوتا مگر عقیدتِ رسول سے محرومی ایسی شقاوت ہے جو انسان کو بصیرت سے محروم کر دیتی ہے۔

اس حدیث کے تیسرے جس راوی پر تھانوی صاحب نے جرح کی ہے وہ سعید بن ابی ہلال ہیں لکھتے ہیں:-

"تیسرے ایک راوی ہیں سعید بن ابی ہلال جن کو ابنِ حزم نے ضعیف اور امامِ احمد نے مختلط لکھا ہے۔"

الجواب

ابن حزم کی جرح تو خیر آپ کو مبارک ہو، یہ وہ بدباطن اور گستاخ شخص ہے جس نے ائمۂ اربعہ مجتہدین کی شان میں سخت گستاخانہ الفاظ کہے ہیں جو جگہ جگہ ان کے بارے میں سفہو اور کذبوا کے الفاظ لکھتا ہے جس نے جامع ترمذی کو مجہول کتاب قرار دیا اور رہا امام احمد کا سعید بن ابی ہلال کو مختلط قرار دینا تو یہ ان کی منفرد رائے ہے، ائمۂ رجال میں سے اور کوئی شخص اس بات میں ان کا ساتھ نہیں دیتا۔

علامہ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ صحاح ستہ کے تمام ائمہ حدیث سعید بن ابی ہلال کی روایات اپنی تصانیف میں درج کرتے ہیں، ابن سعد نے کہا کہ وہ ثقہ ہیں، ساجی نے کہا صدوق ہیں، عجلی نے کہا ثقہ ہیں، ابن خزیمہ، دار قطنی، بیہقی، خطیب، ابن عبد البر اور دیگر تمام ائمہ نے ان کی توثیق کی ہے۔ [1]

الحمدللہ! ہم نے باحوالہ دلائلِ کثیرہ سے ثابت کر دیا کہ حضرت ابو درار کی یہ روایت سند کی جن کڑیوں پر مشتمل ہے وہ سب ثقہ اور معتمد ہیں اور تھانوی صاحب نے ان ان پر لایعنی جرح کر کے اپنی علمیت کو دھندلایا ہے اور ان کی اس نامحمود کوشش سے قوتِ حدیث میں کوئی عیب نہیں آسکا۔

سند پر دل کا غبار نکالنے کے بعد تھانوی صاحب متن کی طرف متوجہ ہوئے اور لکھا کہ:۔

"چونکہ نسائی، دارمی اور حصنِ حصین وغیرہ میں یہ روایت موجود ہے کہ فرشتے آپ کی خدمت میں سلام پہنچاتے ہیں جس کا مفاد ہے آپ خود نہیں سنتے اور جلاء الافہام کی روایت میں آپ کے سننے کی تصریح ہے، اس لئے یہ حدیث ان روایات کے متعارض ہوئی اور چونکہ سند مجروح ہونے کے لحاظ سے جلاء الافہام کی روایت قوت میں ان احادیث کے برابر نہیں ہے اس لئے ترجیح ان احادیث کو ہوگی جس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ نہیں سنتے۔" (ملخصاً) [2]

الجواب

واقعہ یہ ہے کہ سند کے لحاظ سے جلاء الافہام کی روایت تھانوی صاحب کی پیش کردہ تمام احادیث سے قوت اور ثقاہت کے لحاظ سے راجح ہے تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیے غزالئ دوراں سید احمد کاظمی مدظلہ کا تصنیف کردہ رسالہ

---

[1] تہذیب التہذیب، ج ۴، ص ۹۵۔

[2] بوادر النوادر، ص ۲۷۲۔

WWW.NAFSEISLAM.COM

حیات النبی، ص ۸۵ تا ۹۲ -

ثانیاً یہ بھی انتہائی رکیک سوچ ہے کہ چونکہ فرشتے اللہ تعالےٰ کی بارگاہ میں لوگوں کا ذکر پہنچاتے ہیں اس لیے وہ خود نہیں سنتا (العیاذ باللہ) جس طرح فرشتوں کا بارگاہِ خداوندی میں ذکر پہنچانا اللہ تعالیٰ کے سماع کے منافی نہیں ہے، اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں فرشتوں کا صلوٰۃ وسلام پہنچانا حضور کے سننے کے منافی نہیں ہے اور اس میں حکمت یہ ہے اس بہانے فرشتوں کو دربارِ رسالت میں رسائی حاصل ہو اور ان کو اعزاز و اکرام حاصل ہو۔

ندائے یارسول اللہ کے جواز پر گنگوہی صاحب کی تائید

درود شریف اور ندائے یارسول اللہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سنتے ہیں، اس بحث کو ہم تمام اکابرِ دیوبند کے مسلم شیخ جناب گنگوہی صاحب کے ایک فتوے پر ختم کرتے ہیں۔ کسی شخص نے یارسول اللہ انظر حالنا ، یا حبیب اللہ اسمع قالنا کے متعلق پوچھا تو لکھتے ہیں:-

"یہ خود معلوم آپ کو ہے کہ ندا غیر اللہ تعالیٰ کو دور سے شرک حقیقی جب ہوتا ہے کہ ان کو عالم سامع مستقل عقیدہ کرے ورنہ شرک نہیں مثلاً یہ جانے کہ حق تعالیٰ ان کو مطلع فرما دیوے گا یا باذنہ تعالیٰ انکشاف ہو جائیگا۔۔۔ الخ" [۱]

بحمد اللہ تعالیٰ اہلِ سنت کا یہی مسلک ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر جس قدر حقائق، معلومات اور مسموعات منکشف ہوتے ہیں وہ سب اللہ تعالےٰ کے اذن سے اور اس کے مطلع کرنے سے ہی ہوتے ہیں اور آپ کو مستقل عالم یا سامع کوئی نہیں سمجھتا اور جب کہ گنگوہی صاحب کے اس فتوے سے بھی ثابت ہو گیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو باذن اللہ سامع مان کر الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ کہنا جائز ہے اور شرک نہیں ہے اور اہلِ سنت بھی اسی عقیدہ سے الصلوٰۃ والسلام علیک

---

[۱] فتاویٰ رشیدیہ کامل مبوب ، ص ۶۸ -

یارسول اللہ کہتے ہیں تو مسلکِ دیوبند کے تمام متبعین کو چاہیے کہ کم از کم اور نہ سہی تو اپنے شیخ کے فتوے ہی کی لاج رکھتے ہوئے نعرۂ رسالت اور درود و سلام کو شرک کہنے اور منع کرنے سے باز آجائیں۔

اذان سے پہلے اور بعد صلوٰۃ وسلام پڑھنے کی تحقیق

عام طور پر اہلِ سنت وجماعت کی مساجد میں اذان سے پہلے کچھ وقفہ کر کے صلوٰۃ و سلام پڑھا جاتا ہے، اسی طرح اذان ختم ہونے کے بعد بھی کچھ وقفہ کے بعد صلوٰۃ وسلام پڑھا جاتا ہے۔ صلوٰۃ وسلام پڑھنے والے صلوٰۃ وسلام کے لئے مختلف الفاظ کا انتخاب کرتے ہیں اور صلوٰۃ وسلام پڑھنے کی مقدار میں بھی یکسانیت نہیں ہوتی اور صلوٰۃ وسلام پڑھنے والوں کا لہجہ بھی اذان کے لہجے سے مختلف ہوتا ہے، پھر یہ کوئی خاصہ لازمہ بھی نہیں ہے بعض اہلِ سنت کی مساجد میں صلوٰۃ وسلام سرے سے نہیں پڑھا جاتا اور بعض مساجد کی صرف بعض اذانوں میں پڑھا جاتا ہے اس کے باوجود مخالفین کو صلوٰۃ وسلام پڑھنے کا یہ عمل ناگوار معلوم ہوتا ہے چنانچہ کبھی یہ لوگ مسجد میں ذکر بالجہر کی آڑ سے کر اس کو منع کرتے ہیں، کبھی کہتے ہیں کہ یہ آٹھویں صدی کی بدعت ہے اور کبھی کہتے ہیں کہ اگر اذان سے پہلے اور بعد یونہی تسلسل سے صلوٰۃ وسلام پڑھا جاتا رہا تو آئندہ نسلیں صلوٰۃ وسلام کے ان کلمات کو نفسِ اذان میں داخل اور اس کا جزء اعتقاد کر لیں گی اس لئے اس بدعقیدگی اور گمراہی سے بچانے کے لئے اذان سے قبل اور بعد صلوٰۃ وسلام پڑھنے کا یہ عمل روک دینا چاہیئے۔

جہاں تک ذکر بالجہر کا تعلق ہے گذشتہ صفحات میں اس پر کافی بحث آچکی ہے اور یہ بتایا جا چکا ہے کہ متوسط آواز سے ذکر بالجہر احترامِ مسجد کے منافی نہیں ہے اب دو بحثیں تفصیل طلب رہ جاتی ہیں، اول اس صلوٰۃ وسلام کو مخالفین کا بدعت قرار دینا اور دوسرا صلوٰۃ وسلام کے اذان میں داخل ہونے کا شبہ، ہم بالترتیب ان دونوں امور پر گفتگو کریں گے، فنقول وباللہ التوفیق۔

بدعت کا شبہ

قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھنے کا بالعموم اور علی الاطلاق حکم دیا ہے یا ایہا الذین آمنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما نفلی طور پر آپ کی خدمت میں ہر وقت صلوٰۃ و سلام پیش کیا جا سکتا ہے سوا ان اوقات کے جن میں انسان پاک نہ ہو یا جگہ اس لائق نہ ہو جس میں صلوٰۃ و سلام پڑھا جا سکے۔ اس کے علاوہ صلوٰۃ و سلام پڑھنے کے لئے کوئی قید اور شرط نہیں ہے اور دلائلِ شرعیہ سے ثابت ہے کہ نفلی عبادات کے لئے اپنے اجتہاد سے کوئی بھی وقت معین کیا جا سکتا ہے لیکن یہ تعیین شرعی نہیں ہوتی چنانچہ اذان سے پہلے اور بعد کے اوقات کو صلوٰۃ و سلام پڑھنے کے لئے خاص کر لیا جائے تو یہ امر دلائلِ شرعیہ کی روشنی میں جائز اور ثابت ہے، دیکھئے نفلی روزہ ہر دن رکھا جا سکتا ہے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ پیر کے دن روزہ رکھا کرتے تھے، امام مسلم روایت کرتے ہیں :۔

وسئل عن یوم الاثنین قال ذاک یوم ولدت فیہ ویوم بعثت او انزل علی فیہ [1]

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پیر کے دن روزہ رکھنے کا سبب پوچھا آپ نے فرمایا میں اس دن پیدا ہوا اور اس دن میری بعثت ہوئی یا فرمایا اس دن مجھ پر قرآن نازل ہوا۔"

اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر ہفتہ کے دن مسجدِ قبا کی زیارت کے لئے تشریف لے جاتے تھے اور آپ کی اتباع میں حضرت عبداللہ بن عمر بھی ہر ہفتہ کو مسجدِ قبا جایا کرتے تھے جبکہ مسجدِ قبا کی زیارت ایک نفلی عبادت ہے جسے ہر روز کیا جاتا ہے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہفتہ کے دن کو اس زیارت کے لئے معین کر لیا تھا

---

[1] صحیح مسلم ، ج ۱ ، ص ۳۶۸

امامِ بخاری روایت کرتے ہیں :-

کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یأتی مسجد قباء کل سبت ماشیا وراکبا وکان عبداللہ بن عمر یفعلہ [1]

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر ہفتہ کے دن مسجد قباء پیدل یا سواری پر جایا کرتے تھے اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمر بھی ہفتہ کے دن مسجدِ قباء کی زیارت کے لئے جایا کرتے تھے"

علامہ ابن حجر عسقلانی اس حدیث کے تحت اس کے فوائد بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-

وفی ھذا الحدیث علی اختلاف طرقہ دلالۃ علی جواز تخصیص بعض الایام ببعض الاعمال الصالحۃ والمداومۃ علی ذلک [2]

"اس حدیث میں باوجود اختلافِ طرق کے اس بات پر دلالت ہے کہ بعض اعمالِ صالحہ کی ادائیگی کو بعض ایامِ صالحہ کے ساتھ خاص کرلینا اور اس پر عمل میں دوام کرنا جائز ہے"

علامہ بدرالدین عینی حنفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :-

فیہ دلیل علی جواز تخصیص بعض الایام بنوع من القرب وھو کذلک الا فی الاوقات المنھی عنہا کالنھی عن تخصیص لیلۃ الجمعۃ بقیام من بین اللیالی او تخصیص یوم الجمعۃ بصیام من بین الایام [3]

---

[1] صحیح بخاری ، ج ۱ ، ص ۱۵۹

[2] فتح الباری ، ج ۳ ، ص ۳۱۲

[3] عمدۃ القاری ، ج ۷ ، ص ۲۵۹

اس حدیث میں اس بات پر دلیل ہے کہ بعض ایام کو بعض عبادات کے ساتھ خاص کر لینا جائز ہے اور یہ امر ایسا ہی ہے سوا ان چیزوں کے جن کے بارے میں نہی وارد ہے جیسے جمعہ کی رات کو قیام کے لئے یا جمعہ کے دن کو روزے کے لئے خاص کر لینا (کیونکہ اس تخصیص سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے)

مولوی اشرف علی تھانوی اس حدیث کی تقریر میں لکھتے ہیں :-

" ہر دو حدیث سے ثابت ہوا کہ کسی مقصود مباح یا کسی طاعت کے لئے تعیین یوم اگر باعتقاد قربت نہ ہو بلکہ کسی مباح مصلحت کے لئے ہو جائز ہے جیسے مدارس دینیہ میں اسباق کے لئے گھنٹے متعین ہوتے ہیں اور اگر باعتقادِ قربت ہو منہی عنہ ہے پس عرس میں جو تاریخ معین ہوتی ہے اگر اس تعیین کو قربت نہ سمجھیں بلکہ اور کسی مصلحت سے یہ تعیین ہو مثلاً سہولت اجتماع تاکہ تداعی کی صعوبت یا بعض اوقات اس کی کراہت کے شبہ سے مامون رہیں اور خود اجتماع اس مصلحت سے ہو کہ ایک سلسلہ کے احباب باہم ملاقات کر کے حب اللہ کو ترقی دیں اور اپنے بزرگوں کو آسانی سے اور کثیر مقدار میں جو کہ اجتماع سے حاصل ہے ثواب پہنچانا ہے بے تکلف میسر ہو جاتا ہے نیز اس اجتماع میں طالب علموں کو اپنے لئے شیخ کا انتخاب بھی سہل ہوتا ہے، یہ تو ظاہری مصالح ہیں جو مشاہد ہیں یا کوئی باطنی مصلحت داعی ہو جیسا میں نے بعض اکابر اہلِ ذوق سے سنا ہے کہ میت کو اپنے یوم وفات کے عدد سے وصول ثواب کے انتظار کی تجدید ہوتی ہے اور یہ مصلحت محض کشفی ہے جس کا کوئی مکذب عقلی یا نقلی موجود نہیں اس لئے صاحبِ کشف کو یا اس صاحب کشف کے معتقد کو بدرجہ ظن اس کی رعایت کرنا جائز ہے البتہ جزم جائز نہیں بہر حال اگر ایسے مصالح سے یہ تعیین ہوتی تو فی نفسہ جائز ہے[1] "

---

[1] بوادر النوادر ، ص ۴۵۸

نوٹ :۔ تھانوی صاحب نے جو یہ لکھا ہے کہ "کسی طاعت کے لئے تعیینِ یوم اگر باعتقاد قربت نہ ہو بلکہ کسی مباح مصلحت کے لئے ہو جائز ہے"، اس کا مطلب یہ ہے کہ جو طاعت عموم اور اطلاق کے ساتھ مشروع ہے اس کی ادائیگی کے لئے کسی دن کو معین کر لینا جائز ہے لیکن یہ اعتقاد نہ رکھے کہ اس طاعت کو اگر اسی دن کرے گا تو ثواب ہوگا کسی اور دن کرے گا تو ثواب نہیں ہوگا یا یہ کہ اس دن اس عبادت کو کرنا زیادہ ثواب ہوگا کیونکہ ثواب کی یہ تخصیص اور تعیین ایسی چیز ہے جسے سوائے شارع علیہ السلام کے اور کوئی نہیں بیان کر سکتا البتہ اس دن میں بالعموم ثواب کی نیت کرے یعنی جس طرح اور ایام اور اوقات میں اس عبادت کی ادائیگی سے ثواب ہوتا اس دن بھی ہوگا۔

بہر حال تھانوی صاحب کی اس عبارت میں اہلِ فہم کے لئے اس پر وافر روشنی موجود ہے کہ جو عبادات عموم اور اطلاق کے ساتھ مشروع ہیں ان کو کسی مناسبت سے کسی خاص دن یا کسی خاص وقت میں ادائیگی کے لئے معین کر لینا جائز ہے۔

نفلی عبادات کے لئے اپنے اجتہاد سے وقت معین کرنے کے سلسلہ میں ایک اور حدیث ملاحظہ فرمائیں۔

امام بخاری اپنی صحیح میں روایت کرتے ہیں :۔

WWW.NAFSEISLAM.COM

عن ابی هريرة ان النبی صلی الله عليه وسلم قال لبلال عند صلوة الفجر يا بلال حدثنی بارجی عمل عملته فی الاسلام فانی سمعت دف نعليك بين يدی فی الجنة قال ما عملت عملا ارجی عندی انی لم اتطهر طهورا فی ساعة ليل او نهار الا صليت بذلك الطهور ما كتب لی ان اصلی [1]

---

[1] صحیح بخاری، ج ۱، ص ۱۵۴

حضرتِ ابو ہریرہ بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال سے صبح کی نماز کے وقت فرمایا اے بلال! بتلاؤ تم نے اسلام میں ایسا کونسا عمل کیا ہے جس کے اجر کی تمہیں توقع ہے کیونکہ میں نے جنت میں اپنے آگے تمہارے چلنے کی آہٹ سنی ہے۔ حضرتِ بلال نے جواب دیا اس سے زیادہ میرے نزدیک کوئی عمل لائقِ قبولیت نہیں کہ میں دن یا رات جب بھی وضو کرتا ہوں تو اس وضو سے نماز پڑھتا ہوں جو اللہ تعالیٰ نے میرے لئے مقرر کر دی ہے۔"

غور فرمائیے! نفلی نماز کے لئے کوئی وقت مقرر نہیں ہے لیکن حضرتِ بلال نے اپنے اجتہاد سے وضو کے بعد نفل پڑھنے کو مقرر کر لیا تھا۔ اس سلسلہ میں انہوں نے شارع علیہ السلام سے استفسار بھی نہیں کیا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافتِ حال کے بعد یہ نہیں فرمایا کہ تم نے اپنی طرف سے نوافل کے لئے یہ وقت کیوں مقرر کر لیا، نفلی عبادات کے لئے اپنی طرف سے وقت مقرر کر لینا اور اس پر دوام کرنا اگر بدعت ہے تو حضور نے اس کو رد کیوں نہیں فرمایا رد کرنا تو الگ بات ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اس عمل کی تحسین کی اور امت کے لئے یہ رہنمائی فرما دی کہ نفل عبادات کے لئے اپنے اجتہاد سے وقت معین کرنا جائز ہے چنانچہ علامہ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں:-

ویستفاد منہ جواز الاجتہاد فی التوقیت للعبادۃ لان بلالاً توصل الی ما ذکرنا بالاستنباط فصوبہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم [1]

" اس حدیث سے معلوم ہوا کہ (نفلی) عبادات کے لئے اپنے اجتہاد سے وقت معین کرنا جائز ہے کیونکہ بلال نے وضو کے بعد نوافل اپنے استنباط

---

[1] فتح الباری ، ج ۳ ، ص ۲۷۶

WWW.NAFSEISLAM.COM

سے معین کیے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے درست قرار دیا۔"

جس طرح نوافل پڑھنے کے لئے شرعاً کوئی وقت مقرر نہیں ہے لیکن حضرت بلال نے ہر وضو کے بعد نوافل پڑھنے کا التزام کر لیا اور یہ جائز قرار پایا اسی طرح صلوٰۃ وسلام پڑھنے کے لئے شرعاً کوئی وقت مقرر نہیں ہے لیکن اذان کے اول و آخر وقت میں صلوٰۃ و سلام پڑھنے کو اختیار کر لیا جائے تو یہ کس طرح بدعت قرار پائے گا خصوصاً جبکہ اذان کے بعد درود شریف پڑھنے کے لئے احادیث بھی وارد ہیں جن کو ہم ان شاء اللہ عنقریب بیان کریں گے۔

اسی سلسلہ میں صحیح بخاری سے ایک اور حدیث ملاحظہ فرمائیں:۔

عن انس کان رجل من الانصار یؤمهم فی مسجد
قباء و کان کلما افتتح سورة یقرأ بها لهم
فی الصلوٰة مما یقرأ به افتتح بقل هو الله
احد حتی یفرغ منها ثم یقرأ بسورة اخری
معها و کان یصنع ذلك فی کل رکعة فکلمه اصحابه
وقالوا انك تفتتح بهذه السورة ثم لا ترى
انها تجزیك حتی تقرأ باخری فاما ان تقرأ
بها و اما ان تدعها و تقرأ باخری فقال ما انا
بتارکها ان احببتم ان اؤمکم بذلك فعلت
و ان کرهتم ترکتکم و کانوا یرون انه من افضلهم
و کرهوا ان یؤمهم غیره فلما اتاهم النبی صلی
الله علیه وسلم اخبروه الخبر فقال یا فلان ما
یمنعك ان تفعل ما یأمرك به اصحابك و ما یحملك
علی لزوم هذه السورة فی کل رکعة فقال انی احبها

WWW.NAFSEISLAM.COM

قال حبك ایاھا ادخلك الجنۃ [1]

حضرت انس بیان کرتے ہیں کہ مسجدِ قبا میں انصار کا ایک شخص (کلثوم بن ہدم) امام تھا، وہ جب بھی نماز پڑھاتا نماز کی ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد پہلے سورۂ اخلاص پڑھتا، پھر کوئی اور سورت ملاتا، اس کے ساتھیوں نے کہا کہ یا تو تم صرف سورۂ اخلاص پڑھو یا اس کی جگہ کوئی اور سورت پڑھو، اس نے جواب دیا میں سورۂ اخلاص پڑھنے کو نہیں چھوڑ سکتا البتہ تمہاری امامت چھوڑ سکتا ہوں، جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو لوگوں نے یہ واقعہ عرض کیا آپ نے اس شخص سے فرمایا تمہیں اپنے ساتھیوں کی بات ماننے سے کیا چیز روکتی ہے اور سورۂ اخلاص کو نماز میں لازم کرنے پر کیا چیز برانگیختہ کرتی ہے، اس نے جواب دیا میں اس سورت سے محبت کرتا ہوں آپ نے فرمایا اس سورہ کی محبت نے تم کو جنت میں داخل کر دیا۔

کلثوم بن ہدم انصاری نے سورہ اخلاص سے محبت کی وجہ سے نماز کی ہر رکعت میں اس کی قرارت کو لازم کر لیا تھا حالانکہ اس ملازمہ پہ کوئی دلیلِ شرعی موجود نہیں ہے مخالفین کے مذہب کے مطابق اس سے بڑھ کر اور کوئی چیز بدعتِ سیئہ نہیں ہو سکتی کہ نماز کے اندر اس چیز کو لازم کر لیا جائے جس کو شارع نے لازم نہیں کیا۔ مخالفین کے مذہب کے مطابق چاہیے تھا کہ حضور اس شخص کو زجر و توبیخ کرتے اور اسے احداث فی الدین سے روکتے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کے اس فعل پر راضی ہوئے اور اسے جنت کی بشارت دی۔

غور فرمائیے کہ جب کوئی شخص سورۂ اخلاص سے محبت کی وجہ سے اس کی قرارت کو نماز کے اندر لازم کرے تو حضور فرماتے ہیں اس کی محبت نے تم کو جنت میں داخل کر دیا تو جو لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کی وجہ سے اذان کے

---

[1] صحیح بخاری، ج ۱، ص ۱۰۷

اول و آخر درود شریف پڑھتے ہوں وہ کیوں کر اس بشارت سے محروم ہوں گے حالانکہ انہوں نے درود شریف کو نہ کسی عبادت میں داخل کیا نہ اسے لازم کیا، محض ذوق و شوق سے حضور کی محبت میں اذان کے اول و آخر فصل کر کے اختلافِ لہجہ سے اس درود کو پڑھتے ہیں اور جبکہ درود شریف پڑھنے کے عموم و اطلاق میں یہ وقت بھی شامل ہے اور مامورِ شرعی کے حکم میں داخل ہے اور خصوصًا اذان کے بعد درود شریف پڑھنے کے لئے احادیث بھی وارد ہیں۔

حدیث کی روشنی میں درود شریف کے بعد از اذان کا حکم

اب ہم آپ کے سامنے اذان کے بعد درود شریف پڑھنے کے بارے میں حدیثِ صریح پیش کرتے ہیں۔

امام مسلم اپنی صحیح میں روایت کرتے ہیں :۔

عن عبد اللہ بن عمرو بن العاص انہ سمع النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول اذا سمعتم المؤذن فقولوا مثل ما یقول ثم صلوا علی فانہ من صلی علی صلوٰۃ صلی اللہ علیہ بھا عشرا الحدیث [۱]

"عبد اللہ بن عمرو بن عاص بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم اذان سنو تو اس کے کلمات دہراؤ پھر مجھ پہ درود پڑھو کیونکہ جو مجھ پہ ایک بار درود پڑھتا ہے اللہ تعالٰی اس پہ دس رحمتیں نازل فرماتا ہے"

WWW.NAFSEISLAM.COM

اذان کے بعد درود شریف پڑھنا تو احادیث سے ثابت ہے اور رہا اذان سے پہلے درود شریف پڑھنا تو اول تو وہ درود شریف پڑھنے کے اطلاق اور عموم شرعی میں داخل ہے، ثانیًا اس مقام کی خصوصیت کے بارے میں علامہ ابن حجر مکی فرماتے ہیں :۔

لہ صحیح مسلم، ج۱، ص ۱۶۶ و سنن ابو داؤد، ج۱، ص ۷۷

ولم نری فی شیئ منہا التعرض للصلوٰۃ علیہ صلی اللہ علیہ وسلم قبل الاذان ولا الی محمد رسول اللہ بعدہ ولم نری ایضاً فی کلام ائمتنا تعرضاً لذلک ایضاً فحینئذ کل واحد من ھذین لیس بسنۃ فی محلہ المذکور فیہ فمن اتی بواحد منہما فی ذلک معتقداً سنیتہ فی ذلک المحل المخصوص نہی عنہ ومنع منہ لانہ تشریع بغیر دلیل ومن شرع بلا دلیل یزجر عن ذلک وینہی عنہ [1]

"ہم نے اذان سے قبل درود شریف پڑھنے کی صراحت کہیں نہیں دیکھی اور نہ ہی اذان کے بعد محمد رسول اللہ پڑھنے کی کہیں صراحت ملی ہے پس جو شخص اذان سے پہلے سنت کے اعتقاد سے درود شریف پڑھتا ہے اسے اس فعل سے منع کیا جائے گا کیونکہ اس خاص جگہ درود شریف پڑھنے کا حکم نہیں آیا۔"

امام ابن حجر کے کلام کا مفاد یہ ہے کہ چونکہ اذان سے پہلے درود شریف پڑھنے کے بارے میں احادیث وارد نہیں ہیں لہٰذا اس موقع پر سنت سمجھ کر درود شریف نہیں پڑھنا چاہیئے البتہ اس خاص محل میں سنت کا عقیدہ رکھے بغیر درود شریف پڑھنے سے منع نہیں کیا جائے گا اور چونکہ عبادات علماء میں مفہوم مخالف معتبر ہوتا ہے اس لئے علامہ ابن حجر کے کلام کا یہی محمل ہے کہ بلا اعتقادِ سنیت استحباب کی نیت سے اذان سے پہلے درود شریف پڑھنا جائز ہے اور اس کی بے شمار مثالیں ہیں جن کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا مثلاً جمعہ کے دن خطبۂ مسنونہ سے پہلے

---

[1] فتاوےٰ کبرےٰ ، ج۱ ، ص ۱۳۱

وعظ و ارشاد کرنا، اگر سنت کے اعتقاد سے ہو تو ناجائز ہوگا کیونکہ خطبۂ مسنونہ کے علاوہ اس خاص وقت میں آپ کا کوئی اور وعظ ثابت نہیں ہے لیکن عمومِ شرعی کے تحت یہ جائز ہوگا اسی طرح عام معمول ہے کہ ہر روز مساجد میں صبح یا عشاء کے بعد درسِ قرآن یا درسِ حدیث دیا جاتا ہے اگر اس خاص وقت میں سنت کے عقیدے سے یہ درس دیا جائے تو ناجائز ہوگا اور اطلاقاتِ شرعی کے تحت استحباب کی نیت سے یہ درس جائز ہوگا، اسی طرح صرف، نحو، لغت اور ادب کی مخصوص کتابوں کی تعلیم سنت کی نیت سے دی جائے تو ناجائز ہے اور عموماتِ شرعیہ کے تحت بطورِ استحباب یہ کتابیں پڑھائی جائیں تو جائز ہیں، پنجگانہ نمازوں میں گھڑی کے حساب سے مخصوص اوقات میں نماز کی ادائیگی کو اگر سنت سمجھ کر کیا جائے تو ناجائز ہے اور عموم اور اطلاقات کے تحت بطورِ استحباب پڑھی جائیں تو جائز ہے۔

کس قدر ظلم اور بے انصافی کی بات ہے کہ مخالفین اپنے بے شمار معمولات کو عموماتِ شرعیہ کے تحت ادا کرتے ہیں اور کسی جگہ اس فعل مخصوص کی سنیت سے بحث نہیں کرتے، ایک حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھنے کے لئے یہ ہنگامہ کھڑا کر دیا جاتا ہے کہ بتاؤ اس خاص جگہ اور خاص موقع پر درود پڑھنے کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے یا نہیں؟

WWW.NAFSEISLAM.COM

• ہم بصد ادب گذارش کرتے ہیں کہ درود شریف پڑھنے کا بالعموم حکم موجود ہے اور وہ اس جگہ عمل کے لئے کافی ہے۔ آپ جو اس شد و مد سے اذان سے پہلے درود شریف پڑھنے سے منع کرتے ہیں تو کیا آپ کوئی حدیث پیش کر سکتے ہیں کہ حضور نے اذان سے پہلے درود شریف پڑھنے سے منع کیا ہے اور جب حضور نے منع نہیں فرمایا تو آپ کو کراہت و حرمت کی اس شریعت سازی کا حق کس نے دیا ہے اور مسلمانوں کو درود شریف سے روک کر کیا، آپ کو مَنَّاعٍ لِّلْخَیْرِ کی وعید میں داخل ہونے کا خوف لاحق نہیں ہوتا۔

اذان میں زیادتی کا شبہ

مخالفین کی طرف سے یہ بات بھی بڑی شدومد سے پیش کی جاتی ہے کہ اگر یونہی تسلسل اور تواتر سے اذان سے پہلے اور بعد صلوٰۃ و سلام کے کلمات پڑھے جاتے رہے تو آنے والی نسلیں ان کلمات کو اذان کا جزو سمجھ لیں گی اور یہ دین میں زیادتی ہے۔

اس کے جواب میں گذارش ہے کہ اول تو صلوٰۃ و سلام کے کلمات فصل کر کے پڑھے جاتے ہیں اس لئے جزئیت کا شبہ نہیں ہو سکتا۔ ثانیاً یہ کہ اذان کے کلمات کے صیغے، مادہ، مرّت اور مقدار سب معین ہیں مثلاً اذان میں اللہ اکبر کہا جاتا ہے ''اللہ کبیر'' نہ کہا جائے گا، نہ ''اللہ عظیم'' کہا جائے گا، پھر شروع میں یہ کلمات چار مرتبہ کہے جاتے ہیں، تین یا پانچ مرتبہ نہیں کہے جائیں گے، اسی طرح اذان کے تمام کلمات کی ہیئت اور مقدار معین ہے اس میں سر مو تبدیلی نہیں ہوتی بخلاف صلوٰۃ و سلام کے ان میں کسی قسم کی ہیئت یا مقدار معین نہیں ہے مثلاً الصلوٰۃ و السلام علیک یارسول اللہ کہا جائے یا الصلوٰۃ والسلام علیک یا نبی اللہ یا صلی اللہ علیک یارسول اللہ کہا جائے، پھر دو دفعہ کہا جائے یا تین یا چار دفعہ کوئی تخصیص یا تعیین نہیں ہے، پھر جس چیز کی ہیئت اور مقدار معین نہ ہو اس کو کوئی کیسے اس چیز کا جزو سمجھ لے گا جس کی ہیئت اور مقدار، سب کچھ معین ہے ثالثاً قرآن کریم کے تمام نسخوں میں ہر سورت سے پہلے سورت کا نام اس کے مکی یا مدنی ہونے کی تفصیل اور آیات کی تعداد لکھی ہوئی ہوتی ہے مثلاً سورہ فاتحہ سے پہلے لکھا ہوگا سورة الفاتحة مكية وهي سبع ايات

لہ درالمختار علی ہامش الرد، ج ۵، ص ۳۴۰

اور تمام فقہار نے تصریح کی ہے کہ مصحفِ کریم میں ان عبارات کو لکھنا بدعت ہے چنانچہ درِ مختار میں ہے :۔

لا بأس بکتابۃ اسامی السور و عدد الای وعلامات الوقف و نحوھا فھی بدعۃ حسنۃ لہ

اور حضرتِ عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں :۔

جردوا القرآن

"قرآن کو غیرِ قرآن سے پاک رکھو"

علامہ شامی اس کے جواب میں فرماتے ہیں یہ حکم ان کے زمانہ میں تھا اور اختلافِ زمانہ سے احکام مختلف ہو جاتے ہیں ۔ (ایضاً)

اب غور فرمایئے قرآنِ کریم کی ہر سورت سے پہلے جو سورت کا نام اور آیات کی تعداد لکھی جاتی ہے ، کیا اس سے یہ شبہ نہ ہوگا کہ یہ عبارات قرآنِ کریم کا جزو ہیں جبکہ قرآنِ کریم کو غیرِ قرآن کی جزئیت کے شبہ سے محفوظ رکھنا اذان کی نسبت زیادہ اہم ہے ۔

اگر مخالفین واقعی دین کو غیر دین کی آمیزش سے پاک رکھنے میں مخلص ہیں ۔ تو چاہئے تھا کہ وہ یہ آواز اٹھاتے ، قرآنِ کریم کے نسخوں کو اسمارِ سورہ سے مجرد کیا جائے لیکن جب اس بارے میں مخالفین کچھ نہیں کہتے تو کیا لوگ یہ نہ سوچیں گے کہ جھگڑا دین میں غیر دین کی آمیزش کا نہیں ہے بلکہ اصل جھگڑا تو حضور کی ذات کا ہے اور عناد ان کے نام سے ہے ، انہیں کسی جگہ حضور کا نام سننا گوارہ نہیں ہوتا اور ہمارا اس نام کے بغیر گذارا نہیں ہوتا ۔

حرفِ آخر

محض اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی کی خاطر احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کو مدِ نظر رکھ کر اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیبِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کی سربلندی کے اثبات میں یہ چند صفحات تحریر کئے ہیں۔

اللہ تعالےٰ ان سطور کو موافقین کے لئے ثبات مزید اور مخالفین کے لئے اصلاح کا ذریعہ بنائے، آمین یارب العالمین بجاہ حبیبک سید المرسلین و اخر دعونا ان الحمد للہ رب العالمین وصلی اللہ تعالیٰ علی اشرف انبیائہ محمد وعلی الہ واصحابہ اجمعین۔

۱۱ ربیع الثانی ۱۳۹۷ھ

نفس اسلام
WWW.NAFSEISLAM.COM